"جس دن سے......!"
(ناول)
صادقہ نواب سحر

”جس دن سے....!“

(ناول)

”جس دن سے ....!“

(ناول)

صادقہ نواب سحرؔ

ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی

"JIS DIN SE.......!" (Novel)

by

Sadiqua Nawab Saher

Flat No.2, 1st. Floor, Mohsin Manzil
Shastri Nagar, Khopoli. 410203
Dist: Raigad, Maharashtra.
E-mail:sadiquanawabsaher@hotmail.com
Mobile: 09370821955, 09422493868

Year of Edition 2016
ISBN 978-93-5073-769-9

₹ 400/-

نام کتاب	:	''جس دن سے......!''(ناول)
مصنفہ	:	صادقہ نواب سحر
سنہ اشاعت	:	۲۰۱۶ء
قیمت	:	۴۰۰ روپے
مطبع	:	عفیف پرنٹرس، دہلی۔۶

ملنے کے پتے

☆ امرین بک ایجنسی، 87 بلاک۔7 میونسپل کوارٹرس، کالج کی مسجد کے پاس، جمال پور، احمد آباد۔380022
☆ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، پرنسس بلڈنگ، ای۔آر۔روڈ، ممبئی۔ 400003 فون نمبر:022-23774857
☆ ھدیٰ بک ڈسٹری بیوٹرس، 22-7-454/455، مسجد ایک خانہ کے سامنے، پرانی حویلی، حیدر آباد۔2
☆ حسامی بک ڈپو، مچھلی کمان، حیدر آباد (فون نمبر:040-66806285)
☆ انجمن ترقی اُردو، اردو ہال، حمایت نگر، حیدر آباد ☆ رائی بک ڈپو، 734، پرانا کٹرہ، الٰہ آباد (یوپی)
☆ بک امپوریم، سبزی باغ، پٹنہ۔4 ☆ عثمانیہ بک ڈپو، 125 رابندرا سرانی، کلکتہ۔700073
☆ دانش محل، امین الدین پارک، لکھنؤ۔226018 (یوپی)

Published by

EDUCATIONAL PUBLISHING HOUSE

3108,Vakil Street, Kucha Pandit, Lal Kuan, Delhi-6(INDIA)
Ph : 23216162, 23214465, Fax : 0091-11-23211540
E-mail: info@ephbooks.com,ephdelhi@yahoo.com
website: www.ephbooks.com

انتساب

بیٹی لبنیٰ

کے نام

جلیتو اور اس جیسے بیشمار نوجوانوں

کے نام

تقریظ

از: رتن سنگھ

کوئی پریوار ٹوٹ پھوٹ کی کگار پر ہو تو زندگی بکھر جاتی ہے۔ اُس کی صورت بگڑ جاتی ہے، اور اس کی راہوں میں کانٹے کچھ اس طرح بچھ جاتے ہیں کہ صرف پاؤں ہی نہیں ،جسم ہی نہیں، انسان کی روح بھی لہولہان ہوتی رہتی ہے۔

صادقہ نواب کا ناول ''جس دِن سے'' ایسی ہی زندگی کی درد بھری داستان بیان کرتی ہے۔ ایسے ہی ایک پریوار میں جنم لینے والے 'جیتو' کی زندگی کچھ ایسی دلدل میں پھنسی ہے جس میں باپ اس لڑکے کی ماں کو چھوڑ کر دو اور عورتوں سے شادی رچاتا ہے۔ ایسے میں ماں کیا کرے؟ وہ بھی کسی دوسرے آدمی کے ساتھ رہنے لگتی ہے۔

دونوں ماں باپ کے الگ الگ رشتوں سے الگ الگ اولادیں بھی ہیں۔ ایسے میں باہمی پیار کا رشتہ بھی ایک انسان کو جوڑتا ہے، وہ استوار نہیں ہو پاتا، اور تو اور جیتو کا مزاج اپنے سگے بھائی سے بھی میل نہیں کھاتا۔ اِن حالات میں آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جیتو کی پرورش کیسی ہوئی ہوگی اور اس کا دماغ ،کس قسم کی الجھنوں سے دوچار رہتا ہوگا۔

پھر بھی غنیمت ہے کہ ذہنی طور باپ کی نسبت وہ خود کو زیادہ ماں سے زیادہ قریب محسوس کرتا ہے۔ اسی لئے زیادہ نہیں تو تھوڑا بہت تو ماں کی ممتا کا امرت اس کی رگوں میں رچا بسا ہے۔ ورنہ باپ؟

باپ کے بارے میں تو صادقہ نواب کے لفظوں میں جیتو کی نظر میں، ''ڈیڈی کا

مطلب ظالم انسان۔'' اِس ظالم انسان کو وہ ایک بار کہتا ہے، ''میں شادی نہیں کروں گا۔میرے حصّے کی شادی آپ نے کرلی۔''

ماں بھی دوسرے مرد کے ساتھ رہتے ہوئے تنکے کو شہتیر کا سہارا سمجھتی ہے۔اُس کی ذہنی بے چینی اِس ایک جملے سے جھلک رہی ہے، جو جیتو نے اپنی ماں کی پرس میں رکھی ایک چٹھی میں لکھا دیکھا ہے،

''تمہارے سوا میرا کوئی نہیں۔تم ہی مجھے سمجھ سکتے ہو۔میرے اپنے بیٹے بھی مجھے نہیں سمجھ پاتے۔''

یہ خط پڑھ کر جیتو کے دماغ میں ایک لکیر سی بن کر رہ گئی۔اور یہ لکیر ایسی الجھی کہ دماغ الجھتا چلا گیا۔ایسے میں پڑھنے بیٹھے تو کتاب کے الفاظ آنکھوں کے سامنے غالباً لکیریں بن کر پھیلنے لگتے ہیں، سبق یاد ہوتو کیسے؟

ساتویں میں، پھر بارہویں میں ایک ڈراپ لگا۔

اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کے لئے نوکری کی تلاش میں جاتا ہے تو کوالیفیکیشن پوچھنے پر چڑھ جاتا ہے۔کیا جواب دے۔آخر قسمت نے یاوری کی۔کال سینٹر کی نوکری مل گئی۔مگر وہ کہیں ٹک نہیں پاتا۔بار بار کال سینٹر بدلتا ہے۔ہر جگہ نیا ماحول، نئے لوگ۔

کہیں کوئی رشتہ استوار نہیں ہو پاتا۔نہ نوکری میں، نہ دوستی میں، نہ محبت میں۔

پیڑ سے سوکھا پتہ، جیسے زمین پر گر کر اِدھر اُدھر بھٹکتا ہے، اِس طرح گھریلو اور باہری زندگی میں وہ بھٹکتا رہتا ہے۔اور ہر بھٹکن ، اُس کے دِماغ میں پہلے سے موجود لکیروں کو اور الجھا دیتی ہے۔

نتیجے کے طور پر قانون کی پڑھائی میں کئی بار ڈراپ لگا اس کے ساتھی کب کے پڑھائی پوری کر کے کامیاب زندگی گزار رہے ہیں۔لیکن یہ...اس مسافر کی طرح پریشان ہے جو کسی سونے راستے پر کھڑا ہو کر دیکھے تو ایسا لگتا ہے جیسے ماضی کے اندھیرے اس کے مستقبل کی راہوں پر مشکلیں بن کر پھیلتے جا رہے ہوں۔

ایسے میں ایک ہی امید کی کرن باقی رہ جاتی ہے کہ وہ اپنے حالات کا تجزیہ کرے

اور سوچے کہ اُسے کیا کرنا چاہیے۔ ایسے میں اپنی بدحالی کے لئے جہاں وہ اپنے ماں باپ کو ذمے دار سمجھتا ہے، وہاں خود کو بھی قصوروار گردانتا ہے۔

صادقہ نواب لکھتی ہیں، "وجہ کون ہے... ماں باپ یا میں؟ یا ہم تینوں..."...

"چاہوں تو بہت کچھ کر سکتا ہوں مگر صرف پراگندہ ماضی کی وجہ سے کچھ نہیں کر سکتا... ایسے میں ماں باپ مجھے سہارا دیں۔

مگر ڈیڈی تو سو چکے ہیں۔"

ڈیڈی سو رہے ہیں تو اُس کی قسمت بھی سو رہی ہے۔ شاید وہ ایسا سوچتا ہے۔ اپنے حالات کا ایسا ایماندارانہ تجزیہ ہی شاید اُس کے دماغ کی لکیروں کو کچھ پھیکا کرتا ہے۔

ایسے میں ماں کی ممتا کا کوئی گن جو اس کے رگ وریشے میں بس گیا تھا، اُس کی کوئی چنگاری جیتو کے دل میں الاؤ بن جلتی ہے اور وہ کہتا ہے، "اپنی زندگی کے سفر کو میں اپنی زندگی کے خلاف ایک جنگ مانتا ہوں اور خود کو ایک جنگجو۔" اور وہ ماں قدرت کو سلام کرتا ہوا کہتا ہے، "اپنی پوری زندگی... تم کو اور صرف تم کو وقف کرتا ہوں۔"

یہی جنگجو آخر چھ بار فیل ہونے کے بعد قانون کی پڑھائی مکمل کرتا ہے اور خود کو کامیاب انسان بنانے کی کوشش میں لگ جاتا ہے۔

اور پھر اس راہ پر چلتے ہوئے زندگی اس کی اِس ثابت قدمی کا امتحان بھی لیتی ہے۔

ایک دِن اُس کی پرانی واقف کار مہک، اپنی جنسی خواہش پورا کرنے کے لئے ناگن بن کر اس کی کامیابی کو ڈس لینا چاہتی ہے، تو وہ کہتا ہے،

"نہیں میں اپنے باپ کے نقشِ قدم پر نہیں چلوں گا۔"

اِس نُقطے پر پہنچ کر جب ناول اپنے اختتام تک پہنچتا ہے، تو قاری محسوس کرتا ہے کہ ماضی میں پڑی الجھنیں پیدا کرنے والی سب لکیریں اس کے دماغ سے پوری طرح مِٹ گئی ہیں۔

اور اس سے نہ صرف جیتو کے لئے زندگی کے اگلے سفر کی راہیں روشن ہو جاتی ہیں بلکہ...

...یہ اختتام صادقہ نواب کو بھی ایک کامیاب ناول نگار کی حیثیت سے ادب کے قاری کے سامنے لاکر کھڑا کردیتا ہے۔

گٹھے ہوئے واقعات، چست جملے، نفسیاتی اعتبار سے حقیقی تجزیہ اور فکری سطح پر مکمل کہانی، صرف جیتو کی داستان ہی نہیں رہ جاتی بلکہ یہ داستان اِس ملک کے اُن لاکھوں کروڑوں گھروں کی داستان بن جاتی ہے، جہاں زندگی اسی قسم کے بدنما حالات کا شکار ہوکر اندھیروں میں بھٹکتی رہ جاتی ہے۔

اِس کامیاب کوشش کے لئے صادقہ نواب مبارکباد کی مستحق ہیں۔

مصنفہ ایک سلجھے ہوئے ذہن کی مالک ہیں اور کہانی بُننے کے فن سے بخوبی واقف۔ ایسے میں امید کی جاتی ہے کہ وہ آئندہ بھی اچھی سے اچھی تخلیقات سے اردو ادب کو امیر بناتی رہیں گی۔

میری نیک خواہشات ان کے ساتھ ہیں۔

رتن سنگھ

01/07/2015

پیش لفظ

از: وسیم بیگم

ڈاکٹر صادقہ نواب سحرؔ ممبئی کے ایک علاقے کھپولی سے تعلق رکھتی ہیں۔انکی ابتدائی تعلیم ممبئی میں ہوئی۔اعلیٰ تعلیم بھی ممبئی یونیورسٹی سے ہی حاصل کی۔ یہاں سے تخلیق نگار نے اردو اور فارسی میں کیا۔پھراردو، ہندی اور انگریزی میں ایم۔اے کے بعد ڈی ایچ ای اور پھر ہندی میں ڈاکٹر آف فلاسفی کی ڈگری حاصل کی۔ مادری زبان اردو ہونے سے قدرتی طور پران کی تخلیقات میں اردواور ہندی کی چاشنی اور مشترکہ ہندوستانی تہذیب کی نمایاں جھلک دیکھنے کوملتی ہے۔کیونکہ ادیبہ مہاراشٹر سے تعلق رکھتی ہیں اس لیے مراٹھی زبان پر بھی ان کو عبور حاصل ہے۔ممبئی کے ایک کالج سے اردو لکچرر کے طور پر شروعات کرنے والی صادقہ نواب،آج کل کھپولی کے ایک کالج میں ایسوسیٹ پروفیسر کے طور پر شعبہء ہندی میں درس وتدریس کے فرائض انجام دے رہی ہیں۔انھوں نے اپنے ادبی کیریئر کا آغاز اردوشاعری سے کیا۔۱۹۹۶میں انکی پہلی شعری تخلیق ''انگاروں کے پھول'' سامنے آئی اوراس کوادبی حلقوں میں پذیرائی حاصل ہوئی۔اس مجموعے میں تخلیق نگار نے بہت سے سماجی اوراقتصادی مسائل پر قلم اٹھایا ہے،اس کے علاوہ عورت اورمرد کے بنتے اور بگڑتے رشتوں پر بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے،اس کے بعد۲۰۰۳ میں انکاایک اور شعری مجموعہ منظرعام آیا''پھول سے پیارے جگنو'' کے عنوان سے یہ تخلیقی کاوش بچوں کی نظموں پر مبنی ہے۔صادقہ کا ایک اور ناول''کہانی کوئی سناؤ متاشا''۲۰۰۸ میں شائع

ہوا،اس ناول نے نہ صرف اردو زبان و ادب میں پذیرائی حاصل کی بلکہ ہندی اور تیلگو زبان میں بھی اسکے ترجمے ہوئے،اس ناول پر تخلیق نگار کو بہت سے انعامات بھی ملے جو اس بات کا ثبوت ہیں کہ ان کے اس ناول کو ہندوستان کی دوسری زبانوں میں بھی قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا۔مزید یہ کہ صادقہ کے اس ناول کو نہ صرف ہندوستان میں شہرت حاصل ہوئی بلکہ اسکو بین الاقوامی مقبولیت بھی ملی اور یہ ناول ۲۰۱۰ میں کراچی شہرزاد پبلکشنس سے بھی شائع ہوا۔

''دو کھونٹوں کے درمیان'' ۲۰۱۱ میں منظر عام پر آیا۔یہ اردو کا طبعزاد ڈرامائی مجموعہ ہے۔ ان ڈراموں کو بھی اردو ادب کے حلقوں میں بہت سراہا گیا،مہاراشٹر اردو ساہتیہ اکادمی سے اسکو ایوارڈ بھی ملا۔تخلیق نگار کے افسانوں کا مجموعہ ''خلش بے نام سی'' منظر عام پر آیا اس کے افسانوں میں صادقہ نے مختلف سیاسی،سماجی،اقتصادی اور معاشرتی مسائل کو سامنے لانے کی کوشش کی ہے۔ان افسانوں کو بھی اردو دنیا نے سراہا اور بہار اور اتر پردیش اردو اکادمی سے انعام ملا۔

اب ان کا ایک اور ناول ''جس دن سے'' شائع ہو رہا ہے۔یہ ناول آج کل لکھے جانے والے دوسرے ناولوں سے بہت مختلف ہے،جیسا کہ اس کے عنوان سے پتہ چل رہا ہے کہ ناول نگار کوئی نئی بات کہنے جا رہی ہیں۔یہ ایک مختصر ناول ہے جو ۱۶۷ صفحات پر محیط ہے۔اس میں ایک ایسے لڑکے کی کہانی بیان کی گئی ہے جس کا نام جتیش ہے،جو بچپن سے جوانی تک تکلیفوں اور مصیبتوں کا شکار رہا۔یہ کہانی ایک نچلے متوسط طبقے کی ہے جو ممبئی اور اسکے گرد و نواح سے تعلق رکھتی ہے۔جب جتیش اسکول کی ساتویں کلاس میں پڑھتا تھا اسی وقت والدین کی علیحدگی ہوگئی،ماں کے ساتھ اسکا بڑا بھائی نکھل چلا گیا اور وہ خود باپ کے پاس رہ گیا۔باپ ایک آوارہ قسم کا آدمی تھا پہلے ایک عورت کو گھر لایا پھر دوسری کو۔جتیش دونوں عورتوں سے سخت نفرت کرتا تھا کیونکہ وہ ان کو اپنی ماں ماننے کے لیے تیار نہیں تھا۔بچپن سے ہی اسکو بہت خراب ماحول ملا،نہ ماں کی ممتا نہ باپ کا دلار اسی لیے وہ تعلیم بھی پچھڑ گیا۔نکھل بھی گھریلو حالات ٹھیک نہ ہونے کی وجہ سے اعلیٰ تعلیم حاصل

نہیں کرسکا۔ جب جیتیش کی باپ سے لڑائی ہوتی اور وہ ماں کے پاس بھاگتا وہاں بھی اسکو ماں کی شفقت نہیں ملتی، کیونکہ ماں کا تعلق کسی دوسرے مرد سے ہو چکا تھا۔ وہ نوکری بھی کرتی اور اس کے گھر کو بھی دیکھتی۔ ان حالات نے اسکو بہت کٹھور بنا دیا۔ اب وہ اپنی زندگی تنہا گزارنا چاہتا تھا۔ اب اسکو ماں کے ساتھ رہنا ان کا ٹوکنا، سوال کرنا کچھ بھی اچھا نہیں لگتا تھا۔ جیتیش اپنی زندگی سے بیزار ہو چکا تھا اسی لیے اس نے خودکشی کی بھی کوشش کی لیکن کسی طرح اس کو بچا لیا گیا۔ اس کی اپنی زندگی اس کے لیے وبال جان بن گئی تھی۔ شروع سے آخر تک زندگی میں اس کو کوئی خوشی میسر نہیں ہو سکی۔ جہاں کوئی خوشی اسکی زندگی میں آتی وہ اپنے حال کو بھول کر ماضی میں چلا جاتا اور ماضی اسکا بہت تلخ تھا، سوائے کڑواہٹ کے وہاں کچھ نہیں تھا۔ ماں باپ کی لڑائی، گالیاں، ایک دوسرے سے نفرت۔ والدین نے دوسرے مرد اور عورتوں میں پناہ ڈھونڈ لی تھی اور ان دونوں بچوں کے دلوں پر کیا گزر رہی تھی یہ سوچنے کا کسی کے پاس وقت نہیں تھا۔ بچپن اور جوانی کا وہ وقت جب انسان لاپرواہ ہوتا ہے اور ایک حد تک موج مزے میں ڈوبا ہوتا ہے، جیتیش نے یہ وقت کالج میں نہیں بلکہ کال سینٹر کی سروس میں گزارا، جس کی وجہ سے تعلیم میں بھی پیچھے رہ گیا۔ ماں باپ کا دلار نہیں مل سکا اس کو اس لیے وہ احساسِ کمتری کا بھی شکار ہو گیا۔ زندگی کے آخری موڑ پر وہ اپنی جدوجہد، لگن اور محنت سے ایک وکیل بننے میں ضرور کامیاب ہو سکا۔ زندگی میں اسے کوئی ایسا ساتھی بھی نہیں ملا جو اسکو سچی محبت دیتا۔ پوری زندگی وہ جس محبت کا متلاشی رہا وہ اس کو آخر تک نہیں حاصل ہو سکی۔

صادقہ نواب سحر کا یہ ناول دراصل کثیر الجہات (multidimensional) ہے۔ اس میں ناول نگار نے ایک طرف ہمارے سماج کے ایک عام انسان کی خودغرضی اور اس کی نفسیات کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے کہ آج کا انسان یہاں تک کہ ماں باپ بھی جو اولاد کو جگر کا ٹکڑا کہتے ہیں وہ بھی کتنے مطلب پرست اور خودغرض ہو گئے ہیں۔ جیتیش کے والدین کو صرف اپنی خوشی عزیز ہے، باقی ان کو کسی کی پرواہ نہیں ہے۔ یہاں تک کہ انھوں نے اپنے مفاد کے لیے اولاد کو بھی اپنے سے دور کر دیا۔

دوسری اہم جہت اس ناول کی یہ ہے کہ عصری دور کا معاشرہ جنسی بے راہ روی کا بری طرح شکار ہو چکا ہے اور یہ جنسی بے راہ روی صرف نوجوان نسل میں ہی عام نہیں ہے بلکہ ہر عمر کے لوگ اس برائی کو اپنائے ہوئے ہیں۔ یہاں تک کہ شادی شدہ جوڑے بھی اپنی جنسی بھوک کو مٹانے کے لیے کچھ بھی کر گزرتے ہیں۔ شوہر اور بیوی کا جو ایک مقدس رشتہ ہے اس کا تقدس باقی نہیں رہا۔ دور حاضر میں شوہر اور بیوی دونوں ایک دوسرے کو مشکوک نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔

تیسری جہت اس ناول کی یہ ہے کہ سچی محبت تو کہیں گم ہوگئی ہے۔ وقت گزارنے کے لیے لڑکے لڑکیاں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اور مطلب نکل جانے پر ایک دوسرے کو پہچانتے بھی نہیں۔ اس ناول میں تخلیق نگار نے ایک اور شعوری کوشش یہ بھی کی ہے کہ بے وفائی لڑکیوں کی طرف سے دکھائی گئی ہے۔ پہلے لڑکا بہت سی گرل فرینڈز رکھتا تھا۔ جب چاہتا ایک کو چھوڑتا دوسری پکڑ لیتا۔ لڑکیوں کو دھوکا دینا، ان کے جذبات سے کھیلنا اس کے لیے معمولی بات تھی، لیکن اس ناول میں صادقہ نے پوری بساط پلٹ دی اور یہ دکھایا ہے کہ ایک لڑکی کے کئی بوائے فرینڈز ہیں، وہ ایک وقت میں کئی لڑکوں کو ایک ساتھ بیوقوف بناتی ہے اور پھر جس کے پاس دولت زیادہ ہوتی ہے، سب کو چھوڑ کر اس کی ہو جاتی ہے اور پھر پرانے دوستوں کو بھی پہچاننے سے انکار کر دیتی ہے۔ یہی جینیش کے ساتھ ہوا۔ اس کو سچی محبت کرنے والی کوئی لڑکی نہیں مل سکی۔ اس نے جس سے بھی محبت کی یا جس کو اپنا جیون ساتھی بنانا چاہا اسی نے اس کو دھوکا دیا۔ آخر میں وہ بالکل تنہا کھڑا تھا۔ یہی اس کے بڑے بھائی نکھل دادا کے ساتھ ہوا۔ اس نے اپنی بیوی اور بچی سے محبت کی اور اپنا گھر بسانا چاہا وہ بھی اس کی ہو کر نہیں رہ سکی، اس نے شوہر اور سسرال والوں پر طرح طرح کے بے بنیاد الزامات لگائے اور ایک دن شوہر سے طلاق لے لی۔

تخلیق نگار نے ایک اور جہت کی طرف بھی توجہ مبذول کرائی ہے کہ اس معاشرے میں ازدواجی رشتے بکھر رہے ہیں اور نچلے متوسط طبقے میں بھی آدمی
ایک شادی پر قناعت نہیں کرتا۔ وہ بہ آسانی پہلی بیوی کو چھوڑتا یا تو دوسری شادی

کر لیتا ہے یا کسی دوسری عورت کو گھر میں رکھ لیتا ہے اور بیوی بھی کسی دوسرے آدمی کے ساتھ نا جائز تعلقات بنا لیتی ہے اور ایسا قدم اٹھانے میں وہ کسی قسم کی شرم محسوس نہیں کرتی۔ ناول نگار نے اس طرف بھی معنی خیز اشارے کیے ہیں کہ انسان کا آج کل کے زمانے میں سیدھا اور شریف ہونا بھی اس کے لیے نقصان دہ ثابت ہوتا ہے اس دنیا میں فریبی اور مکار لوگوں کا ہی بول بالا ہے۔ شرافت میں انسان بے موت مارا جاتا ہے۔ اسکے علاوہ انھوں نے ممبئی اور اس کے اطراف میں رہنے والے لوگوں کی زندگی، وہاں کا رہن سہن ، کلچر اور مذہبی عقائد کو بھی زیریں لہر کی طرح اس ناول میں شامل کیا ہے۔

صادقہ کہانی بننے کے فن سے اچھی طرح واقف ہیں انکی کہانی دلچسپ ہونے کے ساتھ موثر بھی ہوتی ہے۔ وہ شروع سے آخر تک قاری کو باندھے رکھتی ہیں، مرکزی کردار تو اس ناول میں ایک ہی ہے جیتیش کا۔ باقی کچھ ذیلی کردار ہیں جو اپنی جگہ اہم ہیں۔ دوسرے چھوٹے چھوٹے کردار کافی ہیں جو زندگی کے مختلف موڑ پر ملتے ہیں۔ زبان سادہ ہے۔ کہیں کہیں مراٹھی زبان بھی استعمال ہوئی ہے۔ ناول میں انھوں نے زندگی کی جن سچائیوں اور حقیقتوں کو ابھارنے کوشش کی ہے ان میں وہ مکمل طور پر کامیاب ہوئی ہیں۔

امید ہے ادبی حلقوں میں ان کے اس ناول کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔

ڈاکٹر وسیم بیگم
ایسوسیٹ پروفیسر
مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی
لکھنؤ کیمپس، لکھنؤ

☆☆

O

☆ ڈیلیوری بوائے

"ڈیلیوری بوائے"، ساحل نے آواز لگائی اور دروازہ کھول دیا۔
انگریزی کی تھرکتی ہوئی دُھن پر سارے دوست ناچ رہے تھے۔'ڈومینوز' میں آرڈر دے کر پزا اور کولڈ ڈرنک منگوا لیا گیا تھا۔ کچھ کم محسوس ہوا تو ایک بار اور فون پر پزا آرڈر کر دیا۔ سگریٹ کا دھواں اور پزا کی خوشبو مل کر ایک لذت بھرا ماحول بنا رہے تھے۔ ہفتے کی چھٹی تھی۔ شام کے وقت میں نے اپنے کچھ دوستوں کو گھر بلا لیا تھا۔ دروازے کی گھنٹی زور زور سے بجنے لگی۔ کافی دیر بعد یہ سمجھ میں آیا کہ وہ میوزک یا موبائل کے رِنگ ٹون کا حصہ نہیں تھی۔ دروازہ کھولتے ہی پزا ڈیلیوری بوائے کو نہ دیکھ کر ساحل جھجک کر پیچھے ہٹا۔ سامنے مما اور نِکھل دادا تھے۔ ساحل نے لپک کر موسیقی بند کر دی۔ مجھے اندازہ نہیں تھا۔ مما ہفتہ کی چھٹی میں کبھی پنویل کے اِس گھر نہیں آتی تھیں۔ دراصل جب سے اس گھر میں کمپیوٹر آیا ہے، نکھل بھی تبھی سے گھر آنے لگا ہے۔ لیکن آج اس کی امید بالکل نہیں تھی۔ بدقسمتی سے مما اور بھائی اُس رات گھر آ گئے تھے۔
"کس سے پوچھ کر پارٹی رکھی...؟ تیرے اکیلے کا تو گھر نہیں ہے!" اور بھائی مجھ پر چلانے لگا تھا............ میں چپ رہا۔ پھر وہ اپنا غصہ ضبط کرتے ہوئے میرے دوستوں سے ذرا نرمی سے بولا۔
"تم لوگوں کو تو عقل نہیں ہے............ تم لوگ ایسے کیسے منہ اٹھائے پارٹی کرنے

چلے آتے ہو؟''

میرے دوستوں نے پہلی بار بھائی کو دیکھا تھا اور وہ بھی اس طرح! یہ گھر میں نے مما کے ساتھ مل کر خریدا ہے کیوں کہ مجھے بینک سے اتنا قرض نہیں مل سکتا تھا۔

''تُو ہمیشہ پارٹی کرتا رہتا ہے۔'' مما کہتی ہیں.... میرے دوست کبھی کبھی آتے ہیں نا گھر.....!

وہ رات مجھ پر بھاری تھی۔۔ بے چین جو تھا۔ قریب تین بجے میں نے ٹی وی پر فلم لگالی۔

''اتنی صبح صبح ٹی وی کیوں لگالیا............ ارے کم سے کم آواز تو کم کرو۔'' مما کی چیخ گونجی۔

''آپ اندر جا کر سوئیں نا مما!'' لیکن انھیں تو ہال میں ہی سونا پسند ہے۔ وہ کروٹ بدلتی ہیں۔ کانوں پر چادر لپیٹ لیتی ہیں۔ میں ٹی وی بند کر دیتا ہوں اور کمپیوٹر چلا دیتا ہوں۔ کار ریس میں خوب جوش ہے۔ خوبصورت کاریں ایک دوسرے کو روندتی ہیں۔ ٹکراتی ہیں۔

''کمپیوٹر کی آواز کم کرو۔''

''تمھیں تیز آواز کے بغیر کار ریس میں مزہ نہیں آتا؟'' مما اٹھ کر میرے پاس آتی ہیں، ''تم ذرا بھی ایڈجسٹ نہیں کرتے، یہ غلط ہے۔'' وہ میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہتی ہیں۔

''غلط ہے...... مگر میری لائف تو دیکھو! گھر آ کر نارمل انسان کی طرح کمپیوٹر یا ٹی وی چلاتا ہوں۔ اب تم کو ڈسٹرب ہوتا ہے تو میں کیا کروں؟'' میں بھی پلٹ کر جواب دیتا ہوں، ''نائٹ ڈیوٹی کر رہا ہوں۔ شام کے ساڑھے سات بجے سے صبح چار بجے تک ڈیوٹی کر کے آؤں گا تو کیا تھوڑی سی تھکن دور نہیں کروں گا؟''

''لیکن آج تو سنڈے ہے نا! سوتے کیوں نہیں؟''

''کال سینٹر میں کام کرتا ہوں۔ میری روزمرہ کی زندگی بالکل اُلٹی ہو گئی ہے۔ چُھٹی کے دن بھی رات بھر جاگتا اور دن بھر سوتا ہوں۔ کیا کروں!''

''تو کبھی ایڈجسٹ نہیں کرتا!''، ماں کا سر ہلا کر بار بار کہنا مجھے بحث کرنے پر اکساتا ہے۔

''دنیا حیران ہے اور آپ آسارام باپو کا ایک فوٹو، فریم کروا کر گھر لے آئی ہیں۔''

''تو تجھے کیا!''

''دن میں جس وقت میں سوتا ہوں، ٹی وی پر پروچن نہیں سنتیں کیا؟ 'سنسکار' اور 'آستھا' چینل چلائے رکھنا چاہتی ہیں۔ مجھے بھی ڈسٹرب ہوتا ہوگا...... کبھی سوچتی ہیں کیا؟'، مما چڑ کر اندر چلی جاتی ہیں۔

''الگ رہنا چاہیے'، جب آپسی جھک جھک دماغ خالی کر دیتی ہے تو سوچتا ہوں، ''میں چاہوں گا کہ میرا اپنا گھر ہو'، میں منہ ہی منہ میں بڑبڑاتا ہوں،'' یہ نہ کرو......، وہ نہ کرو'' ......کوئی نہ کہے۔ ان لوگوں کا ساتھ تو میری زندگی کی الجھنوں کو اور بڑھاتا ہے۔

ہفتہ بھر گھر پر نہیں تھیں، آج ہیں تو پوچھتی ہیں ...تو پُرانی یادیں نئے زخم دینے لگتی ہیں۔ میں تڑپنے لگتا ہوں...... وہ صبح یاد آرہی ہے جب مما ہمیں چھوڑ گئی تھیں....

ماں چھوڑ گئی تھیں!

یاد ہے، وہ میری ساتویں کلاس کی ایک عام سی صبح تھی۔ شاید مما نے مجھے جگایا نہیں تھا۔ آنکھ کھلی۔ دوپہر کے بارہ بجے تھے۔ صفائی کرنے والی بائی ہال میں پوچھا لگا رہی تھی۔

''مما کہاں گئیں؟'' میں نے پوچھا۔

''ممبئی گئی ہیں، نانی کے گھر۔''، مجھ پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ اکثر وہی تو ہوتا ہے۔ لیکن اُس شام کے بعد وہ گھر نہیں لوٹیں۔ کھانے پینے کا برا حال ہوگیا۔ رونے کے لیے کوئی کندھا تو ہو! سب کچھ اچانک ختم ہو گیا تھا۔ اور ایک کہانی جس نے پانجراپول سے شروعات کی تھی، ایک عجیب موڑ پر پہنچ گئی...

☆ پانجراپول

چیمبور میں گولف کلب کے پاس آر کے اسٹوڈیو کے سامنے شیواجی کا ایک پتلا

ہے۔ یہ علاقہ 'انوشکتی نگر' کے آگے، 'بی پی سی ایل' اور 'آر سی ایف'، ممبئی کی جانب واقع ہے۔
ہمارے پونا والے چاچا، یہیں اپنے کسی دوست کے گھر میرے ڈیڈی کے ساتھ کرائے پر رہتے تھے۔ یہیں سے دونوں بھائی میرے ڈیڈی کے لئے لڑکی یعنی میری موسی کو دیکھنے ہماری نانی کے گھر آئے تھے مگر پسند کرلیا میری مما کو! اور ممی ڈیڈی کی شادی ہوگئی۔ اس شادی کے بعد چچا پونا جابسے۔ اگلے سال نکھل دادا کا جنم ہوا____

کچھ دنوں بعد بلکہ شادی کے چوتھے سال 'بی پی سی ایل' کمپنی میں انھیں کوارٹر مل گیا اور وہیں چیمبور اسپتال میں اُسی سال میں پیدا ہوا____ یہاں ہم دو سال رہے اور جب میں واشی کے سیکٹر سولہ میں چار منزلہ عمارت کے گراؤنڈ فلور کا ہمارا فلیٹ بن کر تیار ہوگیا تو ہم واشی میں رہنے لگے۔ چھ سال بعد واشی میں ہم نے ایک دوکان بھی خرید لی۔

____اس تیز ترقی کے ساتھ ساتھ ڈیڈی نے سیاست کی طرف رُخ کیا اور جب میں دوسری تیسری کلاس میں تھا، چناؤ کا فارم بھر دیا۔ بس مما اور ڈیڈی کے درمیان تناؤ شروع ہوا اور ڈیڈی نے چھوٹے ماما کی پٹائی کی۔ تین چار سال بعد مما گھر چھوڑ کر نانی کے پاس دادر چلی گئیں۔ مہینے بھر بعد نکھل دادا بھی وہیں چلا گیا اور گھر اجڑ گیا____ اس اجڑے مکان میں اُسی سال مینکا آ بیٹھی اور اُسی سال ساتویں کلاس میں، میں پہلی بار فیل ہوگیا۔

کبھی کبھی سوچتا ہوں مینکا ڈیڈی کی زندگی میں کب آئی ہوگی!

☆ ابتداء

میرے حساب سے جب ڈیڈی سیاست میں اترے تھے تو الٹے سیدھے لوگوں سے ملے۔ ایک وکیل کے ساتھ بار میں جانا ان کی عادت بن گئی۔ اس بیچ ڈیڈی کی پہچان مینکا سے ہوئی____ ایک پارٹی ورکر کی بیٹی نے خودکشی کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس نے نیرول کے پُل سے چھلانگ لگائی تھی............ اُسی کے گھر۔

مما اور بھائی نکھل کے گھر چھوڑ کر جانے کے بعد میں اور ڈیڈی ایک مہینہ واشی کے اُسی اپنے گھر میں رکے رہے۔ مجھے پیلیا ہوگیا تھا۔ ڈیڈی اسپتال میں روزانہ ڈبہ لاتے۔

''ڈبہ کون دیتا ہے؟''، میں ان سے ہر روز پوچھتا۔

''مینکا آنٹی!''

ایک دن وہ اسپتال آئی۔ ڈیڈی نے ہمارا تعارف کرایا،''یہی مینکا آنٹی ہیں۔''

مینکا ڈیڈی سے دس سال چھوٹی تھی۔ برہمنوں جیسی دکھائی دیتی۔ وہ مانساہاری کھانے شوق سے کھاتی۔ گہرے خوبصورت رنگوں کے شلوار سوٹ میں رہتی۔ اپنے طور طریق سے احساس کراتی کہ ماڈرن ہے ___ قد میں میری مما سے کچھ اونچی ہوگی۔ اس کی چھوٹی چھوٹی گہری کالی آنکھیں مجھے مکاری بھری لگتیں۔ گول مٹول چہرہ، کھڑی ناک، دانت ذرا سے باہر، باب کٹ بال اور مردانہ انداز ___ دیکھنے میں اچھی نہیں تھی، صرف گوری تھی.......... یا مجھے ہی اچھی نہیں لگتی تھی!

مینکا سی بی ڈی، کی ہاکرس کمیٹی کی ممبر تھی۔ راستے پر گاڑیاں اور ٹھیلے والے، پانی پوری اسٹال، آئسکریم، وڑا پاؤ، پیپر اسٹال، پان پٹی والے ہمیشہ مسئلوں میں گھرے رہتے۔ سڈکو کی گاڑی آئی کہ دوکان اٹھاؤ، بھاگو..اس کے لیے انھیں ہمیشہ تیار رہنا ہوتا۔ تب وہاں میونسپل کارپوریشن نہیں تھا۔ سب سڈکو کے ماتحت تھا۔ غیر قانونی عمارت سازی ہوتی۔ بغیر لائسنس یا معاہدے کے ہاکرس، سڑک کی جگہ پکڑتے۔ ٹھیلہ لگاتے یا سڑک کے کنارے گاڑی کھڑی کر لیتے اور دھندا شروع .... کبھی کوئی مانگ ہو یا قیمتیں بڑھائی ہوں تو ان کی یونین کی میٹنگ ہوتی۔ شاید اس کی ممبر ہونے کی وجہ سے اس کی سب سے بُری چیز اس کی زبان تھی۔ درشت زبان، نرمی ذرا نہیں تھی، کسی کا لحاظ نہیں تھا۔

☆ سی بی ڈی بیلا پور.....دوسری ممی

سی بی ڈی بیلا پور میں مینکا کا گراؤنڈ فلور پر ڈھائی بیڈ روم، ہال، کچن کا فلیٹ تھا۔ ملیریا سے ٹھیک ہو کر، اسپتال سے سیدھے ہم اُسی کے گھر گئے۔

ایک دن میں نے ڈیڈی سے پوچھ لیا۔

''پتہ ہے ان کی شادی ہو چکی ہے؟'' میں نے اس کے برتنوں پر مسز مینکا گپتا

لکھا دیکھا تھا۔

''ہاں پتہ ہے!'' مجھے برا لگا۔ ڈیڈی کو سب پتہ ہے، پھر بھی..............!

۔''اُس کو ممی بولو۔''

۔''نہیں۔ کیوں بولوں؟''.............. وہ مجھے مارتے.............. پھر بھی جب تک مینکا کے گھر رہا تھا، ڈیڈی میرا خیال رکھا کرتے تھے۔

مینکا کا گھر بہت گندا تھا۔ اس گھر میں دو کتے بھی تھے، جنھیں بہت بار باہر نہیں لے جاتے تھے۔ فلیٹ میں ایک کمرہ کتوں کا بھی تھا۔ کچن میں پانی کیچڑ بن کر چپچپاتا رہتا۔ گندی زمین پر جھینگر رینگتے۔ دیکھ کر اُبکائی آتی۔

۔' کہاں آپھنسا!.............. ڈیڈی بے لگام ہو گئے۔ انھیں یاد نہیں رہا، کہاں اور کیا کررہے ہیں؟ ___ شاید ان کی حالت بھی ویسی ہی ہو جیسی کسی ایسے نوجوان کی جسے اچانک آزادی ملی ہو، میں سوچتا۔.............. جیسے آج آربی کی ہے_ آج سوچتا ہوں_

سی بی ڈی بیلا پور کے اس گھر میں رہتے ہوئے میری دوستی ساحل سے ہوئی ___ آج بھی وہ میرا سب سے پیارا دوست ہے۔ وہ اکیلا انسان ہے جس کے ساتھ رہ کر میں پوری دنیا کو بھول جاتا ہوں۔ ساحل کے ڈیڈی ایک حادثے میں چل بسے تھے۔ اس کی ماں کو میں موسی بلاتا۔ اس کے گھر جا کر کھانا کھاتا اور کبھی کبھی وہیں سو بھی جاتا۔ دن میں اُسی وقت مینکا کے گھر جاتا، جب ڈیڈی گھر میں ہوتے، وہ بھی صرف کپڑے بدلنے کے لیے۔

نئی ممبئی میں سی بی ڈی بیلا پور علاقے کا ماحول بہت اچھا ہے۔ یہاں بہت سکون ہے۔ پوری نئی ممبئی میں سب سے زیادہ ہریالی یہیں دکھائی دیتی ہے۔ پولیس اسٹیشن کے پیچھے اور بس اسٹینڈ سے لگا ہوا ایک بڑا آم کا بغیچہ ہے۔ نیرول، واشی، جوئی نگر، پنویل جیسے نئی ممبئی کے علاقوں میں جیسی سہولتیں ہیں ویسی یہاں بھی ہیں۔ یہاں سیکٹر چار اور چھ میں بڑے مارکیٹ ہیں۔ شام کو گھومنے کے لیے اچھی جگہیں ہیں۔ یہاں میرے بہت سے دوست بن گئے۔ ساحل کے ساتھ کی یادیں کچھ گہری ہیں ___ مجھے یہ پورا علاقہ اچھا لگتا ہے۔ سیکٹر

آٹھ میں بند باندھے ہوئے ہیں۔اس کے قریب 'آرٹسٹ ولیج' ہے۔سڈکو کے پلاٹ پر بنے ہوئے، چھوٹے چھوٹے گھر کاٹج نما تھے۔آج یہاں ان گھروں پر سان پاڑہ جیسی ہی ایک اور دومنزلہ عمارتیں بن گئی ہیں۔سی بی ڈی میں سڈکو کی نرسری بڑی فطری لگتی ہے۔ شیڈ یولڈ نیٹ یعنی جالی یا ہرے شیڈ میں پودے نہیں لگائے گئے ہیں۔ پہاڑ کی ڈھلان پر فینسنگ میں وہ اپنی بہار دکھاتے ہیں۔

سنیچر اور اتوار کو ہم دوست سیکٹر آٹھ کے اندرونی کنارے پر پہاڑوں پر گھومنے جاتے۔یہیں سے تو پورا پہاڑ شروع ہوتا ہے۔یہ علاقہ تینوں طرف سے پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے۔یہاں بارش اچھی ہوتی ہے۔دھول کثافت ممبئی کے مقابلے میں کم ہے اور علاقہ ٹھنڈا رہتا ہے۔پہاڑ کی دوسری طرف نیرول ہے۔

''مینکا کے ساتھ نہیں رہوں گا''، ایک دِن میں نے کہہ ہی دیا۔اور بس چاٹے کلاس میں دسویں کے ٹیوشن کے لیے ڈال دیا گیا اور ڈیڈی کے ساتھ ایک کرائے کے گھر میں رہنے لگا۔

ساحل کے فرصت کے اوقات میرے وقت کے ساتھ میل نہیں کھاتے تھے۔ دوست ڈھونڈ رہا تھا۔یہاں، اس علاقے میں لڑکے زیادہ نہیں تھے۔لڑکیاں ہی لڑکیاں دکھائی دیتیں۔

''ہائے!..نیا ہے؟'' ریکٹ والی ایک لڑکی نے آواز لگائی۔

''ہاں!''میں نے جواب دیا۔

''کھیلو گے؟ دوستی کرو گے؟''، میرے وہاں جانے کے ایک مہینہ پہلے ہی شلپی اپنے گاؤں سے یہاں آئی تھی۔اچھی رنر تھی۔اسکول کے اسپورٹس ڈے میں حصہ لیتی۔اس دن میں نے چھوا چھوؤل میں اسے خوب دوڑایا۔آخر پکڑا گیا۔اُس دن اُس سے حسد بھی محسوس ہوئی، متاثر بھی ہوا............اس وقت کوئی خیال نہیں بنا تھا............ جذبات بھی کوئی نہیں تھے۔میں نے سوچا، 'چلو ٹائم پاس کر لیتے ہیں'۔

''چلو ایک دوسرے کو جان لیتے ہیں۔''اُسی وقت اُس نے پوچھ لیا۔

ہم باہر ملتے۔

"کھانا کون بناتا ہے؟"

"اکیلے کیوں رہتے ہو؟"، سب کچھ وہی کہتی۔

وہ سائی ناتھ اسکول میں گانے کی کلاس میں جاتی۔ میں اسے سائیکل پر ملنے جاتا۔ بارش میں دونوں بھیگتے ہوئے آتے۔ اس کے پاس بھی سائیکل تھی۔

ایک دن ہم بھیگتے ہوئے آرہے تھے۔

"قریب آؤ۔" اس نے کہا اور خود ہی قریب آ کر میرے سینے سے لگ گئی، بولی، "آئی لو یو۔..."

"تھوڑی دیر ایک دوسرے کو جان لیتے ہیں۔"، وہ پھر گہری سانس لے کر بولی۔

اس کا صبح کا اسکول تھا۔ تیار ہو کر بلڈنگ کے نیچے انتظار کرتی رہتی۔ میرا اسکول دیر سے تھا۔ پھر بھی میں گھر سے نکل جاتا۔ دونوں ساتھ ساتھ سائیکل چلاتے ہوئے اسکول جاتے۔ مجھے اس سے بڑا لگاؤ ہونے لگا تھا۔ اس کو اپنا ہر احساس بتاتا۔ شاید مجھے کسی کی ضرورت تھی جو میرا حوصلہ اور اعتماد بڑھائے، رہنمائی کرے، پڑھنے کی تحریک دے۔

ڈیڈی کی سکینڈ شفٹ تھی۔ میں پڑھائی کرنے کے لیے ٹیبل پر بیٹھا تھا۔ دروازے کی طرف سے شیلپی آتی ہوئی نظر آئی۔ اس نے مجھے برآمدے میں بلایا اور ہاتھ میں چٹھی تھما دی۔

'بعد میں پڑھوں گا'، میں نے اپنے آپ سے کہا اور دوڑ کر گھر کے اندر گیا اور چٹھی کو ٹیبل پر رکھکر اس کے پاس لوٹ آیا۔ وہ میرے سینے سے لگ گئی۔ مجھے کچھ یاد آیا، پلٹ کر دوڑا۔ چٹھی ٹیبل پر پڑی تھی۔ اطمینان ہوا۔ اسے کتاب کے نیچے رکھا۔ دوبارہ برآمدے میں لوٹا۔ وہ پھر سے میرے سینے سے لگ گئی۔ اتنے میں ڈیڈی آ گئے اور ہمیں گھورتے ہوئے نکل گئے۔

"بعد میں ملتا ہوں"، میں نے اسے اپنے سے دور ہٹایا۔

"ارے! چٹھی ٹیبل پر ہے!"، ......اچانک یاد آیا...... اندر بھاگا۔ ڈیڈی کے

ہاتھ میں چٹھی تھی ____ اس میں کیا لکھا تھا؟ کبھی نہیں پڑھا۔

''کیوں بھئی! بڑے ہو گئے ہو؟ جب تمھاری عمر کا تھا، میں بھی یہی کرتا تھا...... مگر یاد رکھنا، پڑھائی پر اثر ہوگا......... کون سی عمر میں کیا کرنا چاہیے تمھیں ہی طے کرنا ہوگا۔ ہم نے بھی ایسا بہت کیا۔ مگر یاد رہے، پڑھائی پر اثر نہ پڑے''۔

''تمھارا لیٹر تو بھیگ گیا اور پھٹ بھی گیا۔ کیا لکھا تھا اُس میں؟'' میں نے شلپی سے بہانہ کیا۔

''تم مجھے اچھے لگتے ہو۔ تمھارے ساتھ وقت گذارنا اچھا لگتا ہے۔ آل ویٹ رومانٹک اسٹوری یو نو!''، اس نے مزے لے لے کر اپنے خط کے بارے میں بتایا۔

''دیکھو تمھارا بیٹا کیا گل کھلا رہا ہے!''، انھیں دنوں مما اور ڈیڈی کی کسی رشتہ دار کے گھر ملاقات ہوئی تھی۔ جدا ہونے کے بعد وہ ان سے پہلی بار بولے تھے۔ مما چپ تھیں۔

اس رات مینکا ہمارے کرائے والے گھر آئی تھی۔

''تو نے میری زندگی برباد کی۔ تیرے ساتھ میں کبھی خوش نہیں رہ پاؤں گی۔ دھوکا دیا...... قسم سے تو نے مجھے دھوکا دیا''، وہ ڈیڈی پر چیختی رہی۔ پھر وہ دندناتی ہوئی وہاں سے چلی گئی تھی۔

اگلے دن صرف ایک دن کا وعدہ کر کے ڈیڈی مجھے مینکا کے گھر لے گئے لیکن ہم وہاں ایک ہفتہ رہ گئے۔ ان دنوں شلپی سے بات نہیں ہوئی۔ بعد میں گھر لوٹ کر میں نے اسے فون کر کے پوچھا،

''کیا پرابلم ہے؟ بات کیوں نہیں کر رہی ہو؟''

''یہاں فون مت کرنا''، میری آواز سن کر شلپی نے فون اپنی ممی کو دے دیا تھا۔ ہر بار یہی ہونے لگا۔ پہلے وہ فون اٹھاتی اور میری آواز سن کر اپنی ماں یا ڈیڈی کو

فون دے دیتی۔ میں فون بند کر دیتا۔ دھیرے دھیرے میرا فون کرنا کم ہو گیا۔ پھر بند ہو گیا ......پچھلے دنوں فون کیا تھا۔ اس کی سالگرہ تھی مگر اس کی آواز سنے بغیر رکھ دیا۔

ڈیڑھ سال بعد شلپی سے کالج کے باہر ملا۔ وہ ''فادر ایگنل'' کے جونیئر کالج میں پڑھتی تھی۔

''کیوں کیا ہوا ایسا؟............ میں نے کیا کیا تھا؟''، میں نے تڑپ کر اس سے پوچھا۔

''اب وہ سب ختم ہو گیا۔......... کتنے دنوں سے ملے نہیں، آج اچانک ملے ہیں تو فائدہ کیا یہ پوچھنے کا؟''

''اتنا آسان ہے یہ کہنا؟''

''ہاں''، اس نے رکھائی سے کہہ دیا۔ کیا بولتا! چلا آیا۔

پھر کبھی اس سے بات نہیں کی نہ کبھی ہم ملے ہی۔ ہاں 'آرکٹ' پر اسے دوستی کا اِنویٹیشن بھیج دیا تھا۔ آج کل 'فیس بک' اور واٹس ایپ' پر ایک دوسرے کو کوئی کامن سی بات یا جوک وغیرہ بھیج دیتے ہیں۔ کبھی کبھی وہ ٹوٹ کرتی بھی نظر آجاتی ہے۔ بس سوشل نیٹ ورکنگ کا ہی رشتہ رہ گیا ہے۔

''کیسے ہو؟''

''ٹھیک''، اب کچھ ہے ہی نہیں بات کرنے کو۔

''ہاؤ از لائف؟''

''امتحان کیسے گئے؟''...بس اتنا ہی۔

اب وہ انجینئرنگ کے آخری سال میں ہے۔ شاید میری فرینڈ بنانے کی درخواست پر جواب دینے پر مجبور ہوئی ہو۔ مجھے بھی پتہ ہے۔ جب تک میں اذیت نہیں دیتا، تبھی تک فیس بک پر یہ سلسلہ چلے گا۔ اگر ایک سے دوبار پوچھ لوں کہ ''میں نے کیا غلط کیا؟''

تو اپنے دوستوں کی فہرست سے نکال دے گی، سوچتا ہوں جب اس کو یاد آئے گی، تو خود پوسٹ یا پیغام چھوڑ دے گی!___ مگر ایسا ہوتا ہی نہیں۔

جب شلپی زندگی میں تھی، اس دوران میں دسویں میں تھا۔ اور آج!!!! آج بھی..... آج جب کچھ لوگ مجھے ابنارمل کہتے ہیں!

''بھول جا۔'' لوگ کہتے ہیں۔ کبھی لگتا ہے، یہ سب چھوڑ دوں، سب رشتوں سے دور چلا جاؤں۔

کئی بار سوچتا ہوں، ہر وہ چیز جو میرے ساتھ ہوئی ہے، اسے یاد رکھوں۔

''تو ابنارمل ہے، سنکی ہے۔''، آج مما کہتی ہیں۔

آج مما مجھے الگ نہیں ہونے دیتیں۔ اکیلا رہنا چاہتا ہوں، مگر ہم ساتھ ہیں۔ ہم ساتھ ہیں، مگر دور دور تک ساتھ دکھائی نہیں دیتا۔

''بارہ سے پہلے گھر آ جا۔''

''سو جا۔''

''کھانا وقت پر کھا۔''

بھوک لگی تو پانی پلائیں گے۔ پیاس لگے تو تیکھا کھلائیں گے۔ اس قسم کے لوگ ہیں۔

''تم نے مجھے آج تک ایک روپیہ بھی نہیں دیا۔''، کبھی کبھی مما مجھ سے شکایت کرتی ہیں۔

اب کیا کہوں!

ہم ایک دوسرے سے غیر متعلق رہتے ہیں___ وہ اپنا جئیں، میں اپنا۔ مجھے ان کی زندگی سے کچھ لینا دینا نہیں۔ ان کی مدد کروں گا مگر لینا نہیں چاہتا___ ہاں اگر ضرورت پڑ ہی گئی تو مانگ لوں گا...... مگر مفت نہیں...... کیوں کہ باتیں بھی سننی پڑیں گی نا!

میں نے ٹیبل کی دراز سے ڈائری نکالی، لکھا،

''فلیٹ میں مما ئل کھلا چھوڑ گئیں۔''

''میری ایک ڈائری اور کئی ڈرائنگ خراب ہو گئیں۔''
''آج مما سے خوب جھگڑا ہوا۔'' اور ڈائری بند کر دی۔

☆ ڈائری

پہلے میں ڈائری لکھتا تھا۔ شروعات میں مراٹھی میں، پھر انگریزی میں لکھنے لگا۔ جس ڈھنگ سے سوچتا تھا اسی ڈھنگ سے لکھتا تھا ____ وجہ!............ اپنے آپ سے باتیں کرنا۔ ڈیڈی کو ڈائری مل جاتی تو وہ اسے پڑھتے، جھگڑتے اور اسے پھاڑ کر پھینک دیتے ____ پھر بھی جب کبھی مجھے لگتا کہ لکھنا چاہیے... میں ضرور لکھتا۔

قدرت ہمیشہ میرے ساتھ ہے۔ آٹھویں تک میں ہر سنیچر کو ہنومان مندر جاتا۔ ساحل کو بھی ساتھ لے جاتا ____ آج میں ناستک ہوں۔

ساحل شادی شدہ ہے۔ اس نے اپنے ماما کی بیٹی سے شادی کی ہے۔ اس کی بیوی ڈیلوری کے لیے اپنے مائیکے ناسک گئی ہوئی ہے۔ آج بھی جب کبھی فون کرتا ہوں............ وہ چلا آتا ہے۔ یا مجھے گھر بلا لیتا ہے۔ ہماری دوستی، پیار یا جو بھی کہیے، خالص دوستی ہے۔ وہ میری ذہنیت اور سوچ کو سمجھتا ہے۔

''یوں نہیں یوں کرنا چاہیے۔'' غلط ہوں، تو کہتا ہے، جھڑکتا بھڑکتا نہیں۔ ساحل کی دوستی میں کبھی کمی بیشی نہیں محسوس ہوئی مگر مما!!! مما اب پیار جتاتی ہیں۔ لیکن یہ پیار اچانک کہاں سے آگیا؟ سمجھ میں نہیں آتا! ماں باپ کے بارے میں میرے دل میں بڑی کڑواہٹ ہے............ شاید ڈیڈی کے بارے میں کچھ کم ہو ____ وہ پیار نہیں جتاتے۔ دوری رکھ کر پیش آتے ہیں۔

''یہ مت کرو............ ایسا نہیں کرنا چاہیے۔'' کہہ کہہ کر کسی معاملے میں ٹانگ نہیں اڑاتے۔ کبھی کبھی کہتے ضرور ہیں لیکن سب کچھ ہو جانے کے بعد۔ مما سے کہوں تو فوراً ٹوک دیتی ہیں ____ بچپن میں موقع تھا، ہمیں شکل نہیں دی۔ اب کِلے یا چکنی مٹی کی طرح سوکھ کر اپنے آپ ڈھل گیا، تو یہ لوگ شیپ بگاڑنا چاہتے ہیں ____ اور یہ سب ماں باپ کے ہاتھوں...

مجھے یاد آتا ہے بچپن میں جب مما کام پر جاتے ہوئے مجھے اور بھائی کو بستر سے اٹھا کر کھڑا کر دیتی تھیں۔ وہ وقت ہمارے بننے کا تھا مگر انھیں گھر میں ہمیں تہذیب سکھانے کا وقت نہیں تھا ____ مما پوسٹ آفس میں نوکری کرتی تھیں۔ اس وقت ان کی تنخواہ چار پانچ ہزار رہی ہوگی۔ مانتا ہوں.......... مما نے گھر چھوڑنے تک بہت سہا۔

☆ بچپن

مجھے بچپن یاد ہے۔ پہلی کلاس میں تھا۔ مما کے پیٹ پر بیٹھ کر لہک لہک کر، ان کے کان پکڑ کر، ان کی آنکھوں کو اپنی انگلیوں سے کھول کر بڑا کرتا ہوا مراٹھی میں گیت گاتا۔ جیسے وہ ہی خرگوش ہوں،

''ससारे ससा
دِستوس کسا
پیولے پیولے ڈولے
ایولے موٹھے کان
گوت کھاؤں
پُھکتوس تُم''

''اب تو اسکو ہندی میں گا''، وہ مجھے کھیل کھیل میں ہندی سکھاتیں۔

''خرگوش ارے او خرگوش/ تو کیسا دکھائی دیتا ہے/ پیلی پیلی آنکھیں/ اتنے بڑے کان/ گھاس کھا کر/ پھولتا ہے تُم!''، مجھ سے ٹوٹی پھوٹی ہندی کو یتا سن کر مما خوب ہنستیں۔ مجھے گدگداتیں، ہنساتیں۔

''اب آپ کی باری''، میں ضد کرتا۔

''اچھا! اب میں تجھے ایک گیت سناتی ہوں۔ دیکھ باہر بارش ہو رہی ہے نا.. چھم چھم!... تو سن، وہ گانے لگتیں، میں جھومنے لگتا۔

''ناچ رے مورا امبیا چیا ونات

ناچ رے مورا ناچ
ڈھگاشی وارا جھنجلا رے
کالا کالا کاپوس جنجلا رے
آتا تجھی پالی، وتیج دیتے تالی
پُھلو پسارا ناچ''

''اب آپ ہندی میں اسے گایئے مما''، میں انھیں کسی طرح نہیں چھوڑتا۔

''ناچ رے مور ناچ/ آم کے باغوں میں تو ناچ/ ناچ رے مور ناچ/ ہوا بادلوں سے ٹکرائی/ کالے کالے بادل روئی جیسے دُھنکے/ اب تیری ہے باری/ بجلیاں دیتیں تالی/ تو پنکھ پھیلا کر ناچ/ ناچ رے مور ناچ۔''

''شاباش''، میں تالیاں بجا کر مما کو شاباشی دیتا۔

صبح مما آفس جاتے ہوئے اٹھاتیں۔ میں اور نکھل اٹھ کر دوبارہ سو جاتے ـــــ اسکول دوپہر ساڑھے بارہ بجے سے شام ساڑھے چھ بجے کا تھا۔ گھر لوٹتے تو اکثر ڈیڈی کی بھابھی یعنی ہماری چاچی، بوا یا کوئی نہ کوئی رشتہ دار وہاں موجود ہوتا۔ شاید اسی لیے دن میں جتنا بھی وقت ملتا، پڑوس کے بچوں کے ساتھ ڈبہ ایکسپریس .... یہ .... وہ، ...جانے کیا کیا کھیلتا رہتا۔

ایسا خوبصورت بچپن! اور اب میں اسی ماں سے ابنارمل پکارا جاتا ہوں!!!

☆ شاید چار لڑکیاں

شاید اسکولی زندگی میں میری زندگی میں چار لڑکیاں آئیں، مِلی، زاہدہ، شِلپی اور رانی.....

☆ مِلی:

بچپن کی وہ اسکول کے دنوں کی محبت تھی۔ کیتھلک عیسائی صاف رنگت کی مِلی

مجھے اچھی لگتی ___ ساتویں کلاس میں پڑھتا تھا۔ مشکل سے بارہ سال کا تھا۔ میں اور ڈیڈی سی بی ڈی کے سیکٹر آٹھ میں مینکا یعنی ڈیڈی کی دوسری بیوی کے گھر رہتے تھے۔ میں گھر سے باہر ہی زیادہ تر وقت گذارتا۔ کالونی کے سارے لڑکے ملی کے پیچھے پاگل تھے۔ وہ مجھ سے باتیں کرتی تھی۔ ہم اچھے دوست بن گئے۔

''چل پروپوز کر کے دیکھتے ہیں۔'' ایک دوست بولا۔

'''ہاں'، بلوا کر رہنا۔''

اس نے بھی 'ہاں' کہہ دی۔ کالونی میں چار عمارتیں تھیں۔ چاروں کے درمیان مشترکہ گراؤنڈ تھا۔ ہم یہیں باتیں کرتے تھے۔ یہ پپی لو puppy love تھا۔

''اِس کے ساتھ مت رہو۔ وہ ایک خراب لڑکا ہے۔''، اس کے گھر پتہ چل گیا تھا۔

''تمہاری عمر کیا ہے؟............ تمہارا دماغ کہاں جا رہا ہے؟''، اس کے انکل نے میرے سامنے ہی ملی سے کہہ دیا۔

''یہ لڑکا ٹھیک نہیں۔ اس کے ڈیڈی کیسے ہیں، پتہ ہے؟............ مینکا کے ساتھ رہتے ہیں۔''

اس دن کے بعد ہم دونوں کا گراؤنڈ پر جانا بند ہو گیا۔ ہم بھول گئے۔ کبھی یاد نہیں آئی۔ اب پچھلے دنوں ملی ملی۔ اس کی شادی ہو چکی تھی............ اب وہ اچھی نہیں لگتی۔

☆ زاہدہ:

اس واقعے کے بعد دو تین دن گھر رہا۔ پھر ساحل کے گھر جانے لگا۔ اس کی بلڈنگ کے کمپاؤنڈ میں کھیلتا۔

میری سالگرہ تھی۔ ڈیڈی نے سب کو مینکا کے گھر پارٹی کے لیے بلایا۔ انھوں نے مجھے ایک سوٹ بنوا دیا تھا۔

ہیما، ساحل کے گھر کے سامنے والے گھر میں رہتی تھی۔ زاہدہ اسکی سہیلی، دیکھتی رہتی...... میں کیسے کھیلتا ہوں، کیسے ہنستا ہوں۔

''زاہدہ کو بات کرنا ہے.........کچھ کہنا ہے تجھ سے، باہر آ'' ہیما نے چپکے سے کہا۔ برتھ ڈے کا کیک کاٹنے کے بعد میں باہر آیا۔ ہیما اور زاہدہ وہیں کھڑی تھیں۔

''شی لَو زیُو''، ہیما بولی۔

''کیا یہ سچ ہے؟'' میں نے سیدھے زاہدہ سے پوچھا۔

''ہاں'' اس نے جواب دیا اور ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ میں نے اسے دھیان سے دیکھا۔ گوری، دبلی خوبصورت آنکھوں والی۔

''میں بھی ہاں'' میں نے فوراً کہا۔

''ساحل، پتہ ہے، زاہدہ نے مجھے پروپوز کیا!''، میں ساحل کے پاس یہ خوش خبری سنانے کے لیے دوڑا تھا۔

''ہاں، پتہ ہے۔''

''تجھے پتہ تھا، مجھے نہیں!''

''ہیما تجھے بتانے ہی والی تھی نا!''

ایک ہفتہ عشق چلا۔ ہم پانچ دس منٹ ملتے لیکن میری گرل فرینڈ ہے، یہ فخر رہتا۔ اس وقت تک وہاں کسی اور لڑکے کو گرل فرینڈ نہیں ملی تھی۔ ہم دونوں نے ساتویں جماعت کا امتحان دیا تھا۔

''ساحل تو بھی چل، ہیما تو بھی۔'' زاہدہ نے اپنے گھر کھانے پر بلایا۔

''کیا ہے؟''

''میرا عقیقہ ہے۔''

''یعنی؟''

''تم مُنڈن کہہ سکتے ہو۔''

''تو ٹکلی ہو جائے گی!'' ہم سب ہنسنے لگے۔ وہ چونکی۔

''نہیں نہیں۔ وہ میرے جمال بال.. میرا مطلب ہے، پہلی بار اُس وقت مونڈ چکے ہیں جب میں سات دنوں کی تھی۔ اب صرف بکرے کی قربانی دیں گے۔''

''تو بکرا کھلاؤ گی؟''

''ہاں پورا بکرا، بریانی میں۔'' وہ ہنسی۔

''میٹھا بھی ہے...زردہ..میٹھے چاولوں کا...ہُم ...!''

''ہم تینوں اُس کے عقیقے میں گئے تھے۔اُس کے بہت سے رشتے دار آئے تھے۔ زاہدہ نے ہمیں اپنے گھر والوں سے ملایا۔اس کے ابا نہیں تھے۔ وہ یتیم اپنی ماں اور دو بھائیوں کے ساتھ رہتی تھی۔

چار پانچ مہینے بعد ایک دن زاہدہ ساحل کے کمپاؤنڈ میں نظر آئی۔

''ارے یار! سب کو پتہ چل گیا۔اب کچھ نہیں ہوسکتا۔'' اس کی بات سن کر میں پریشان ہوا۔

''چل راکھی باندھتے ہیں۔'' زاہدہ نے اچانک کہا___ میں نے ہاتھ بڑھا دیا ....کچھ سوجھا ہی نہیں۔

''یہ کیا کر رہا ہے؟''، ساحل اشارے میں بولا۔

''میں کیا کروں؟''، کہنے کے انداز میں میں نے کندھے اچکائے .... میرے خیال میں بھی نہیں تھا کہ ایسا بھی ہوسکتا ہے۔

''تیری جگہ میں ہوتا تو طمانچہ لگاتا''، ساحل آج بھی کہتا ہے.......... سوچتا ہوں اب وہ بہت بدل چکی ہوگی۔

میری انگریزی اچھی تھی .... اس پر زاہدہ لٹو تھی۔یقین ہی نہیں کیا کہ میں مراٹھی میڈیم سے ہوں۔لڑکیاں خوبیاں دیکھ کر آتی ہیں۔بھرم ٹوٹا کہ اڑن چھو.......

''لڑکیاں کیسے پٹتی ہیں بے تجھ سے!''، دوست پوچھتے۔

''مجھے نہیں پتہ!''

اس کے بعد تین سال تک کوئی کوشش نہیں ہوئی۔

ان دنوں میں بندر کی طرح چھلانگ لگاتا، جوکر کی طرح کامیڈی کرتا۔ حد سے گذر کر اسکیٹس اور سائیکل کے کرتب کرنا، ساحل کے ساتھ گھر سے باہر وقت گذارنا............اتنی شرارتیں، اتنا ایڈونچر..ہم رات ساڑھے دس بجے سے ڈیڑھ بجے تک سیکٹر چار سے چھ کے بیچ چکر لگاتے۔ گرودوارے کے آس پاس بھی۔

YMCA کے دو کوچ بھی بہت سے بچوں کیساتھ وہاں ہوتے۔ اور بچوں کے ساتھ میں اور ساحل بھی ان سے اسکیٹنگ سیکھتے___ ویسے بھی کوئی ہمیں ٹوکنے والا نہیں تھا۔ ساحل کی ممی کو حالات کا پتہ تھا۔ وہ بھی ساتھ دیتیں وہ مجھ سے بڑی محبت سے پیش آتیں۔

''کیا بار بار جاتا ہے ساحل کے گھر؟'' ڈیڈی کبھی کبھی چلاتے۔

''مجھے یہاں اچھا نہیں لگتا، اس لیے جاتا ہوں۔''

ڈیڈی کو بھی شاید پتہ تھا کہ مجھے اپنے حال پر چھوڑ دینا چاہیے۔

ڈیڈی بھی جانتے تھے، میں وہ دن بھول نہیں پاتا تھا، جب ہمارے گھر میں مما اور ڈیڈی کے درمیان کشمکش شروع ہوئی تھی۔

☆ گالیاں

''سرکاری نوکری میں ہو-- ہارے کہ گئے۔ یہ چکر چھوڑو۔''، اُن دنوں الیکشن میں مما نے کہا تھا۔

''اپنے بھائی کو مت بتانا کہ میں چناؤ سے پیچھے ہٹا ہوں۔''، ڈیڈی نے ایک دن مما سے کہا تھا..لیکن وہ تو پہلے ہی بتا چکی تھیں۔ شاید تبھی سے ممی ڈیڈی میں ان بن شروع ہوئی تھی۔

اور پھر میری زندگی میں وہ دن بھی آ گئے جب رات کے وقت ڈیڈی مجھے پی سی او لے جاتے، ''ماں کو گالیاں دے۔'' پبلک فون کا ریسور میرے کان پر زور سے دبا دیتے، ''تیری ماں نے............ایسا کیا............ویسا کیا............تو اس کو گالیاں دے''، وہ

شراب کے نشہ میں ہوتے۔ مجھے جھنجھوڑتے .... پیٹتے ____ میں اپنی ہی ماں کو گالیاں دیتا اور روتا .... مما سے کہہ نہیں پاتا کہ یہ الفاظ میرے نہیں۔ وہ ضرور دکھی ہوتی ہوں گی۔ وہاں سے لوٹ کر میں آئینے کے سامنے کھڑا ہو کر اپنے آپ میں کھو جاتا۔

'مما میری ہی طرح تو دکھائی دیتی ہیں......'، میں مما کہہ کہہ کر خود سے باتیں کرتا۔

☆ تلسی کی مالا

نانی دیکھنے میں بہت کڑک، بہت سخت لگتی ہیں۔ وہ گلے میں سونے کی موٹے موتیوں کا ہار اور ہاتھوں میں کانچ کی چوڑیاں پہنتی ہیں۔ نانا کے رہنے تک ہاتھ بھر بھری چوڑیاں بھی پہنتی تھیں۔ گلے میں تلسی کی مالا بھی پہنے رہتی ہیں۔ وار کری ہیں نا! مانس مچھلی نہیں کھاتیں۔ مما بھی ویسی ہی ہیں مگر مما تلسی کی مالا نہیں پہنتیں۔ منگل سوتر پہنتی ہیں، جسے انھوں نے دو تین بار بدلا ہے۔ ڈیڈی کا سرنام بھی نہیں بدلا۔ میں نے کبھی پوچھا بھی نہیں .... شاید اس لیے کہ سرنام الگ ہونے سے ہم سے نام کا ربط ٹوٹ جائے گا!

ڈیڈی نے مما اور بھائی کا نام راشن کارڈ سے پہلے ہی کٹوا دیا تھا۔

"یہاں سے نام کٹوا کر اپنا راشن کارڈ بنالے۔"، اب وہ مجھ سے طنز سے کہتے ہیں۔

"تینوں کا ایک راشن کارڈ بنائیں گے! مما کہتی ہیں۔

مما بہت کم زیور پہنے رہتی ہیں۔ گلے میں منگل سوتر، کان میں چھوٹے بندے، دونوں ہاتھوں میں دو چوڑیاں۔ کبھی کبھی گھڑی بھی پہن لیتی ہیں۔ ان کے بال گھنگھرالے ہیں۔

تو مجھ جیسا دکھائی دیتا ہے، پتہ ہے کہ نہیں؟"

"ہاں۔ بس ذرا رنگ میں فرق ہے۔"

"میں سانولی ہوں نا؟ مگر تجھ سے صاف رنگ ہے۔ تو مجھ سے زیادہ سانولا ہے اور مجھ سے بہت دبلا!"، وہ ہنس دیتی ہیں۔

میری یاد میں، پہلے ان کے بال ایڑی تک لمبے تھے .... بال اب بھی کالے

ہیں۔اڑتالیس کی عمر میں آج بھی کالے گھنے بال۔شادی سے پہلے ان کے بال گھٹنوں تک لمبے تھے،بعد میں کمر تک ہوئے،اب پیٹھ تک کٹ گئے ہیں۔ہمیشہ وینی یعنی چوٹی باندھتی ہیں۔ان کی آنکھیں میری طرح ہیں،سندر،کالی۔مما پہلے دبلی تھیں۔اب تھوڑی موٹی ہوگئی ہیں۔ایک عام کام کاجی عورت۔آج کل زیادہ تر ساڑی پہنتی ہیں۔پہلے شلوار قمیص پہنتی تھیں۔ان کی خاص بات یہ ہے کہ ان کی ہتھیلی چھوٹی ہے اور انگلیاں ہتھیلی کی بہ نسبت زیادہ چھوٹی ہیں۔پیروں کا بھی یہی حال ہے۔پیر میری طرح چوڑے ہیں اور پیروں کی انگلیاں چھوٹی۔ڈیڈی کی طرح میری انگلیاں بھی لمبی ہیں۔مما کی ناک ایک دم سیدھی ہے اور آگے ذرا سی مڑ گئی ہے۔میں اسے کہتا ہوں،

''تجھا ناک چیٹکن سا رکھا آ ہے۔مکڑی فلم میں شبانہ اعظمی نے جیسے چڑیل کا رول کیا تھا،بس ویسی ہی گھنی گھنی بھنوؤں کے ساتھ!'' .... میری بات سن کر مما ہنستی ہیں۔انھیں سجنا سنورنا اچھا لگتا ہے مگر عام طور پر لپ اسٹک نہیں لگاتیں۔فاؤنڈیشن پاؤڈر کاجل لگا کر کام پر جاتی ہیں۔

☆ پونا: آٹھویں کلاس

''ڈیڈ!مام اسکول ملنے آئی تھیں۔''

میں اس وقت آٹھویں کلاس میں تھا۔

''اگر میں تجھے پونا کے اسکول میں ڈالوں تو!''،میری بات سن کر وہ پریشان ہوکر بولے تھے۔

''چلے گا۔''میں نے فوراً جواب دیا تھا۔مجھے پتہ تھا ڈیڈی نے ایسا کیوں پوچھا ہوگا!........میںکا کے لیے میں ہمیشہ اڑچن تھا۔کیوں کہ ڈیڈی اس سے کہتے،

''اِس کے حساب سے کھانا کیوں نہیں بنتا۔''مجھے سبزی اچھی لگتی تھی۔ڈیڈ کی بات سن کر وہ میری طرف دیکھتی۔میںکا کی نظروں میں جانے کیا تھا کہ میں اپنی نظریں جھکا لیتا۔وہ اکثر کالی مسور کی پتلی دال اور پتلی پتلی روٹیاں بناتی۔اسکول کے ٹفن میں بھی وہی

دیتی۔ صبح کی بنی ہوئی دال رات تک چلتی رہتی۔ میں اکثر بغیر کچھ کھائے گھر سے نکل جاتا۔ شاید تبھی کی عادت ہے کہ آج بھی چار دنوں تک بغیر کھائے رہ سکتا ہوں اور آج بھی اتنا دبلا ہوں۔

''باہر جا کر کھا آؤ۔'' ڈیڈی سے پیسے مانگتا تو وہ دس بیس روپے دے دیتے۔ وڑا پاؤ کھاتا اور دوستوں کے ساتھ گھومتا رہتا۔ ویسے بھی میں مینکا کے گھر کھانا بہت کم کھاتا تھا۔ کھانے کا کوئی وقت تھا نہ ٹھکانا۔ باہر جا کر وڑا پاؤ کھاتا تو ساتھ میں بیس پچیس تلی ہوئی ہری مرچیں کھاتا۔ بعد میں خوب پانی پیتا۔ اکثر ایسا ہوتا............آج بھی بھوک زیادہ لگے تو مرچ بہت کھاتا ہوں، اسی لیے مما کہتی ہیں۔ ''تو ابنارمل ہے۔''

☆ درد

اُن دنوں میں نے سیکھا، درد ہو تو درد محسوس کرو۔ چھٹکارا پانا ہو تو دبا کر، بڑھا کر، دیکھ لو.. کس حد تک بڑھ سکتا ہے۔ درد کا مزہ لینا چاہیے! میں اذیت پسند انسان نہیں ہوں مگر لوگ درد دبا کر، اپنا دھیان ہٹاتے ہیں، ایسا لگتا۔

تب محسوس نہیں ہوا مگر آج سوچتا ہوں، اس وقت کسی سے گھل مل نہیں پاتا تھا۔ لوگوں سے کھل کر آج بھی بات نہیں کر پاتا۔ شاید آج بھی وہ جھجھک میری جڑوں میں موجود ہے۔

''تیرے مام ڈیڈ کہاں ہیں؟''، اُن دنوں جب کوئی پوچھتا.. تو برا لگتا۔

پونا میں ڈیڈی کے بڑے بھائی کے گھر مجھے رکھا گیا تھا۔ یہ ہڑپسر کا علاقہ تھا۔ شکر وار پیٹھ میں 'شیواجی مراٹھا اسکول' میں میرا داخلہ کیا گیا تھا۔ یہ اسکول پونا کے مشہور 'دگڑو سیٹھ حلوائی' کے گنپتی مندر سے قریب تھا۔

''صبح سویرے اٹھو۔''

''جھاڑو لگاؤ۔''

''برتن دھوؤ'' تایا کے گھر بالکل نئی زندگی تھی ۔ یہ میری روز مرہ کا حصہ نہیں تھا... اب سب بدل گیا تھا۔

''ڈسپلن سکھا رہے ہیں۔'' وہ کہتے تھے۔

مجھے کھٹک گیا۔نہیں آنا چاہئے تھا یہاں! وہاں فادر ایگنل اسکول میں اچھی پڑھائی ہو رہی تھی۔مینکا سے بچنے کی خواہش بھاری پڑی۔گھر سے باہر جانے لگا.............

''گھر سے باہر مت جانا۔''

''...ایسا کرنا''

''....ویسا کرنا۔'' وہاں بڑی سختی تھی۔ میں نے حالات کا جائزہ لینا شروع کیا۔ الگ زاویے سے دنیا کو دیکھنے لگا۔'اوم شانتی سنستھا' کے ست سنگ میں ادھیاتم بیٹھک میں بیٹھتا، اپنے خیالوں میں کھو جاتا............ یہ ست سنگ ایک نیا نظریہ میری زندگی میں لے آیا____ یہ صرف شروعات تھی جس کا پتہ مجھے بھی نہیں چلا۔

''میں یہاں نہیں پڑھ سکتا، مجھے نہیں رہنا''، میں نے ٹھان لیا۔

☆ سنسکرت گرل

پونا میں ہمارے پڑوس کے رو ہاؤس میں ایک لڑکی اچھی لگتی تھی۔ٹیرس پر پڑھنے جاتا تو وہ بھی کھڑکی میں آجاتی۔ان کے گھر میں ہمارے گھر سے ایک منزلہ زیادہ تھا____ وہ شاید میری ہی کلاس کی تھی۔ کیوں کہ ہم دونوں سنسکرت پڑھتے تھے۔سوچتا ہوں، سنسکرت سب سے مضبوط بھاشا ہے۔ بھارت کی ساری زبانیں اسی کی بولیاں اور ڈائلیکٹ ہیں۔ کسی نہ کسی روپ میں وہ اپنے کو بچائے ہوئے ہے۔ جب تک یہ dialects ہیں، تب تک ختم نہیں ہوگی۔ویسے شدھ سنسکرت کہاں رہ گئی ہے؟ صرف گرنتھوں میں یا آرتی پوجا پاٹھ میں!

''دیو، دیوو، دیواہ''، میں ٹیبل پر بیٹھ کر سنسکرت کے شلوک یاد کرتا تھا، نئے نئے انداز میں خود کو سنسکرت کا بڑا جانکار ظاہر کرتا۔

''دیو، دیوو، دیواہ''، وہ وہاں سے شروع ہو جاتی اور میں یہاں سے۔میں اور زور زور سے دہراتا۔وہ بھی دہراتی۔ کبھی بات نہیں کی، میں سوارگیٹ جاتا۔وہ بھی اُسی علاقے کے کسی اسکول میں جاتی تھی۔ مجھے اس سے بات کرتے ہوئے ڈر لگتا تھا۔تایا کے گھر رہتا تھا نا!

پہلی بار گھر سے دور رہا تھا۔

"چل رہا ہے، چلنے دو!" بس یہی سوچ بننے لگ گئی تھی۔ مما کے جانے سے 'سنسکرت گرل' کے چپکے سے زندگی میں داخل ہونے تک میں دنیا کے کسی کام میں دلچسپی نہیں لیتا تھا۔.......... ہڑپسر میں رہتا تھا اور سوار گیٹ بس سے روز سفر کرتا تھا۔ بس میں لوگوں کی باتیں دھیان سے سنتا اور سوچتا۔

"چار سو سال پہلے شیواجی مہاراج کے زمانے میں کیسے اور کیا ہوتا ہوگا؟...... ٹی وی...... نہیں...... فیشن نہیں...... مال نہیں...... تھیئٹر نہیں... کمپیوٹر نہیں۔

انھیں دنوں میں نے کارگل جنگ کے بارے میں جانا۔

پونا میں بھی مجھے اپنا پہلا اسکول ہی یاد آتا۔

☆ اسکول کے دن یادگار

تب میں بہت شرارتیں کرتا تھا... ہر روز شرارت۔

"آج..اُس کو مارا۔"

"شور مچایا۔"

"ہوم ورک نہیں کیا.......... ڈیڈی کی سائن لاؤ۔"

"جھگڑا کیا"...... سب سے زیادہ مستی والا میں ہی تو تھا۔

دو مہینے پہلے اپنے اسکول گیا تھا۔ پرانا اسٹاف شاید کم رہ گیا ہے۔ ایک جانا پہچانا چہرہ صفائی کرتا ہوا دکھائی دیا۔

"تو جیتیش ہے نا!" پہچان کر اس نے کہا۔

"ہاں! کیسے یاد رہا؟"

"تیری ممی کی کنڈیشن کیسی ہے؟ کیا اب بھی ویسا ہی چل رہا ہے؟"

"تمھیں کیسے معلوم؟"

"سب کو معلوم تھا۔ تیری ممی تجھ سے ملنے اسکول آتی تھیں نا!"

شاید میرا بچپنا تھا وہ۔ یاد ہے.. جب میں ساتویں کلاس میں تھا۔ مما چھوڑ گئی تھیں، تب الگ سے میرے لیے کاؤنسلر رکھی گئی تھی۔ کیوں؟___ آج بھی پتہ نہیں۔ ممی ڈیڈی نے رکھوائی یا پرنسپل نے؟

کاؤنسلر آ کر ورزش اور مشق کرواتی۔ اس کے سوال مجھے بے مطلب لگتے۔

"کیا سوچتے ہو؟"

"کیا لگتا ہے تمھیں؟"

"صحیح کہا کہ نہیں؟"

"یہ برا ہے یا اچھا ہے؟"

ہوسکتا ہے، پرنسپل نے ہی اسے میرے پیچھے لگا دیا ہو۔

"تم نے اسکول میں کسی کے ٹائر کی ہوا نکال دی کیا؟"

"کس موٹر سائیکل سے پٹرول نکالا؟"

"اسکول کی عمارت کے پچھواڑے جا کر کانچ توڑ آئے؟"

...... یہی تو کرتا تھا۔ اب کچھ نہیں کرتا، پتھر بن گیا ہوں۔ شاید میں نے خود کو ڈھک لیا ہے۔ لیکن مذاق آج بھی ہے بچوں سا! ہمیشہ برقرار رہے! چاہتا ہوں۔

"جیتو ہمیشہ شانت بیٹھتا ہے۔ مگر کبھی کبھی مستی میں آیا تو بس۔"، آج بھی جب میں موڈ میں آتا ہوں تو دوست یہی کہتے ہیں۔

"نہیں، آج میں ایک عام انسان بن رہا ہوں۔"، میں مسکرا دیتا ہوں۔

کبھی مجھے بھی ان کا کہنا صحیح لگتا ہے۔

میں نے ڈائری نکالی، لکھا،

"مجھے اکثر لگتا ہے۔ ماں، ماں نہیں۔ صرف ذریعہ ہے، دنیا میں لانے کا۔ میری ماں، 'مدر نیچر' ہے۔ 'میری ماں، قدرت ہے' ___ کیوں کہ اسی نے مجھے جینا سکھایا ہے۔

___ زندگی میں بہت کچھ سوچتا ہوں، 'ایسا کرنا ہے'، 'ایسا ہونا چاہیے!'

___ سوچ کی گہرائی اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ کھو جاتا ہوں۔ پھر سوچتا ہوں، "ممی ڈیڈی ہیں ہی

نہیں۔''، میں چاہتا تھا کہ عام لوگوں کی طرح رہوں۔ دوسرے گھروں کی طرح۔ جہاں سب ایک دوسرے کا خیال رکھتے ہوں۔ جھگڑے ٹھیک، لیکن اتنی حد تک بھی نہ ہوں کہ چار کونے بن جائیں۔ ہر مسئلہ کو میں ایک جنگ، ایک مشن سمجھتا ہوں۔ جنگ آج ہی شروع ہوتی ہے......... اُسی پل اور اُسی وقت ختم ہوگی، جبتک کہ جیت نہ جاؤں، یا مر جاؤں ____ نہ جھکوں گا، نہ تھموں گا، نہ درد ہی محسوس کروں گا۔ اپنی زندگی کے سفر کو میں اپنی زندگی کے خلاف ایک جنگ مانتا ہوں اور خود کو ایک جنگ جُو۔

''ارے! کہیں مجھ پر انگریزی فلموں کا اثر تو نہیں ہو رہا ہے، ہوتا ہے تو ہو!''، میں کھلی ڈائری کو دونوں ہاتھوں میں لے کر بال ڈانس کرنے لگا۔ قدم آگے پیچھے کا سفر کرتے رہے اور میں کہتا رہا،

''سلام ماں قدرت!'' میں جیتیش، اپنی پوری زندگی......... تم کو اور صرف تم کو وقف کرتا ہوں۔ تم میری زندگی کی کل مالک ہو۔

''تمھارے مطابق میری آتما، میری سوچ اور میرے اعمال چلتے ہیں......... تم جو بھی راستہ دکھاؤ گی، اس پر میں ایک اندھے یا نیند میں چلنے والے کی طرح چلوں گا۔ تمھارے فیصلے کے سامنے پوری طرح جھکتا ہوں ____ تمہاری خواہش، میرا حکم ہے ....تم سے امید کرتا ہوں اور مجھے تم پر یقین ہے۔ جانتا ہوں تمھیں میری فکر ہے۔ اور میں تمھارا سب سے چہیتا بیٹا ہوں۔ ہر ایک چیز کے لیے شکریہ hail mother nature! جے ہو......... جے ہو!......... تمہارا چہیتا بیٹا جیتو! _____ ''

پھر میں نے تھرکنا بند کر دیا اور اپنی ڈائری بند کر کے تکیے کے نیچے رکھ دی۔

☆ پونا سے واشی

مجھے واپس لوٹنا پڑا تھا۔ واشی کے ماڈرن اسکول میں داخلہ لینا پڑا۔ ہوا یوں کہ ایک دن تایا کے لڑکے سندیپ دادا نے مجھے بلایا۔ میں باہر کھیل رہا تھا۔

''اس پگی بینک سے پیسہ تو نے نکالا؟''

تایا کی الماری میں ایک پگی بینک کا ڈبہ تھا۔ ہمارے چھوٹے چچا کی بیٹی بھی وہاں رہ رہی تھی۔ اس کے سامنے ہی سندیپ دادا نے چار چانٹے میرے گالوں پر لگائے۔ بولے،

''اپنے پیر کے انگوٹھے پکڑ کر کھڑا ہو جا۔'' شام ساڑھے سات بجے سے ساڑھے بارہ بجے رات تک مجھے کھڑا رکھا۔ بیچ بیچ میں میرے سر پر ہلکا سا دھپا بھی لگاتے رہے۔ پاس پڑوس والے مہمان آئے۔ گئے۔ سب کے سامنے سندیپ دادا کہتے۔

''پیسے نکالے ہیں مگر مان نہیں رہا ہے۔''

سوچ نہیں سکتا، کیسا محسوس کیا۔ لگا، اٹھوں اور سب کو تباہ کر دوں۔ پیٹھ میں درد ہونے لگا تو میں نے زور سے کہہ دیا، تب دادا نے چھوڑا۔

ڈیڈی کو فون کر چکے تھے۔ وہ اگلے دن آئے۔

''جانے دے زیادہ سوچ مت۔ میں نے انھیں پچاس ہزار روپے دیے تھے، تجھے رکھنے کو''، انھوں نے نرمی سے مجھے سمجھایا۔

''کہا کیوں نہیں کہ بیٹے نے نہیں لیے۔ اتنی بے عزتی کی............''

''ٹھیک ہے.........''

''آئندہ کبھی ادھر نہیں آؤں گا۔''

''ٹھیک.........''

''مگر مجھے مینکا کی شکل نہیں دیکھی جاتی''، میں نے کہا تھا۔ میرے دل کو بہت چوٹ لگی تھی۔

پچھلے دنوں پونا والی تائی آئی تھیں۔ تایا کے مرنے کے بعد وہ پہلی بار ہمارے گھر آئی تھیں۔

''کیا کر رہا ہے؟''، مجھے، تائی کی یہ سب باتیں بے تکی لگتی ہیں۔ دل سے کچھ نہیں کہا تھا......... اُس وقت شاید پونا میں میرا ان کے گھر رہنا انھیں برداشت نہیں ہو رہا ہو!!!

''کیا کر رہا ہے؟''...ہونہہ!

☆ نیوی

پونے سے لوٹے تو ڈیڈی نے ایک الگ فلیٹ لے لیا۔ یہ دسویں کا اہم سال تھا۔ میرا نئی ممبئی واشی کے ماڈرن اسکول میں داخلہ کر دیا گیا تھا۔ 'چاٹے کلاسس' کا ان دنوں کریز بلکہ جنون سا تھا۔ اب کتنی ہی کلاسیں شروع ہو گئی ہیں۔ ایک دھندا ہی بن گیا ہے اس کا!

"دیکھ تیرے لیے اتنے خرچ کیے۔ ڈیڈی نے رسید دکھا کر مجھے کہا تھا۔ انھوں نے وہاں 'چاٹے کلاسس' میں پیسے بھرے تھے۔

میں اچھی طرح پڑھتا۔ نیوی میں جانے کا میرا خواب پرانا تھا۔ اسی مقصد کے ساتھ پڑھتا۔ میں سائنس لائن لینا چاہتا تھا۔

☆ مینکا کرائے کے گھر میں

ہم چودہ اپریل کو اس فلیٹ میں آئے تھے۔ اس کے بس کچھ ہی دنوں بعد یعنی جولائی میں ہی، مینکا ایک دن ہمارے گھر آئی ____ میں تو سمجھتا تھا...... اب ڈیڈی بھی مینکا کے گھر نہیں جاتے ہیں!

"یہ کیوں آئیں؟ اچھا نہیں لگا۔" مینکا کو یہاں دیکھ کر میں پریشان ہوا تھا۔

"ایک ہی بار آئی ہے.......... اب نہیں آئے گی۔" ڈیڈی نے سمجھایا تو تسلی ہوئی۔

شروع میں ہم دونوں مل کر کھانا بناتے۔ کچھ دنوں بعد ٹفن شروع کروا لیا۔ ڈیڈی کے لئے میں اور میرے لیے وہ تھے۔

مینکا جب پہلی بار گھر آئی تو چپ رہی، مگر پھر بار بار آنے لگی۔

"کیا کروں؟" میں بے چینی محسوس کرتا۔ پھر میں ساحل کے گھر جانے لگا۔

"تو نے میری زندگی برباد کی ہے۔" رات کے قریب ڈھائی بجے ہوں گے۔ مینکا کے چلانے کی آواز سے میں اٹھ بیٹھا۔ وہ چلا چلا کر ڈیڈی کو جس بات سے شرمندہ کر رہی تھی...

میری سمجھ میں یہی آیا تھا کہ وہ حمل سے تھی۔ ہمارا یہ گھر گراؤنڈ فلور کا تھا۔ پڑوس

کے لوگ کھڑکی سے گھور ہے تھے۔

'کچھ نہیں، اب نہیں رکنا!!'، یہ سوچتے ہوئے میں ساحل کے گھر نکل گیا۔ میں بہت ڈسٹرب تھا۔۔

''پھر وہی زندگی! بھاگنے کا راستہ کون سا ہے؟''

''ماں کے پاس کیوں نہیں چلا جاتا؟''، ساحل کی ممی نے کہا۔

''نہیں جا سکتا! ایس ایس سی کا سال ہے۔ کوئی راستہ نہیں ہے۔''، میں گہری فکر میں ڈوبا تھا، پھر بھی میں نے طے کیا، بولا، ''.......... ہاں جاؤں گا۔''

پڑوسیوں نے ڈیڈی اور مینکا کی شکایت کی تھی۔ کرائے کا گھر تھا۔ نکال دیے گئے۔

مجھے اپنی ساتویں کلاس کی پُرانی باتیں یاد آنے لگیں، اُن دنوں کبھی کبھی ڈیڈی مجھے کورٹ لے جاتے تھے۔ ممی اور ڈیڈی دونوں ہی کے وکیل مجھ سے باتیں کرتے، سمجھاتے، ایک دن .. جانے کیا ہوا۔ اچانک ممی نے ڈیڈی کو تھپڑ لگا دیا۔ ڈیڈی نے بھی زور سے ہاتھ گھما کر گھونسا جڑ دیا۔ عدالت کے برآمدے میں ممی زمین پر پڑی تھیں۔ لوگ جمع ہو گئے...... وہ واقعہ آج بھی مجھے یاد ہے۔ ایسا تماشا بن جائے گا، مجھے امید نہیں تھی۔ مجھے کیا محسوس ہوا، انھوں نے نہیں سوچا۔ انھیں کیسا لگتا ہوگا ...... پھر میں کیوں سوچوں ان کے لیے! ایک سوچ بنتی ہے۔

''کیا کروں؟...؟''، میں رو رہا تھا، ''بھاگ جاؤں.......؟... کیا کروں؟''... میں تڑپ رہا تھا۔ ایک بچہ کر بھی کیا سکتا تھا!

''کس کے ساتھ رہنا ہے؟''، دونوں پوچھتے۔ میرے ماں باپ نے میرے بارے میں نہیں سوچا، کوئی قدم اٹھانے سے پہلے ...... ! نفرت ہے مجھے ان لوگوں سے جو اپنے بچوں کے بارے میں نہیں سوچتے۔

'اتنی کڑواہٹ کیوں؟......، غلطی دونوں کی ہے...... یا دونوں کی نہیں ہے!'، میں خود سے پوچھتا۔

ڈیڈی نے جو چاہا مجھ سے کہلوایا۔ ماں کی جیسی چاہی امیج بھر دی...... دونوں نے

بھی کیا۔ وہ امیج اب اتنی گہری ہو چکی ہے کہ بس! اب اگر بولیں کہ اچھے ہیں، تو بھی بیکار ہے۔ یعنی دس سال برباد ہوئے۔ اب یقین نہیں ہوگا...... مجھے ان کی ضرورت ہے.. مگر نہیں ہے۔ اب ان کے بغیر جینا سیکھ چکا ہوں......

جو کچھ بھی ہوا اچھا ہی ہوا۔ بہت کچھ سیکھا۔ اتنی سی عمر میں بہت کچھ دیکھا...... وہ چاہے مجھے 'ابنارمل' اور 'سر پھرا' بولتے ہوں۔ مگر میری جگہ ہوتے تو وہ بھی وہی تو کرتے۔

میں اپنا نقطہء نظر بول نہیں پاتا کیوں کہ الفاظ نہیں ملتے۔ سمجھ میں نہیں آتا بات کیسے کروں۔

"گھومنا ہے" تین بجے رات کو دوست سے فون کر کے کہتا ہوں۔

"پاگل ہے" میری بات سن کر دوست کہتے ہیں، کیوں کہ وہ اس وقت کبھی نہیں گھومے، میں گھوما ہوں۔

☆ دوبارہ مینکا کا گھر

ڈیڈی اپنے گھر نہیں رہتے تھے، انھیں ڈر تھا کہ کہیں یہ گھر ممی کو نہ دینا پڑے۔ اُس گھر کو انھوں نے کرایے پر دے دیا تھا۔ کرایہ دار پر ممی حق نہیں جتائیں گی نا......!!

☆ ٹیوب لائٹ کے ٹکڑے

مینکا کے گھر، ایک رات بستر کی چادر ہٹائی تو دیکھا کہ ٹوٹی ہوئی ٹیوب لائٹ کے ٹکڑے نیچے بچھے ہوئے ہیں۔ ڈیڈی کو بتایا۔

"کیا سمجھا تھا،.... کیا ہوگا؟" ڈیڈی نے مجھے مارا۔ "تیرا بستر کوئی صاف نہیں کرتا، یہ تجھے کیا سوجھا!"

☆ جیل

ڈیڈی لعنت ملامت کر کے چلے گئے۔ میں سوچنے کے لیے تنہا رہ گیا۔ وہ دن

شدت سے یاد آئے، جب جھگڑا ہوا، ماں نے 498 کا کیس کر دیا، جسمانی اور ذہنی اذیت کے کیس میں بغیر ثبوت مانگے۔ ڈیڈی حوالات کے اندر تھے۔

''سونیا سارکھی پورا آہیت، بائیکو آہے (سونے جیسے بچے ہیں، بیوی ہے۔)...... ایسا کرنا منگتا تھا کیا؟؟'' ایک بار میں نے انھیں جیل میں پولیس والے کو کہتے دیکھا۔ بہت عجیب لگا......اپنے گھر والوں کے خلاف کوئی انسان ایسا بولے.......... برا لگا......

سمجھ نہیں پاتا، مجھ پر کس بات کا اثر ہوا؟ ایک کا یا بھی کا! حصے کر کے فیصد پر غور کرتا ہوں......

ڈیڈی پولس اسٹیشن کی دیوار سے، جیل کی کوٹھری کی کھڑکی سے دیکھ رہے تھے اور رو رہے تھے۔ بڑے الجھے ہوئے اور عجیب حالات تھے۔

وہ پہلا کیس جو مما نے کیا تھا۔ ہو بہو یاد نہیں کیوں کہ میں پانچویں میں پڑھتا تھا۔ اس کے دو سال بعد مما نے گھر چھوڑا۔ ان دو سالوں کے درمیان ڈیڈی کئی بار گھر چھوڑ جاتے۔ کبھی لوٹ آتے۔ مما کو مارتے یا جھگڑا کرتے۔ شاید اس وقت وہ مینکا کے ساتھ وابستہ ہو چکے تھے۔

☆ میری بہن!

دسویں کی ابتداء میں مینکا نے ایک بیٹی کو جنم دیا۔ میں کیا محسوس کرتا ہوں، کسی کو نہیں بتاتا۔ مگر جب سوچتا کہ مجبور ہوں، اتنا وحشی ہو جاتا ہوں کہ کیا کہوں.......... کاش، جس طرح دوسری شادی کر سکتے ہیں۔ ویسے دوسرے ماں باپ بھی چن سکتے!

☆ آج

آج ماں کے ساتھ ہوں۔ پھر بھی مما اور ڈیڈی مجھے صرف ذریعہ لگتے ہیں، ایک لمبا سلسلہ ہے.... مجھے دنیا میں لانے کا!... تو میں خود کو کیسے سمجھاؤں!

میرے دادا احمد نگر سے پینتالیس کلومیٹر کی دوری پر تاکلی گاؤں کے ہیں اور نانا

شولا پور کے قریب 'جے اُر' گاؤں کے ہیں۔ کافی چھوٹا تھا جب آجوبا یعنی دادا گذر گئے۔ دادا دادی اور نانا نانی سے میرا کبھی خاص رشتہ نہیں تھا۔ دادی کو پتہ تھا، سب پتہ تھا لیکن بیٹے کے خلاف نہیں بولتی تھیں۔

''بیٹا صحیح ہے''۔ ہی کہتی رہتیں۔ خودغرض اور دقیانوسی لوگ! جن کے زندہ رہنے کا مقصد جیسے ختم ہو چکا تھا............ جیسے سوچتے ہوں، اب بچے کمانے لگے............ اب ڈیوٹی ختم۔ بہو پر حکم چلانا ہی جیسے زندگی کا مقصد تھا!

☆ آجوبا

ہمارے یہاں مراٹھی میں 'آجوبا' نانا اور دادا دونوں کو کہتے ہیں اور نانی دادی دونوں کو 'آجی'..... انگریزی کے گرینڈ فادر اور گرینڈ مدر کی طرح۔ میرے پسندیدہ آجوبا یعنی نانا جی، میری آجی یعنی نانی سے بہت اچھے تھے۔ زیادہ باتیں نہیں کرتے تھے۔ اچھی باتیں بتاتے تھے۔ جے اُر سے ممبئی آئے تھے۔ ممبئی میں پوسٹ مین ہو گئے تھے۔ میرا نانا نانی سے سابقہ نہیں پڑتا تھا۔ بڑا بھائی نکھل ان کے پاس رہا۔ اس کے لیے ننہال بہت کچھ تھا۔

مجھے نانی چالاک اور جھگڑالو قسم کی لگتی تھیں۔

''ہاں! ہمارا خاندان اچھا!............ تمھارا خاندان دیکھو۔ تمھارا باپ دیکھو کیسا ہے! تم بھی ایسا ہی کرو گے۔'' نکھل پریشان کرتا تو وہ کبھی کبھی اس سے کہتیں۔ اس وقت میں ان میں گھمنڈ سا محسوس کرتا تھا۔

☆ آجی

نانی کی شادی 1938ء میں بارہ سال کی عمر میں ہوئی تھی۔ وہ نانا کی دوسری بیوی تھیں۔ نانا کی پہلی بیوی ایک بچی چھوڑ کر مری تھیں۔ نانی نے پالا پوسا۔ ان سوتیلی ماں بیٹوں کی عمر میں بہت کم فرق ہے۔ اب بڑی ماسی بہت بوڑھی دکھائی دیتی ہیں۔ بال پورے سفید ہیں مگر نانی کے بال آج بھی بہت کالے ہیں۔ صرف کنپٹیوں پر اکا دکا سفید بال ہیں۔

وہ مجھ سے بھی زیادہ سانولی ہیں۔ مما کے قد کی ہوں گی۔ مما کی طرح گھنی بھویں ہیں____ نانی اپنے ماتھے پر کالا ٹیکا لگاتی ہیں۔ چہرے پر بہت گھنی روئیں ہیں۔ سخت جلد اور سخت تلوے والی ہیں۔ پانی کا کام، گھر کا کام بہت کرتی ہیں۔ ستر کی نہیں لگتیں۔ مما سے بلی ہیں۔ بالوں کا امبوڑا یعنی جوڑا باندھتی ہیں۔ جیسے مما، میری ماں نہیں، بہن لگتی ہیں۔ ویسے ہی ان کی عمر بھی چھپ جاتی ہے۔

☆ دوسری شادی

''شادی کی ہے۔'' مینکا کہتی۔
''نہیں کی ہے۔'' ڈیڈی کہتے۔
بچی کا نام ڈیڈی نے رکھا۔ ان کا نام اس کے ساتھ لگا ہے۔ یہ بھی حقیقت!
......مینکا سی بی ڈی میں جھنکا بھا کر کینٹین چلاتی ہے۔ جو ڈیڈی نے اس کو دیا ہے۔
''کیا رے! تیری ایک بہن ہے نا!'' .... بچی جب چار سال کی ہوئی تھی۔ ڈیڈی نے پہلی بار اس کے متعلق بات کی تھی۔ ''پتہ ہے آج اس کی سالگرہ ہے۔......... بدھائی دے اس کو......... آجا۔''

اور میں وہاں گیا بھی اور اس کو بدھائی بھی دی۔ مگر گھر کے باہر آتے ہی میں ڈیڈی سے بولا تھا۔

''آئندہ مت بولنا مبارک باد دینے کو......... جو کیا آپ نے کیا۔ میری کوئی بہن وہن نہیں ہے۔''، اس وقت پانچ فٹ تو انچ کے میرے دبلے پتلے ڈیڈی کے ہاتھ تھر تھرا رہے تھے۔

میں نہیں ماننا چاہتا کہ میری کوئی بہن ہے۔ ڈیڈی کو لگا کوئی عورت ہونی چاہیے۔ اس سے ایک بچہ ہونا چاہیے۔ جب کہ پہلے ہی ان کے دو بچے ہیں!!! ہونہہ!!
پتہ نہیں لوگ اتنی آسانی سے دوسری شادی کیسے کر لیتے ہیں، جب کہ پہلے سے ہی ان پر ذمہ داری ہوتی ہے! مجھے لگتا ہے یا تو وہ نا سمجھ ہوتے ہیں یا ضرورت سے زیادہ خود

اعتمادی کے شکار!

☆ ڈیڈی کے گھر سے نانی کے گھر

اگست میں ہم مینکا کے گھر تھے۔ ان دنوں مینکا حمل سے تھی۔ ابھی اس کے گھر ایک ہفتہ مشکل سے کٹا ہوگا۔

''برداشت نہیں کرسکتا۔'' میں ساحل کے گھر حل ڈھونڈنے جاتا۔

''رہا ہی نہیں جاتا۔ کیا کروں؟''

''ماں کے ساتھ رہ۔'' ساحل کی ماں حل بتاتیں۔

بس! ایک دن کپڑے اٹھائے، بیگ میں بھر لیے اور ممی کو فون لگایا۔

''تیئیس تاریخ کو چھٹی ہے۔ ساحل کے گھر تجھے لینے آؤں گی۔'' فوراً جواب ملا۔

تیئیس کی صبح میں نے گھر چھوڑا۔ ڈیڈی اس وقت سو رہے تھے۔ گھر میں سامان نہ دیکھ کر وہ ساحل کے گھر آ پہنچے۔ مارتے ہوئے گھر لے گئے۔

''تو نے باپ کا بھروسہ توڑ دیا۔'' وہ پی کر آئے۔ گس گس کر مارا۔ سر، پیٹھ، پیر کچھ بھی نہیں چھوڑا۔ مجھے مار کر وہ گھر سے باہر چلے گئے اور مزید پی کر آئے۔ بریانی ساتھ لائے تھے۔

''لے کھا!'' وہ پیار سے بولے۔

''کیوں ناٹک کر رہے ہو؟'' میں نے منہ پھیر کر کہا۔

''جو کچھ کر رہا تھا، تیرے لیے کر رہا تھا۔ جانے کلاسیس میں کتنے پیسے ڈالے؟ اور کیا کیا تو نے؟''، ان کی آواز میں لڑکھڑاہٹ تھی، ''میں نے کیا غلط کیا!''

''مینکا کو گھر کیوں لائے؟''، میں نے پلٹ کر ان کا چہرہ دیکھا۔ وہ چپ چاپ میرا روم لاک کر کے چلے گئے۔

کھڑکی پر کوپنسیبل گیٹ پر تالا پڑا تھا۔ میں سو نہیں پایا۔ رات ساڑھے بارہ بجے ڈیڈی اور مینکا دونوں سونے چلے گئے۔

'مما ساحل کے گھر آ کر گئی ہوں گی'، دل میں خیال کوندا۔ میں نے بیگ اٹھالیا۔ تالا توڑنے کی کوشش کی۔ آواز ہوئی۔

'ارے.........رے! ایک چابی تو میں نے ہی رکھی تھی۔ کھڑکی کے پیلمٹ پر'، مجھے یاد آیا۔

کوئی ڈیڑھ بجا ہوگا۔ یہ بھی گراؤنڈ فلور کا ہی گھر تھا۔ بیگ اٹھا کر سی بی ڈی ہائی وے پر بھاگتا چلا گیا۔ ایک ٹرین پارکنگ کے لیے کارشیڈ میں جارہی تھی۔ آخری ٹرین نکل چکی تھی۔

اس رات دل میں ڈر تھا کہ ابھی ڈیڈی اٹھ کر دیکھیں گے۔ ڈھونڈ کر مارتے ہوئے گھر لے جائیں گے۔ جو گاڑی دکھائی دی، ہاتھ دکھایا۔ رات کے ڈھائی بجے تھے۔

''کہاں جانا ہے؟'' ٹیکسی والا بولا۔

''کہاں.........؟'' میں نے سوچا، 'ہاں ساحل کے گھر جاؤں گا۔' اس وقت میں دسویں کا بچہ تھا۔ نانی کے گھر کا راستہ یاد نہیں تھا۔ بس ذرا آئیڈیا تھا۔ ٹیکسی والا کہیں بھی لے جاتا، چلا جاتا۔

ساحل کے گھر گیا۔ وہاں مما اور نکھل موجود تھے۔ سوچا، بھائی سے تو تین سال تک بات بھی نہیں ہو پائی تھی۔

وہاں سے نکل کر ہم دونوں سیدھے دادر کولی واڑہ پولیس اسٹیشن گئے۔ مما نے ایک کاغذ پر نوٹ لکھا۔

''میں اور میرے ڈیڈی سی بی ڈی بیلا پور میں مینکا کے گھر رہ رہے تھے۔ وہ دونوں مجھے جسمانی اور ذہنی تکلیفیں دیتے تھے۔''

ممبئی 14 ستمبر....''

میں نے اس نوٹ پر سائن کیا۔ اور ہم نانی کے گھر دادر چلے آئے۔ تب سے میں نئی ممبئی کو بھول گیا......... بھائی سے تین سال بعد ملا تھا۔ اتنے دن بات تک نہیں ہوئی تھی۔

ان دنوں میں ماڈرن اسکول واشی میں پڑھتا تھا۔ نئی زندگی! .... جس کے لیے بالکل تیار نہیں تھا۔ چاروں طرف بھیڑ بھاڑ، اوپر سے روز کا سفر! سوچا ہی نہیں تھا کہ یہ تکلیف سہنی پڑے گی۔ مما روز بیس روپے دیتیں۔ ٹرین کا رٹرن ٹکٹ سات روپے کا تھا۔ میں ٹکٹ نہیں نکالتا تھا۔ صبح ساڑھے سات سے ڈیڑھ بجے تک اسکول ہوتا تھا .... پھر تین سے چھ چاٹے کلاسیس۔ ڈیڈی نے زیادہ پڑتال نہیں کی۔ بس ایک فون کر کے معلوم کرلیا۔

دادر میں ہم ہند ماتا تھیٹر کے پاس اندرا چال میں رہتے تھے۔ دس بائی دس کے کمرے میں سب ٹھسے ہوئے ہوتے۔ مما کبھی کبھی آتیں۔ زیادہ تر باہر ہی رہتیں ــــــ پھر بھی دسویں کے ایک سال مما کا ساتھ رہا۔ دادر سے واشی آنا مشکل تھا۔ کرلا تک آنے میں میری حالت خراب ہو جاتی تھی۔ سینٹرل لائن سے ہاربر لائن آ کر واشی اترتا اور چلتا ہوا واشی چوپاٹی کے پاس ماڈرن اسکول پہنچتا۔

ہمارے دادر لوٹنے کے بعد ڈیڈی فون کرتے۔ مگر مما مجھے فون نہیں دیتیں۔ جب وہ گھر نہیں ہوتیں، نانی فون اٹھاتیں۔ جب بھی نانی کان سے ریسور کو تھوڑی دوری پر رکھ کر کھڑی ہوتیں اور میری طرف دیکھتی رہتیں تو میں سمجھ جاتا کہ ڈیڈی نانی پر گرج رہے ہوں گے اور پاس جا کر نانی سے فون لیتا۔ نانی ڈیڈی سے بات نہیں کرتی تھیں۔

☆ سانپاڑہ کاٹیج

''مجھ سے نہیں ہوگا یہ آنا جانا!'' میں نے مما سے کہا اور کچھ وقت کے لیے مما نے سان پاڑہ میں کاٹیج نما گھر کرائے پر لے لیا۔ یہ بس کھلے پلاٹ پر ایک روم کچن کا گھر تھا۔ سان پاڑہ اسٹیشن سے پانچ منٹ کی دوری پر یہ سنسان علاقہ تھا۔ یہاں چھوٹے چھوٹے بیٹھے گھر تھے۔ ٹاور نہیں تھے۔ شاید اس وقت پام بیچ کا یہ خوبصورت روڈ بھی نہیں تھا۔ سان پاڑہ اُن دِنوں گاؤں جیسا تھا۔ اب تو یہ ٹاور سٹی بن گیا ہے۔ اس وقت سڑک پر کم لوگ نظر آتے تھے۔ ممبئی سے آگے بڑھیں تو نئی ممبئی میں واشی، سان پاڑہ، جوئی نگر، سی ووڈس، سی بی ڈی بیلا پور، کھار گھر، مان سرووَر، خاندیشور اور پنویل آتے ہیں۔ مما کبھی رہتیں، کبھی

نہیں رہتیں۔ اکیلے بھی سونا پڑتا۔ وہاں ہمارے پاس ایک اسٹوتھا۔ میگی بنا کر کھالیتا۔ اسٹو چوک ہو جاتا تو پن ڈال کر صاف کر لیتا۔ اسکول کے بعد میں سارا وقت سوتا۔ رات دیر تک جاگتا، دوست نہیں تھے، کتابیں پڑھتا رہتا! ایک ٹیچر نے 'وی.بی. والمبے' کی ہٹلر پر لکھی مراٹھی کتاب دی تھی۔ مجھ پر اس کا بڑا اثر ہوا!

''وے ڑیا! پاگل! ہٹلر تو گندہ انسان تھا''، دوست کہتے۔

''کیوں کہ دنیا کہتی ہے وہ برا تھا؟''، میں جواب میں انھیں سے سوال کرتا۔

''ہمارے دیس میں ہٹلر راج ہو جائے تو!!!''

☆ سواستک

میں اپنی ڈائری کھول کر بیٹھا تھا۔

''آر یہ سواستک دھن اور جائیداد کا نشان ہے۔''، مجھے ڈائری میں سواستک کا نشان بناتے دیکھ کر مما بولیں،

''آپ نے غور نہیں کیا! یہ سواستک ۴۵ ڈگری پر جھکا ہوا ہے۔ ہٹلر کا نشان ٹیڑھا سواستک ہے! اور وہ اجے کا نشان ہوتا ہے، کسی سے جیتا نہ جانے والا!''

''ہٹلر جب تقریر کرنے جاتا تو کچھ دیر مائیک سے دو فٹ دور چپ چاپ کھڑا رہتا۔ اسٹیڈیم بھرا ہوا ہوتا۔ اور جب اس کا بولنا شروع ہو جاتا، تو ایک دم خاموشی طاری ہو جاتی۔ پانچ فٹ نو انچ کا یہ شخص جرمنوں میں کم قد والا، کنونسنگ آدمی۔ بات منوانے کی طاقت رکھنے والا، اولوالعزمی کی مثال۔ بہت سے ڈکٹیٹر ہوئے ہوں گے۔ لیکن یہ ایسا ہٹ شاٹ مارتا کہ نشانے پر لگتا۔! اس کی کتاب مائن کامپ (Mein kamph) ہے۔ پڑھوگی؟''

''تو تو ناستک ہو گیا ہے رے! کیا ہٹلر کرتا ہے!''

''میری اس کی مذہبی پہنچ میں دلچسپی نہیں ہے۔ میں اس کی اولوالعزمی کا قائل ہوں۔''، میں مما کو سمجھانے کی کوشش کرتا ہوں۔

''مما کیا آپ جانتی ہیں، پہلی عالمی جنگ سے پہلے ایک ڈالر چار مارک کا ہوتا

تھا۔ اس جنگ کے بعد ایک ڈالر کچھ لاکھ مارک کے برابر ہو گیا۔ یعنی ایک انڈا خریدنے کے لئے بھی لاکھوں روپے لے جانا پڑتا ہوگا۔ کیسی عجیب بات!...وہ سیدھے ڈکٹیٹر نہیں بنا۔ پہلے الیکشن لڑا اور تھوڑے ہی وقت میں سب پر راج کیا۔''

''یہ تو ابنارمل ہے، جیٹو!'' مما کو میری بے ربط باتوں پر افسوس کرتا دیکھ کر میں ہنس پڑتا ہوں۔ ان دنوں ہٹلر میرا آئیڈیل تھا۔

کتابیں خوب پڑھتا اور اس طرح اپنی زندگی کی گتھیوں سے الجھنے سے کسی حد تک بچ بھی پاتا تھا۔ کبھی کبھی ممی ڈیڈی کے بارے میں بھی سوچتا تھا۔......... مگر انسان کے طور پر کم سوچا تھا!......... کبھی لگتا یہ ان کی ضرورت یا مجبوری تھی، مگر دوسرے بھی تو ذریعے تھے! مما نے گھر کیوں چھوڑا؟؟......... انھیں کسی کے سہارے کی ضرورت کیوں تھی۔ ہمیں ایسے بھی بڑا کر لیتیں۔

چار پانچ مہینے ہم یہاں سان پاڑہ کے کاٹیج میں رہے اور امتحان کے بعد دادر لوٹ گئے۔

☆ دسویں کی چھٹیاں

چھٹیوں میں بس یہی تو کام تھے، کتابیں پڑھنا، ڈرائینگ کرنا اور گھومنا۔

'کون سے کالج میں ایڈمیشن ملے گا' سوچتا رہتا۔ خواہشیں بہت تھیں...... مگر پیسے کہاں تھے۔ میں نئی ممبئی میں داخلہ لینا چاہتا تھا۔ کیوں کہ ممبئی کے لوگ، وہاں کی بھیڑ بھاڑ! .... مجھے دادر کے اس علاقے سے چڑ تھی۔ گھٹن محسوس ہوتی تھی۔

دسویں کا نتیجہ آیا۔ میں نے شروع سے جو پڑھائی کی تھی، اسی پر پچپن فیصد نمبر ملے۔ دادر آنے کے بعد تو ایک دن بھی سنجیدگی سے پڑھائی نہیں کی تھی۔ بس گھومتا پھرتا تھا۔

''میں پاس ہو گیا۔'' میں نے ڈیڈی کو فون کیا۔ وہ مجھ سے ملنے اسکول آئے۔

''ڈیڈ راؤنڈ لیتے ہیں''۔ انھوں نے شوروم سے بجاج کیلیبر خریدی تھی۔

''لے، تو بائیک چلا''، پھر پیچھے بیٹھتے ہوئے وہ بولے، ''ٹھیک سے چلا۔''

''ایک کام کر!.... پچپن فیصد کیا مارکس ہیں! کہیں ایڈمیشن نہیں ملے گا! میرے ساتھ رہتا تو پچہتر فیصد لاتا........... کیوں گیا؟'' میں بائیک چلاتا رہا وہ ہتھوڑے چلاتے رہے۔

''ایک کام کر!.... میرے پاس آجا۔ ڈسٹرب نہیں کروں گا، جیسی زندگی جینا ہے، جی!''

میں ''ہاں ہاں''، کرتا رہتا، دل میں کیا ڈر تھا، کہا نہیں!

☆ چودھری

میں جھگڑے کے درمیان 'چودھری' نے مما کی بڑی مدد کی تھی۔ چودھری چیمبور میں رہتا تھا۔ میری زندگی کی سب سے بھدی چیز یہی تھی۔ مما وہاں جاتی تھیں۔ 'آپ لوگوں نے اپنی زندگی جی! میری لائف میں دخل اندازی کیوں کرتے ہیں'، کیسے کہوں! بس مجھے اپنے ماں باپ سے ایک ہی بات پوچھنے کا خیال آتا ہے، 'کیا آپ نے بیٹوں کے بارے میں سوچا تھا؟ نہیں لگتا'۔

چودھری کی بیوی مر چکی تھی۔ اس کے چار بچے تھے۔ دو بیٹے اور دو بیٹیاں! بیٹیوں کی شادیاں ہو چکی تھیں۔ اس کا بڑا بیٹا، میرے نکھل دادا سے کچھ چھوٹا اور چھوٹا بیٹا مجھ سے ایک سال چھوٹا تھا۔

☆ اب بچے، بچے نہیں رہے

اتنے سال جب ڈیڈ کے پاس رہا، مما کا فون کبھی نہیں آیا! اب رات میں دیر سے گھر آنے پر پوچھتی ہے تو ذہنی اذیت ہوتی ہے۔ عام لوگوں کے لیے یہ معمولی بات ہوگی۔ مگر بچپن کا دلار اب مجھے نہیں چاہیے۔ وہ سمجھتی نہیں کہ اب بچے، بچے نہیں رہے۔ کیا مصیبت ہے۔؟

میری جگہ کوئی نارمل لڑکا ہوتا تو یہ بات کسی کو نہیں بتاتا! مگر میں اپنے قریب آنے والوں سے کہہ دیتا ہوں۔

''یہ تیری پرسنل بات ہے!'' کوئی کہہ بیٹھتا ہے۔

''کیا ہے یہ ذاتی باتیں! جو اصلیت میں ہیں، دکھانا نہیں چاہیے؟ جو ہے وہ ہے..................!''

''سامنے والا کیا سمجھے گا، سوچ!''، وہ سمجھاتا ہے۔

''سامنے والا زیادہ سے زیادہ کیا سوچے گا؟''، میں سوچتا ہوں۔

''لوگ فائدہ اٹھائیں گے۔''، وہ کہتا۔

''فائدہ اٹھا کر کیا کرلیں گے؟ میری یہ سوچ مما، ڈیڈ دونوں کو پتہ ہے۔''

☆ مما کی پٹائی

سوچتا ہوں مما کا بھی کیا قصور تھا! مجھے وہ دن یاد آگیا جب مما کو ڈیڈی نے بیلن منھ میں ڈال کر، دیوار سے سٹا کر اٹھایا تھا۔ کبھی کبھی وہ انھیں ڈائننگ چیئر سے مارتے۔ نکھل کو نائلان کی رسی سے ہاتھ پیر باندھ کر لٹکاتے ہوئے بھی میں نے دیکھا ہے۔ پتہ نہیں کیوں ....؟ شاید اس لیے کہ اس نے ان کی پینٹ سے سو روپے چرائے تھے۔ ....ممی ڈیڈی دونوں گھر پر نہیں ہوتے تھے۔ ہم دونوں دس بیس روپے چرا کر ویڈیو پارلر میں نئے نئے ویڈیو گیمس کھیلنے جاتے! شاید نارمل لڑکے اکیلے نہیں رہ سکتے۔ ....مگر ہم خوب مزہ کرتے تھے!

☆ جون، گیارہویں کلاس اور دادر

بہرحال میں نے پریل کے کے ای ایم ہاسپٹل کے پاس آر ایم بھٹ کالج میں گیارہویں سائنس میں ایڈمیشن لیا، کیوں کہ نیوی میں جانا چاہتا تھا! اس کالج میں بہتر فیصد پر ایڈمیشن بند ہو گئے تھے۔ این.ٹی. ہونے کی وجہ سے مجھے پچپن فی صد پر ہی داخلہ مل گیا! پڑھائی پر میں پورا دھیان دیتا تھا۔ مگر دوست نہیں بنا پایا! اُن دنوں میں اکثر ڈائری کھولتا اور کچھ یوں لکھتا۔

☆ ڈائری کے پنّے

'یہ ڈائری میں آپ کے حوالے کرتا ہوں۔ او مدر نیچر! یہ میری زندگی کو پیش کرتی ہے...... میری سوچ اور تبدیلیوں کو جن سے میں گذر رہا ہوں، میری یہ تخلیق کلّی طور پر، خود کو سپر نیچرل اور غیر معمولی سے بھی بہتر بنانے کے لیے ایک انسان کے روپ میں آپ کو سونپ رہا ہوں!

صرف وقت ہی میری ڈائری کے خیالات کا محتسب ہو سکتا ہے۔ اس میں جو کچھ بھی مواد ہے، وہ صرف میرے دماغ اور میرے خیالوں کی اپج ہے۔......... تو صرف میں ہی میں ذمہ دار ہوں، میں اس تحریر میں صرف ایک ہی بات ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ جو زندہ رہنا چاہتا ہے، اس کو لڑنا ہوگا...... ایک سال ہو گیا گھر چھوڑ کر۔ اکیلا رہ رہا ہوں۔ بہت کم لوگ سمجھ پائیں گے کہ مجھے کیا محسوس ہو رہا ہے۔ یہ میرے لیے بالکل نیا تجربہ ہے۔.... اچھا وقت ہے........ کہ احساس کو لفظوں میں ڈھال رہا ہوں۔ ڈائری لکھ رہا ہوں۔ حالاں کہ یہ مشکل کام ہے مگر کوشش کروں گا کہ وہ ہو بہو اتر آئیں۔'

سامنے گدے پر میری ڈرائنگ بک پڑی ہے۔ بچپن میں آرکی ٹیکٹ بننا چاہتا تھا۔ پینسل اور اسکیل سے بنے ہوئے فلیٹ کے کتنے ہی فلور پلان سامنے پڑے ہیں۔ کسی کے گھر جاتے تو یاد کر لیتا اور اس فلیٹ اور بلڈنگ کی ڈرائینگ کو بنا لیتا۔ رشتے داروں کے بچوں کے کتنے پورٹریٹ بنائے ہیں۔ بچوں کو میں درد کُشا مانتا ہوں۔ کچھ ہیروئنوں کے چہروں کے بھی اسکیچ بنائے۔ جہازوں کے ایلیویشن پلان بنائے ہیں۔ اوپر سے دیکھا جائے تو جہاز بلڈنگ اور گھر کے اندرونی حصے کیسے نظر آتے ہوں گے، اس کا تصور کیا کرتا تھا۔ الگ الگ تیوہار مناتا ہوا اپنا چار ممبروں والا خاندان واشی چوپاٹی پر پانی پوری کھاتا ہوا، کبھی گاؤں کے کھیتوں میں گھومتا ہوا... ایسے کتنے ہی ڈرائنگ اور اسکیچ میرے گدے پر پڑے ہیں۔ میں اپنے خیالوں میں کھویا رہتا، ''ڈیڈی کو چھوڑا ٹھیک کیا کہ نہیں؟..........''

'ایس ایس سی کے رزلٹ پر اثر ہوگا یا نہیں؟'

'ڈیڈی کے پاس لوٹ جاؤں یا نہیں؟'، اس طرح کے سوچ من میں گھومتے رہتے۔
دادر کی اس چال میں صبح پانی کے لیے لائن لگانا، کامن بیت الخلاء.... ایڈجسٹ نہیں کر پاتا تھا۔ فلیٹ کی یاد آتی تھی۔ ایک سال کسی طرح نکل گیا۔۔
دوپہر ساڑھے بارہ بجے کا کالج تھا۔ کالج کے چھوٹنے کے بعد ہی جیسے میرا دن شروع ہوتا تھا۔

اکثر ریل کے پل پر کھڑا رہتا۔

''کیا کروں؟''

''بارہویں کے بعد کیا کرنا ہے؟''

''ڈیڈ کا کیا ہوگا، ان کا بھروسہ دوبارہ کیسے حاصل کروں؟''

مما کے بارے میں نہیں سوچنا چاہتا تھا، پھر بھی خیال آتا!

''مام گھر کیوں نہیں آتیں؟''

''چودھری کے گھر چیمبور کیوں جاتی ہیں؟''

میں ان کو فون کر کے اتنا پریشان کرتا ہوں۔ پھر بھی ہفتے میں دو تین بار اور کبھی کبھی تو ایک بار ہی گھر آتی ہیں۔

☆ غیر ارادی ٹارچر!

چودھری ناٹا سا اتر پردیش کے ضلع جونپور کا باشندہ تھا۔ وہ کمپنی میں ڈیڈ کے ہی کیمیکل پلانٹ میں کام کرتا تھا! ڈیڈ سینئر ایگزیکیوٹیو تھے اور چودھری مزدور۔ مانا اس نے مما کو ذہنی سہارا دیا، لیکن اس کے معنی یہ تو نہیں کہ اس کے سامنے جھکو، احسان مان کر اس کے گھر رہو!............ پتہ نہیں رشتے کیسے بنتے ہیں۔ میرا بھروسہ رشتے ناتوں سے ہی اٹھ گیا!......

''میں کوئی رشتہ نہیں بنا سکتا!'' کبھی کبھی میں سوچتا ہوں، ''میرے لیے کوئی رشتہ بنا ہی نہیں!''

مما نے ہم بیٹوں کو کبھی مارا پیٹا نہیں۔ غصہ نہیں کیا لیکن ایسا طریقہ اپنایا کہ

غیر ارادی طور پر ٹارچر ہو!

'' بچے چھوٹے تھے، کیا خبر تھی ایسے سب ہو گا۔ صبح سے شام تک پیسے کماتی ہوں!''، مما کی بات میں وہ پہلی سی دھار اب بھی ہے! ''میں نے تمھارے لیے اتنا کچھ کیا۔ بدلے میں تم نے کیا دیا.......... پریشانی؟''

☆ انوسیا کی طرح جینا ہے!

میں نے دادر میں رہ کر ہی جونیئر کالج پورا کیا۔ دادر کی چال میں صبح چھ بجے سے نو بجے تک پانی آتا۔ نانی اس بیچ روز صفائی کرتیں۔ کونے کھدرے سے چیزیں نکال نکال کر دھوتیں۔ یہ ان کی عادت تھی اس کام کے بیچ میں کوئی آیا تو بری طرح چلاتیں۔

'' ارے.......... ش.......... ش.......... پورا گھان کر دیا۔ پیر کے نشان تو دیکھ،...... آنکھیں نہیں کیا؟...... میلیا...... مُردار......!

نانا اسپتال سے ڈسچارج ہو کر گھر آئے تھے۔ صبح سات، ساڑھے سات کا وقت ہو گا۔ دیوان پر لیٹے تھے، اٹھے اور موری کی طرف چل دیے، پونچھا مارا ہوا تھا۔ نانی چلانے لگیں۔

''.......... تو مرتا کیوں نہیں۔ مجھے انوسیا کی طرح جینا ہے......؟......؟......''

یہ کچھ زیادہ ہو گیا تھا۔ چال کے اس کمرے میں مچان جیسا مالیا بنا ہوا تھا۔ میں نے مالیے کے کمرے سے جھانکا۔ نانی کا چہرہ دیکھا! اپنے کانوں پر شک ہوا۔ کوئی ایسے بھی بول سکتا ہے.......... جانتا ہوں انوسیا پڑوس کی بیوہ تھی۔ اس وقت مما آئی ہوئی تھیں۔ نکھل بھی گھر پر تھا۔ مما اور نانی میں جم کر جھگڑا ہوا۔ ہمیشہ دونوں میں جھگڑا ہوتا!

''تیرا مرد ایسا ہے.......... لفنگا!''

''آئی! تم نے ہی تو شادی کرائی!''

وہ مراٹھی میں لڑتیں، دونوں ایک دوسرے پر الزام لگاتیں!

مما نانا کو لے کر چھوٹے ماما کے گھر بوریولی چلی گئیں! میں، نانی اور نکھل دادر کی

چال میں رہ گئے۔ اسی شام جب میں کالج سے گھر لوٹا تو دروازے پر تالا پڑا ہوا تھا۔

''سب کہاں گئے؟''

''تیرے نانا چل بسے!'' پڑوسن نے بتایا!

نانا کوئی اسی سال کے تھے۔ اچانک چل بسے۔ غصہ آیا! زندگی کے آخری دن کوئی مریض کے ساتھ ایسا کر سکتا ہے؟............ ہاں کر سکتا ہے............ کیوں کہ میں نے دیکھا ہے! رات ساڑھے دس بجے بوریولی پہنچا، یاد آیا، نانا نے ایک دن کہا تھا!

''وعدہ کر، ممی کو کبھی نہیں چھوڑے گا!''

''ماں کا خیال رکھے گا۔ اسے ضرورت ہے تیری!''، شاید اسی وعدے نے وہ تیز کڑواہٹ کم کر دی۔ ورنہ مما اور میں! noway! بالکل نہیں۔

نانا مر گئے!

''میں دادر رہنا نہیں چاہتا!''، میں مما کے پیچھے پڑ گیا، ''اس عورت کے ساتھ نہیں رہ سکتا۔''

مما نے پلٹ کر حیرت بھری نگاہوں سے مجھے دیکھا! شاید اپنی ماں کے لیے، میری یہ بے ادبی انھیں اچھی نہیں لگی تھی، ان کے منھ سے نکلا۔

''وہ عورت تیری آجی ہیں!!''

☆ چودھری کا گھر

مما مجھے چودھری کے گھر چیمبور لے گئیں۔ یہ علاقہ بی پی سی ایل یعنی 'بھارت پٹرولیم کارپوریشن لمٹیڈ' کے بازو والا جھونپڑپٹی کا تھا۔ یہ ایک بہتر بنا ہوا جھونپڑا تھا! میں وہاں رکنا نہیں چاہتا تھا۔

''مت جاؤ!'' مما نے ہاتھ پکڑا۔

میں اور چودھری کے بیٹے ایک کمرے میں رہتے تھے۔ اور دوسرے میں مما اس دوسرے انسان کے ساتھ!

''تیرا بیٹا نالائق ہے۔'' چودھری نے مما کے سامنے ہی ایک دن کہا، ''اُس کے پاس ہمیشہ جاتا ہے۔''، پتہ تھا وہ میرے ڈیڈی کو 'اُس' کہہ رہا تھا۔

''تم کو کیسے معلوم؟''، میں نے جھگڑا کیا۔

''تیرا کچھ نہیں بنے گا رے!''

''تو کون ہوتا ہے بولنے والا؟'' میں سیدھے 'تو' پر آ گیا۔ کیوں کہ مما کچھ نہیں بولی تھیں! چاہتیں تو چودھری کو چپ کرا سکتی تھیں! وہ بڑبڑاتا ہوا باہر چلا گیا۔

☆ چیمبور

تقریباً ڈیڑھ سال ڈیڈی کی کمپنی کی کالونی میں رہا۔ بھائی کو کوکر کا ہینڈل مارنے والے قصے کے بعد مما نے مجھے بی پی سی ایل کالونی میں اپنے ایک اسپورٹس مین دوست کے گھر رکھا۔ وہ کنوارے تھے۔ نیٹ پریکٹس پر جاتے۔ میں بھی فٹنیس کے لیے ان کے ساتھ جانے لگا۔ میں نے نیا فٹ بال اور سنڈ شوز خریدے۔ اسپورٹس کامپلیکس میں شطرنج کھیلتا، وارم اَپ کرتا۔ دو تین لوگوں سے پہچان ہوئی۔ ان کے ساتھ بال پاسنگ کی مشق کرتا ـــــ یہ ٹائپ ٹو کا گھر تھا، یعنی دو بیڈ روم، ہال کچن کا گھر۔ انکل والی بال کے کھلاڑی تھے ـــــ ان دنوں میری گیارہویں کے بعد بارہویں کی ٹیوشن کلاس دادر میں لگائی ہوئی تھیں۔ تین چار مہینے وہیں سے کالج جاتا رہا۔

''مما، کیا چیمبور ایسا ہی ہے؟''

''ہاں، یہاں کثافت بہت ہے اور گرمی بھی۔''

۔''مما! کیوں کسی کے گھر رہنا ہے؟ ہم کو بھی یہاں کمپنی میں فلیٹ مل سکتا ہے! ڈیڈی کمپنی میں ہیں!''، میں نے مما سے کہہ ہی دیا۔

☆ کمپنی کا کوارٹر

اب مما نے کمپنی میں کوارٹر حاصل کرنے کی کوشش شروع کی۔ ٹائپ ون میں جگہ

ملی، جو مزدوروں کے لیے تھی۔ ڈیڈی کے درجے والے فلیٹ خالی نہیں تھے۔ چھ سات مہینے وہاں رہے۔ مما آفس جاتیں، میں کالج۔ کچھ بھی سوچو، کرو، ٹوکنے والا، دیکھنے والا کوئی نہیں، دل کہتا، پہلی بار میں نے اکیلے پن کا مزہ لینا سیکھا۔

.....مما کے ساتھ کا مزہ اور سکون پایا۔

''رامائن کس نے لکھی، بتاؤ تو؟''، مما پوچھتیں۔

''بہت آسان سوال ہے، والمیکی نے!''

''بتاؤ والمیکی کو پہلے کیا کہتے تھے؟''

''....................''

''والیا کولی! یہ کولی یعنی مچھیروں کے سماج کے تھے۔ آچار وچار سے پوتر ہوئے۔''

''اوکے۔''، میں سر ہلا کر والمیکی کے اِس روپ کا تصور کرتا۔

''والیا کولی ایک مسافر کو مارتا اور گنتی کے لئے گھڑے میں ایک کنکر ڈال دیتا! جانے کتنے لوگوں کو مار ڈالا۔ ایک دن اچانک اس کو نارد مُنی ملے، بولے،

''تم اتنا پاپ کماتے ہو! کیوں؟ کس لیے؟''

''میرے بچوں کے لیے! گھر والوں کے پالن پوشن کے لیے!'' ''کیا وہ تمھارے پاپ کے حصے دار ہوں گے؟''

''کیوں نہیں!''، ....پھر سوچا اور کہا، ''..........کیا پتہ!''

''تو پوچھ کر آؤ! نارائن نارائن!''، نارد نے کہا۔

گھر آکر اس نے بیٹے سے پوچھا،

''کیا تم میرے پاپ، پُن کے حصے دار ہو سکتے ہو؟''

وہ بولا، ''پیسہ کے ہیں، پاپ کے نہیں!''، بیٹے نے جواب دیا۔

پھر بیوی سے پوچھا۔

''میں آپ کے پیسہ کی حصے دار ہوں، مگر پاپ کی کیوں؟.....آپ پاپ کرتے

ہیں اور اکیلے کرتے ہیں!''، بیوی نے جواب دیا۔

سوچا میں جو کچھ کرتا ہوں، میں ہی کرتا ہوں............سچ ہے۔''

اور گھر چھوڑ کر نکل گئے۔ نارد منی نے 'رام رام' منتر دیا تا کہ گناہ دھل جائیں۔......''

'' 'رام رام' دوہراتے دوہراتے 'مرا مرا' ہوتا گیا۔ والیا کولی اتنا بڑا والمیکی رشی بن گیا کہ ترکال درشی بن گیا! کیا ہو چکا ہے، کیا ہو رہا ہے، کیا ہونے والا ہے، سب انھیں پتہ چل جاتا! رامائن انھوں نے رام کے جنم سے پہلے لکھی تھی۔ انھوں نے جیسی رامائن لکھی، ویسا ہی رام کو ہونا پڑا! اس لیے انھیں مہان کہتے ہیں! اس پوتھی کو 'والمیکی گرنتھ' بھی کہتے ہیں! ارے بابا! اتنے بڑے ہو گئے لیکن تم تو کچھ بھی نہیں جانتے!''، مما لاڈ سے پھٹکارتیں۔

میں صبح جلدی اٹھتا، کمپنی کے فٹ بال کی پریکٹس کرتا! کچھ موٹا اور صحت مند ہو گیا تھا۔ ڈیڑھ مہینہ گذرا ہو گا کہ ہمارے کوارٹر میں چودھری کے بیٹے آنے لگے۔ جھگڑے کے بعد مجھے چودھری سے نفرت ہو گئی تھی! مما اگر شادی کر لیتیں تو اتنی تکلیف نہیں ہوتی! وہ اکیلے نہیں رہ پائیں، ہمارے لیے قربانی کا یہ رویہ مجھے پلان کیا ہوا لگتا، بالکل منصوبہ بند۔ کیوں کہ لگتا کہ ہم سے کچھ چاہتی ہیں، کہ، 'میں نے قربانی کی، اب میرے لیے کچھ کرو!'.........ہو سکتا ہے، نہیں بھی چاہتی ہوں مگر مجھے لگتا کہ یہ سوچ اتنی واہیات ہے کہ کھلے طور پر بول بھی نہیں پاتا ہوں۔ لوگوں سے کہوں تو میری بینڈ بجا کر چھوڑ دیں گے۔ مما سے پیسے مانگنا مجھے ناپسند تھا۔ مما چودھری کے گھر رہتیں۔ اپنی سوچ کا دائرہ پھر وہی.... سوچ اور حالات سے تھک گیا تھا۔

''میں تیرا خرچ اٹھاؤں گا،..آجا،..ایسا کروں گا،...ویسا کروں گا.........''، اُدھر ڈیڈی اکثر اُکسایا کرتے۔

''مما، میں ڈیڈ کے پاس جاؤں گا!''، ''اچھی پڑھائی ہو گی۔''، یہ ستمبر کا ایک عام سا دن تھا، جب میں نے فیصلہ سنایا تھا۔

''تو ہمیشہ دلدر ہی رہے گا، کچھ بھی کر لے!'' یہ غصہ تھا یا پھر کیا تھا۔ میں نے تو ایسا

کبھی نہیں کہا۔ اپنے غصے پر ہمیشہ قابو رکھا۔ ایسی بد دعا بیٹے کے لیے؟،......میں نے تو ایسی بد دعا کبھی کسی کے لیے نہیں کی! تب گنپتی کا اُتسو تھا۔

گنپتی کا تیوہار میرے لیے بہت خراب ہے۔ اس کی ایک تاریخ رہی ہے! جب بھی ڈیڈ کو چھوڑ کر مما کے پاس گیا، یا مما کو چھوڑ کر ڈیڈ کے پاس آیا، وہ سب گنپتی کے زمانے میں ہی کیوں ہوا تھا!

☆ الٹا سفر

ڈیڈی سے میں چھ سات مہینے بعد ملا تھا۔ اِس بار ڈیڈی نے مجھے اُرن پھاٹا کے پاس ایورسٹ اپارٹمنٹس میں اپنے ساتھ رکھا۔ یہ فلیٹ مما اور ڈیڈی دونوں کا مل کر خریدا ہوا تھا۔

''کیا ہوا؟'' مجھے مینکا نہیں دکھائی دی تھی۔

''پراپرٹی میں حصہ مانگ رہی تھی۔''

اب الٹا سفر شروع ہوا۔ میں نیرول سے آر ایس بھٹ کالج یعنی پریل جانے لگا۔ بارہویں میں فیل ہو گیا۔ شروع میں نہیں گیا لیکن بعد میں ممی سے ملنے کبھی کبھار جانے لگا۔ ممی مجھے کبھی فون نہیں کرتی تھیں۔

۲۰۰۲ء میں ڈیڈی نے ہمارا واشی کا گھر بیچ دیا۔ پونا میں ایک فلیٹ اور دوکان لی اور انھیں کرایہ پر دے دیا۔ واشی جوہو کی دوکان مما کے نام پر ہوئی۔ شاید اسے بھی دونوں نے مل کر لیا ہوگا۔ اس پر بھی کیس چل رہا تھا۔

ساحل اور دوسرے دوستوں کو بھی اپنے ماں باپ پرابلم لگتے تھے۔

''تیرے ماں باپ پرابلم دیتے ہیں نا!...تو گھر چھوڑ نا!...اکیلا رہ!'' میں ان سے صاف کہہ دیتا۔

''نہیں، نہیں''، وہ کہتے ہیں کیوں کہ ان کو اپنے گھر والوں سے محبت ہے، مجھے نہیں۔

☆ پچھتاوا

میں مما کو بری طرح جواب دیتا ہوں۔ تمیز سے بات نہیں کرتا۔ اکثر اس بات کا افسوس نہیں کرتا.... مگر کبھی افسوس بھی ہوتا ہے۔ پھر بھی جب مما کی آواز سنتا ہوں خود بخود کچھ لہجے میں آجاتا ہے۔ --- ایسا میرے آس پاس والے کہتے ہیں۔

''باپ پر گیا ہے، اسی کی سائڈ لیتا ہے!'' مما کہتی ہیں......... مگر آج اِس وقت ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ میں ماں سے دس گنا زیادہ اپنے باپ سے نفرت کرتا ہوں۔

☆ پرائیویٹ کوچنگ

اُن دنوں میں بارہویں ریپیٹ کر رہا تھا۔ پچھلی بار پیپر نہیں لکھے تھے، کیوں کہ پتہ تھا کہ پڑھائی نہیں ہوئی۔ گھر سے نکلتا، فلم دیکھتا، مٹر گشتی کرتا، مما کے پاس سے بھاگ کر ڈیڈی کے پاس لوٹ آیا تھا! ڈیڈی نے کڑوے لہجے لیکن بڑے نفسیاتی ڈھنگ سے سمجھایا۔

''بیٹا تمھیں دوبارا امتحان دینا چاہیے!''

سی بی ڈی میں ایک کوکنے سر تھے۔ وہ پچھتر سال کے تھے۔ پوری پڑھائی کی ایک لاکھ فیس لیتے تھے۔ ڈیڈ نے پچاس ہزار چکا دیے۔ پچاس ہزار رزلٹ کے بعد دینے تھے۔ ایورسٹ اپارٹمنٹس میں ڈیڈی نے مجھے سائیکل لے دی تھی۔ وہی پرانے دوست ملے۔ اس بار ڈیڈی جیب خرچ کے لئے پیسہ نہیں دیتے تھے۔

''دوست چاہیے؟ یہاں بنا۔ سی بی ڈی مت جا!''

''..جانا ہے تو پیدل جا... یا سائیکل سے!''

وہ ہمیشہ جتاتے کہ ٹیوشن کے لیے لاکھ روپیہ بھرا ہے۔ پاس ہونا ہے۔'' یہ بات تحریک دینے والی تو ہوتی مگر اذیت بھی ہوتی۔ اچھا سوچا......... مگر نہیں سوچا!.........
آج تک جو بچوں پر اثر ہوا۔ سوچ کر سلوک کرتے تو کچھ اور ہوتا۔ دوستوں کی وجہ سے ذہنی دباؤ کم ہوا۔ جان پہچان سے شروع ہو کر گہرے دوست ہوتے گئے۔ بھیڑ سے ڈر جاتا

ہوں، کیا کروں، کمزوری بن چکی ہے۔ زیادہ لوگ آجائیں تو چین نہیں رہتا ہے۔ کم دوست ہیں جن کے ساتھ 'جیتو' بن کر رہ سکتا ہوں۔ کوئی زیادہ باتیں کرنے لگتا ہے۔ کچھ پوچھنے لگتا ہے تو لگتا ہے، کہیں یہ فائدہ تو نہیں اٹھائے گا! میری باتیں سن کر کیا سمجھے گا؟ کیا نتیجہ نکالے گا؟

کو کنے سر کی پرائیویٹ کوچنگ بھی بڑے مزے کی تھی۔ ایک کمرے میں سارے بچوں کو بٹھا دیتے دوسرے میں خود جا بیٹھتے۔ خود پڑھاتے نہیں تھے۔ مگر بڑے نئے اور انوکھے انداز میں بچے سیکھتے جاتے۔

''ایک سوال حل کرو! دس روپیہ پاؤ۔ شرط یہ ہے کہ کاپی نہیں کرنا ہے!'' وہ پرچیوں پر لکھے ہوئے سوال ہمیں دیتے۔ ہم جی جان سے سوال حل کرتے۔ اب حساب اچھا لگتا۔ زندگی کے لیے نظریہ بدلا!

''کچھ کھانا ہے یا چائے چاہیے؟''

''نکڑ کی دوکان سے کھا پی کر آؤ، میرا نام لے لو۔''

ایک بار راستے میں مجھے سگریٹ پیتے ہوئے دیکھ لیا۔

''سگریٹ پیتے ہو؟'' انھوں نے مجھے کلاس میں پوچھا۔ میں نے سر جھکا لیا!

''کون سا برانڈ؟''

''چھوٹا گولڈ فلیک''

''چھوٹا گولڈ فلیک مت پیو، بیڑی پیو اثر کم ہوگا۔ تمبا کو صحت کے لیے ٹھیک نہیں لیکن اگر خود کو روک نہیں پاؤ تو بیڑی پی لو۔ اثر تو کم ہوگا! اب لو سُم کرو!''

سر نہیں جانتے، اُن دنوں مجھے شراب کی عادت بھی ہو گئی تھی... کچھ وقت کے لیے۔ سچ کہتا ہوں، میں نے کبھی دل سے دارو نہیں پی، صرف ساتھ دینے کو پیتا ہوں۔ نفرت ہے اُس چیز کے لیے۔

''میں جو سوال دیتا ہوں، لکھ کر پریکٹس کرو۔''، کو کنے سر نے پیار سے کہا تھا۔

اچھا سال نکلا۔ آخری مہینہ تھا۔ کیمسٹری فزکس لیا تھا۔ کس طرح یاد رہ سکتا تھا!

دوسرے مضامین میں نے خود پڑھے۔ شاید ڈیڈی نے انھیں باقی پچاس ہزار روپے نہیں دیے۔ کیوں کہ کوکنے سر نے پچہتر فیصد کا فائدہ کیا تھا۔ حساب اچھا سکھایا۔ اس میں سب سے اچھے نمبر آئے۔ باقی میں پینتیس پینتیس! ہاں مراٹھی میں انہتر ملے۔

☆ تیسری شادی

''میں شادی کر رہا ہوں!............ کیا کروں؟''

''کیا کروں؟'' میں نے حیرانی سے ان کا چہرہ دیکھا۔ ''دیکھیے ڈیڈ! ابھی آپ کے لیے میں ہوں۔ میرے لیے آپ ہیں۔ ہم دونوں ایک دوسرے کے لیے کافی ہیں۔''

میں نے ہر ''ہیں'' پر زور دیا تھا۔ فروری کی ہوا میں ابھی ٹھنڈک باقی تھی۔ بارہویں کے سالانہ امتحان شروع ہونے میں پندرہ دن باقی تھے۔ ''آپ جانتے ہیں نا ڈیڈ'' میں نے بات کو اپنی طرف موڑنے کی کوشش کرنی چاہی، مگر وہ نہیں مڑے۔ وہ اپنی ہی کہتے رہے۔

''وہ عورت آئی تھی نا............ اسی سے!'' اس دن ڈیڈی کچھ زیادہ ہی پی کر آئے تھے۔

''ہاں! سچ میں، لگتا ہے اس گھر میں ایک عورت کی ضرورت ہے!'' میں ان کی بات ان سنی کر کے بولا! ''کچھ سال رکو۔ دادا کی وائف آجائے گی!''

''تجھ سے اپنے باپ کی خوشی دیکھی نہیں جاتی۔ تو بھی ایسا............ تیری ماں بھی ایسی!''

مینا کبھی کبھی ہمارے گھر آتی تھی۔ ایک دن ہمارے گھر رہ گئی۔

''کتنے دن رہے گی؟''

''پاگل ہے؟ میری بیوی ہے۔ یہیں رہے گی!''

''بتایا نہیں، شادی کر لی!''

''آپ کو کیا پتہ ہے میرے ڈیڈ کے بارے میں؟'' میں نے مینا کو بتانے کی کوشش کی۔

''ہاں میں سب جانتی ہوں!''

میں نہیں چاہتا تھا ڈیڈ اس کے چنگل میں پھنسیں۔ مگر خود کُو دے، کوئی کیا کرے!

☆ چُھری چاقو

مینا ڈیڈی کی تیسری بیوی، گوری دبلی اور چھوٹے قد کی چپسی، بنجارن تھی! موٹی موٹی آنکھیں، گالوں کے ابھاروں کے دونوں جانب سے ابھرا ہوا چہرہ، ذرا سی دبی ہوئی ناک، ہمیشہ میک اپ میں رہتی، اکثر کالے رنگ کا شلوار قمیص پہنے رہتی، کوئی پچیس سال کی ہوگی۔ مگر وہ عورت ہی لگتی، لڑکی نہیں۔ مجھ سے صرف سات سال بڑی تھی اور میرے کندھے تک اونچی تھی! میری مما کی طرح پانچ فٹ کی ہی ہوگی۔ وہ ڈیڈی کی دوسری بیوی، مینکا سے کم موٹی تھی مگر بھرے بھرے بدن کی اور خوبصورت لگتی تھی۔ جب بات کرتی، کسی گنوار کی طرح بات کرتی تب اس کی خوبصورتی پھیکی لگتی۔ ڈیڈ کے وکیل دوست نے ان کی یہ تیسری شادی جمادی تھی، اپنی خاص دوست کی دوست کے ساتھ۔

اس کے ماں باپ اس سے ملنے وہاں آتے تھے۔

''مینا کے پہلے شوہر کی موت ہو چکی ہے۔''، مجھے اِس سے زیادہ نہیں پتہ! ڈیڈی بس اتنا ہی بتاتے تھے۔ مینا کی پہلے ہی سے ایک بیٹی بھی تھی۔

اسے بھی میں ماں یا ممی نہیں کہتا۔

''تو میری عزت نہیں کرتا!'' ڈیڈی کا پھر وہی غصہ!

''ہاں! نہیں کرتا، کیوں کہ آپ نے شادی کی! وہ آپ کی بیوی ہیں، میری ماں نہیں!''

پتہ نہیں کیسے میں نے اپنی عمر کے بیس سال تک ڈیڈ کی مار کھائی............ بیس سال کی عمر تک!

ان دنوں میں شراب پینے لگا تھا۔ کبھی کبھی دوپہر میں بھی ہو جاتی، دوستوں کے ساتھ! ...میری زندگی پھر سے بدل گئی تھی۔ کھانے پینے کی بھی پریشانی تھی۔

''دوست آئے۔''

''یہ کیا!''

''وہ کیا؟'' وہ اکثر ڈیڈی سے شکایت کرتی۔ روز روز کی اذیت سے اوب چکا تھا۔ دوستوں سے کہتا، ''چلو باہر چلتے ہیں!''

اس دن میں ڈیڈی کی بائیک لے کر دوستوں کے ساتھ واشی سے ملحق نئی ممبئی کے ترقی پذیر علاقے ایرولی گیا۔ آٹھ بوتل بیئر پی.. پھر ایک کوارٹر اور چڑھایا۔ کھڑا بھی نہیں ہوسکتا تھا۔ دوست نے گاڑی چلائی۔ گھر آکر میں نے گاڑی کی چابی اس کے اسٹینڈ پر لگائی پھر باہر جانا چاہا۔ میں پورے ہوش میں نہیں تھا۔ ڈیڈ کو کچھ بولا، پھر ڈیڈ نے کچھ کہا۔ تن بدن میں گرمی چڑھ گئی۔ یاد نہیں کیا ہوا! ایک ہاتھ سے ڈیڈ کا ہاتھ پکڑا اور دوسرے سے گلا پکڑ کر دیوار سے سٹا دیا۔ غلط لگا.......... انھیں چھوڑا اور دیوان پر جا بیٹھا۔ ڈیڈی کچن میں جا کر چاقو لے آئے۔

''میں تجھے مار ڈالوں گا!''

''آپ کیا ماریں گے؟ آپ میں ہمت ہے؟'' میں نے ان کے ہاتھ سے چاقو چھین لیا، سوچا ان کو ماروں گا، دو بار چھرا گھونپا..... لیکن خود اپنے ہی پیٹ میں! مجھے ہوش نہیں تھا، بس اتنا ہی سمجھ میں آیا کہ ڈیڈی صوفے پر بیٹھے کہہ رہے تھے،

''اب پولیس کمپلینٹ ہو جائے گی!''

دوست باہر کھڑے تھے، جھگڑے کی آواز سن کر اندر آئے، مجھے اسپتال لے گئے۔ پتہ نہیں مما کو کیسے پتہ چلا!

پہلے دو دن بے ہوش رہا تھا۔ تیسرے دن ذرا سا سُدھ میں آیا تو مما اور ڈیڈی کو سُنا۔ جھگڑ رہے تھے۔ اگلے دن جب بڑے ماما مما کے ساتھ اسپتال آئے، میں بیڈ پر لیٹا ہوا، دوسرے بیڈ پر بیٹھے ڈیڈی کو دیکھ رہا تھا، وہ شراب پی رہے تھے، اس رات ڈیڈی

ساڑھے بارہ بجے تک وہیں تھے۔شاید ڈرے ہوئے ہوں گے۔ میں یہی دیکھنا چاہتا تھا!............ ڈیڈ ڈر گئے۔ جو دوسروں کو ڈرتے دیکھ کر مزہ لیتا ہے، اسے ڈرتے دیکھ کر مزہ آیا۔ان کے ڈر سے سکون محسوس ہوا۔درد محسوس ہی نہیں ہوا!

'ڈرایا، اچھا ہوا!'

میں بھی چپ تھا، پتہ ہی نہیں کیا کہہ دیں!.................. میرا مقصد پورا ہو گیا تھا۔وہ مجھے ڈراتے، شراپ دیتے، گالیاں سناتے، مجھ سے جھگڑا کرتے تھے۔ بتا دیا، میں بھی یہ سب کر سکتا ہوں۔

مگر جب پورا ہوش میں آیا ڈیڈ کو 'ساری' بولا۔

''کیوں بولا؟ صحیح کیا۔''، ساحل کہتا ہے۔

''تو نے خود کشی کرنے کی کوشش کیوں کی؟............ میرے بارے میں ایک بار بھی نہیں سوچا تھا؟''، اسپتال میں مہک نے کہا۔وہ پورا وقت ساتھ رہتی تھی۔رات میں گھر جاتی تھی۔

نو دس دن اسپتال میں رہا۔مما دو تین دن میں ایک بار آتیں، بس شام میں ایک دو گھنٹے کے لیے!

☆ ایک اور بیٹا

ڈیڑھ سال بعد ڈیڈ کو بیٹا ہوا۔میرے علم میں تو دو بار ابارشن کروایا۔پتہ نہیں اس بار مینا نے ڈیڈی کو کیسے منا لیا۔

''ڈیڈ یہ زیادہ ہو گیا ہے، دو لڑکے ہیں نا!''

''جا رے!.............. تیرے جیسے ہزار پیدا کر سکتا ہوں!!!! پراپرٹی کی پڑی ہے کیا؟''

''مجھے نہیں چاہیے آپ کی پراپرٹی!''

''تو شادی کرے گا تو بچے نہیں ہوں گے؟''

''میں شادی نہیں کروں گا!...میرے حصے کی شادی بھی ڈیڈ آپ نے کر لی!''

''اب تجھے ایسا لگتا ہے۔ دیکھ لینا، بعد میں بولے گا شادی کرنا ہے!'' ساحل کہتا ہے۔

''جب ضرورت ہوگی دیکھوں گا! مگر لگتا نہیں کہ کروں گا!''

☆ تین شادیاں

سوچتا ہوں، ڈیڈ نے جو تین شادیاں کیں۔ ان تینوں میں مماثلت کیا ہے؟ سنا ہے، اکثر پہلی پسند جیسی ہی چیزیں پسند آتی ہیں! تینوں قد میں لگ بھگ ایک جیسی .... ہاں دوسری ذرا اونچی تھی۔ تینوں اپنی پسند کی، تینوں کے ساتھ جھگڑا! مینکا اور رینا دونوں لڑاکا ہیں۔ ڈیڈ مارتے تھے مگر .... مما کو اس طرح جھگڑتے میں نے نہیں دیکھا۔ جیسے یہ لوگ کرتی ہیں۔ دونوں منھ پر بول دیتیں، ہوشیار ہیں، دونوں کو ڈیڈ کا اتہاس معلوم ہے مگر ان کے ماضی سے انھیں کوئی سروکار نہیں، ہماری طرف ان کا دھیان ہی نہیں ہے۔ شاید ان کا نشانہ ڈیڈی کی جائیداد ہے۔ ورنہ کیوں آئیں... جانتے ہوئے!

''تو خود کو کیا سمجھتا ہے؟'' مینکا ڈیڈی سے اکثر کہتی تھی۔ یہی ماں کہتیں.. تو مار ڈالتے، ایسا انسان ان عورتوں کے سامنے ڈھیلا پڑ گیا!

☆ بارہویں پاس

بارہویں کا رزلٹ آیا تھا۔

''چل تیری ماں سے جھگڑا کر''، ڈیڈی بستر کھینچ کر مجھے اٹھا کر بولتے۔ اب میں اڑ جاتا۔

''جا حرامی! پینتالیس فیصد ہی نمبر لایا! کتنا پیسہ خرچ کیا میں نے تیرے پر! تو ماں جیسا ہی ہے۔''

''ہاں!''، میں گردن ہلا کر کہتا۔

''میرے پاس طاقت ہے، پیسہ ہے! نکل جا میرے گھر سے! تجھ جیسی اولاد

میری نہیں ہوسکتی!'' میری ''ہاں'' پر وہ طیش میں آجاتے ہیں۔ مجھے دھکا دیتے ہیں، پھر آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔

''میرا یہ قصور ہے کہ میں نے اپنا سو فیصد کبھی نہیں دیا۔ اچھا فیصد بھی نہیں دیا! پڑھائی کی طرف دھیان نہیں دیا۔ وجہ کون ہے؟.................. ماں باپ یا میں، یا ہم تینوں ہی؟......... چاہوں تو بہت کچھ کر سکتا ہوں مگر صرف پراگندہ ماضی کی وجہ سے کچھ نہیں کر سکتا۔ ہاں میرا دماغ الجھا ہے!''، میں ہمت کر کے ڈیڈی پر جھک کر کہہ دیتا ہوں، ''اس دوری کو کم کرنے کی کوشش کرتا ہوں.......... کرنے نہیں دیتے! جی کرتا ہے ماں باپ مجھے سہارا دیں!'' مگر ڈیڈی تو سو چکے ہیں!

ان کے خراٹے تیز سنائی دیتے ہیں!

☆ ٹی ایس چانکیہ

اگلے دن میں نے ضد کی تو ڈیڈ نے کہا تھا، ''تو نیوی میں نہیں جائے گا۔'' ''تیری حیثیت !!!!... ہائٹ، باڈی، چشمہ دیکھ!''

''ایک اچھا کالج ملا ہے۔ چلو چلو ایڈمیشن مل رہا ہے! آج آخری تاریخ ہے۔ جا کر دیکھ آتے ہیں!'' کہہ کر میں ڈیڈ کو ٹی ایس چانکیہ لے گیا تھا۔ انڈین نیوی نہ سہی، مرچنٹ نیوی سہی!

کالج نیرول سے پام بیچ جاتے ہوئے کھاڑی کے سامنے ہے۔ وہ پام بیچ روڈ سے لگا ہوا اور 'این آر آئی کامپلکس' کے پڑوس میں ہے۔ کالج کیا ہے کئی عمارتوں کا ایک گروپ ہے، ایک بڑا ادارہ ہے! پہلے میں اسے خود دیکھ آیا تھا۔ یہ انڈین نیوی کی تربیت گاہ ہے۔ یہاں سخت سیکورٹی ہے۔ انڈین نیوی کے نیلے رنگ کے جھنڈے میں دائیں طرف اوپر لنگر ہے۔ ایک کونے میں بھارت کا جھنڈا بنا ہے۔ ان بلڈنگوں میں کوئی سیمنار ہو رہا تھا۔ یہاں میں نے جہاز اور سب مرین کے ماڈل دیکھے۔ چارٹوں پر ان جہازوں کے اتہاس بھی دیکھے۔

''کہاں لایا؟''

میں اُن کا چہرا دیکھنے لگا۔

''تیرے لیے پہلے ہی اتنا پیسہ برباد کر چکا ہوں۔... اب نہیں کر سکتا۔''

ایک کوشش بھی کرنے نہیں دی!

کتنی تمنا تھی کہ پام بیچ روڈ پر کھاڑی کے بیچ ٹریننگ شپ چانکیہ میں پریکٹکل اور تھیوریٹیکل کیڈیٹ کی حیثیت سے ٹریننگ لیتا!

سوچتا ہوں ڈیڈ غلطی کرتے ہیں، اس کا احساس انھیں ہوتا ہے کہ نہیں! کبھی کبھی لگتا ہے کہ ہوتا ہے۔ مما کرتی ہیں احساس .... مگر مجھے ان کا طریقہ غلط لگتا ہے! وہ جس طرح سمجھانا چاہتی ہیں لگتا ہے جو امید کرتی ہیں ویسے نتیجے نہیں ملتے۔ شاید تب مل پاتے، جب میں چھوٹا تھا! تب شاید میں ان کے ہر حکم کی تکمیل کر پاتا۔ مما کے منھ سے نکلا ہر لفظ مجھے اپنے خلاف سازش سا لگتا لیکن ڈیڈی کی باتوں پر پتہ نہیں کیوں یقین کرتا ہوں۔

مما اور ڈیڈی کا خیال آتے ہی پتہ نہیں کیوں بچپن کے دن یاد آجاتے ہیں...... اور میں کھو سا جاتا ہوں۔ کچھ اچھی یادیں ہیں جن میں کھوئے رہنے میں کتنا مزہ آتا ہے! بچپن میں شیطانی کرنے کو، جھگڑا کرنے کو من کلبلاتا رہتا۔ ....دوسرے کے پاس اچھی چیز ہو تو مجھے حسد ہوتی تھی کہ اس کے پاس کیوں ہے!

☆ لال باغ کا راجا

جیسے پونا میں دگڑو سیٹھ حلوائی کی گنپتی کی مورتی مشہور ہے، ویسی ہی ممبئی کی سب سے بڑی گنپتی کی مورتی 'لال باغ کا راجا' ہے۔ مورتی اتنی بہترین ہوتی ہے کہ بس! اس کی ایک ایک چیز چُن چُن کر لائی جاتی ہے۔ جب مورتی راستے سے گذرتی ہے تو لگتا ہے کہ آدھی سے زیادہ ممبئی لال باغ میں موجود ہے! ہر خاص و عام کا بہت پسندیدہ ہے! اس میں ہر سال ڈیکوریشن کا مرکزی خیال الگ ہوتا ہے۔ لوگ دو دو دنوں تک درشن کے لیے قطار میں کھڑے رہتے ہیں۔ لاکھوں بلکہ کروڑوں کا چندہ اکٹھا ہوتا ہے!

گنپتی کے تیوہار میں ہماری بلڈنگ کے کمپاؤنڈ میں اسٹیج بنا ہوا تھا۔ ایک لڑکا ناچ

رہا تھا، اور اس طرح ناچ رہا تھا کہ سب جھوم رہے تھے۔ جلن محسوس ہوئی...... میں اچانک اسٹیج پر چڑھ کر تھرکنے لگا۔...... میں نے اس طرح ناچنا سیکھ لیا کہ پچاس روپے انعام میں ملے! شاید مما نے دیے تھے۔ حوصلہ افزائی کے لیے ایسا کیا ہوگا!

نویں تک یعنی پونا جانے تک یہ احساس دل میں چبھتا رہتا کہ دوسروں کے پاس سب کچھ ہے، میرے پاس نہیں! میرے پاس کھلونے کم تھے، سائیکل، فٹ بال اور کرکٹ کے سامان تو تھے لیکن مہنگے کھلونے مانگتا تو ڈیڈی منع کر دیتے تھے۔ ہاٹ وہیلس کی گاڑیاں، ریموٹ کنٹرول کاریں، دوربین، نئے کپڑے مانگنے پر نہیں ملتے تھے۔ مجھے لگتا کہ اُس نے لیا تو مجھے بھی ابھی لینا چاہیے۔ کالج جانے کے بعد میری سوچ بدل گئی!............ کسی سے گھلنا ملنا نہیں، بات نہیں کرنا، پورا کا پورا بدل گیا! اس بات پر میں نے پچھلے دنوں غور کیا!

☆ دو بڑے ڈر

ساتویں کلاس میں ڈیڈی کو چھوڑ کر جب مما کے پاس گیا تھا، اس وقت سارے دوست سی بی ڈی اور واشی میں چھوٹ گئے۔ ممبئی کے دوست گھلتے ملتے نہیں تھے۔ انھیں داداگیری میں دلچسپی تھی۔ کالج گیا، تو وہاں بھی ریگنگ بہت چلتی تھی۔

مگر اب میری زندگی کے دو بڑے ڈر تھے۔ پہلا ڈر ڈراپ لگنے کا............ یعنی امتحان میں فیل ہونے کا تھا۔ ساتویں، مما اور ڈیڈی کے جھگڑنے کا سال تھا۔ میں فیل ہو گیا .... بارہویں میں بھی ایک بار ڈراپ لگا۔ جب نیرول کے ڈی وائے پاٹل لاء کالج میں داخلہ لیا تو پہلے سال ہی ڈراپ لگ گیا۔ چھ میں سے تین پیپروں سے جان چھوٹی! دو برسوں میں تو فرسٹ ائیر سے باہر آ پایا۔ اب پانچ سال ہو گئے لاء جوائن کیے ہوئے! ساتھ والے فائنل ائیر میں چلے گئے۔ میں ابھی سیکنڈ ائیر میں ہوں۔

"کوالیفکیشن کیا ہے؟"، کسی نے پوچھ لیا تو چڑ جاتا ہوں۔

دوسرا ڈر ماں کا!

ایک دن میں چودھری کے گھر تھا۔ بچے ایک کمرے میں، دوسرے میں مما اور

چودھری۔ یہ جھونپڑ پٹی کا علاقہ تھا۔ رفع حاجت کے لیے باہر جانا پڑتا تھا۔ آدھی رات میں مما کو ایسی حالت میں دیکھا کہ غصہ آیا۔

میں پانی پینے کے لیے اندر کے کمرے میں گیا۔ مما اس کے سینے پر ہاتھ رکھے سو رہی تھیں۔ مجھے بے حد تکلیف ہوئی۔ بے حد غصہ آیا۔

اگلے دن مما کے پرس میں ایک چٹھی دیکھی۔ مراٹھی میں لکھا تھا۔

''تمھارے سوا میرا کوئی نہیں! تم ہی مجھے سمجھ سکتے ہو۔ میرے اپنے بیٹے بھی مجھے نہیں سمجھ پاتے۔ تمھارے سوا میری دنیا نہیں۔ تم نے میرا ساتھ دیا۔''

میرے دماغ میں لکیری بن کر رہ گئی!

چودھری کا تھانہ میں ایک فلیٹ ہے، جو اس نے کرائے پر دیا ہوا ہے اور خود جھونپڑے میں رہتا ہے۔ پچھلے دنوں اس نے کاموٹھے میں بھی فلیٹ خرید لیا مگر اسے بھی کرائے پر دے دیا ہے، چودھری کی ذہنیت اچھی نہیں۔ مما بھی ویسی ہی ہو گئیں، کیوں کہ ہر چیز جو وہ کہتی ہیں، مجھے بری لگتی ہے۔ برا لگتا... کہ کیوں ایسا کرتا ہوں! ایسا لگتا ہے کہ چودھری کے ساتھ رہ کر مما بھی اپنا اصلی وجود بھول گئی ہیں!............ بھول گئی ہیں کہ وہ کیا چاہتی ہیں!............ میں جانتا ہوں کہ مجھے کیا کرنا ہے؟ کیا صحیح ہے؟ کیا غلط ہے؟... میں سمجھتا ہوں،... لیکن پتہ نہیں کیوں میری گاڑی کہیں رک جاتی ہے۔ ویسے دیکھا جائے تو میں جانتا ہوں کہ پڑھائی کتنی ضروری ہے............ لیکن کچھ چیزیں دماغ میں اس طرح سے جم گئی ہیں کہ پڑھ نہیں پاتا۔ شاید یہ ایک بہانا لگے، مگر یہ سچ ہے۔

زندگی کبھی کبھی ایک کھیل سی محسوس ہوتی ہے مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ میں اُس سے کھیل رہا ہوں یا وہ مجھ سے....!

☆ کھیل

بچپن میں مما اور ڈیڈی کام پر جاتے تو ہم اپنی مرضی کے مالک ہوتے۔ ویڈیو

پارلر میں اک روپے کا سکہ ڈال کر ویڈیو گیمس کھیلتے ، اس کے لیے ڈیڈ کی جیب سے پیسے چُراتے۔ نکھل دادا نے اپنی سائیکل اسّی روپے میں بیچ دی۔ ہم پارلر میں پیسے اڑاتے۔ مزہ کرتے۔ پوری دنیا الگ ہو جاتی۔ دن بھر پارلر میں بیٹھے رہتے۔............''غلط ہے'' ....کبھی احساس بھی ہوتا............مگر گھر میں کوئی ہوتا تو شاید جاتے ہی نہیں!

''ویڈیو گیم دلا دیجئے نا!'' ....''مما سے کئی بار کہا۔

''نہیں!'' ....شاید ان کا خیال ہی صحیح ہو!

آج اُن حسرتوں کو پورا کرتا ہوں۔ کھلونے والی گن اور تین ہزار سات سو روپے کی چھرّے کی بلیٹ والی ائیر گن خریدی۔ رائفل مل جائے تو وہ بھی خرید لوں۔ اب ڈر ہے کہ اصلی گن مل جائے تو لے نہ لوں! اچھی بات ہے کہ بری بات! فرصت کے وقت ٹی وی پر گیم کھیلتے، کمپیوٹر پر فائٹنگ، ویڈ پینچر ......کاؤنٹر اسٹرائیک اور آرمی کے مشن گیمس کھیلتا ہوں۔ جب سے ہٹلر کو پڑھا ہے، تبھی سے یہ گیمس بڑے مزے دار لگتے ہیں۔

''بچے کا پہلا جنم دن ہے، تو آ رہا ہے؟'' کمپیوٹر پر کار گیمس کا خوب مزہ لے رہا تھا کہ ڈیڈی کا فون آیا۔

میں نے اُس کے لیے ریموٹ کنٹرول کار لی تھی۔............کاش ہم لوگوں کو بچپن میں یہ ملا ہوتا!............کاش آپ نے ہمارے لیے ایسا سوچا ہوتا، جیسا اُس کے لیے سوچتے ہیں! کبھی لگتا اس کا بھی وہی حال ہے، جو ہمارا تھا۔ جی چاہتا، کہہ دوں، ''کم سے کم اب اس بچے کے لیے تو ایسا سوچیے!''

پھر بھی مجھے ڈیڈی کی اس بات پر دکھ تو ہوتا ہے، غصہ نہیں آتا۔

☆ ڈیڈ پر غصہ

ڈیڈی پر مجھے ایک ہی بات پر غصہ آتا ہے کہ جب بھی ان کے پاس جاتا ہوں، وہ ماضی میں چلے جاتے ہیں اور اپنے پرانے دنوں میں مجھے بھی اپنے ساتھ شامل کر لیتے ہیں۔ جیسے کوئی پولیس والا پوچھے... بار بار............ڈیڈ سے الٹی بات نہیں کر سکتا جیسے مما سے کرتا

ہوں۔ ڈیڈی کی طرف سے لگا تار سوال آتے رہتے ہیں۔ مجھے بھی عادت پڑ گئی ہے۔ دس بارہ سال گذر گئے! ڈیڈی کا مما سے رشتہ نہیں ہے، پھر بھی پوچھتے ہیں!

''تیری ماں کہاں رہتی ہے؟''

☆ نکھل دادا اور ڈیڈ

نکھل اور ڈیڈ میں ان بن ہے۔

''ڈیڈ سے پنگا مت لے!''، میں نے اسے کتنی بار سمجھایا۔

''ڈیڈ کی مار سے دل میں خوف بیٹھ گیا ہے!''

اس کی نظر میں ڈیڈ کا مطلب ظالم انسان! ڈیڈ نے کبھی فون کیا، تبھی بات کرتا تھا۔ آپا کھویا تو اب بھی گالیاں کھاتا ہے۔

☆ ڈیڈ کے بھائی بہن

ڈیڈ کے چار بھائی اور ایک بہن ہیں۔ سب سے بڑے بھائی اپا کہیں غائب ہو گئے۔ ان کی بیوی یعنی نیما چاچی کو کسی نے سہارا نہیں دیا۔ ممبئی میں مہالکشمی علاقے کے ہیرا پنا اپارٹمنٹ میں کسی کے گھر کام کرتی تھیں۔ دونوں بچے پونا میں پڑھتے تھے۔ اب بڑے کی شادی ہو چکی ہے۔ آج کل وہ کہاں رہتے ہیں، مجھے پتہ نہیں!

دوسرے بھائی سمبھا جی ان پڑھ ہیں۔ گاؤں میں رہتے ہیں۔ گاؤں میں ستیہ نارائن کی پوجا میں انھیں کے یہاں پورا خاندان جمع ہوتا تھا۔ ان کے تین بچے ہیں، بڑی گھٹیا اور چالو فیملی ہے، دوسروں کے سکھ میں آگ لگانے والے! اکثر ہمارے واشی کے گھر آیا کرتے۔

''تیری بائیکو ٹائم پر کھانا نہیں بناتی؟''

''کھانا اچھا نہیں!''

''کسی کام میں دھیان نہیں دیتی!''

''تمھارے بارے میں کیا بولتی ہے پتہ ہے؟ کہتی ہے......''

مما اور ڈیڈی میں جھگڑا لگانا، مما کو مار ڈانٹ کھلانا ان کے لیے کھیل ہے۔ ان کا بڑا بیٹا کہاں بھاگ گیا، کچھ خبر نہیں کہاں! یہ سُبھاؤ میں ان سب سے اچھا تھا۔ بیٹی سنیتا نے شوہر پر 498 کا مقدمہ کر دیا تھا۔ اس کا رہن سہن کیسا ہے، جانتا ہوں۔ میں خود کو کبھی کبھی کوستا کہ ان کے گھر پیدا ہوا۔ سمبھا جی چاچا سیکورٹی گارڈ تھے۔ کھانا کھالینا اور کہنا کہ ''کھانا نہیں بنا'' سامان اُٹھا کر چھپا لینا اور کہنا کہ، ''ہم نے نہیں لیا!'' ان کی عادت ہے۔ گاؤں میں بھی ان کا نام خراب ہے۔

تیسرے بھائی نام دیو، دو شادیاں کر چکے ہیں۔ پہلی بیوی مر گئی اور دوسری بیوی کی، ان کے تین بچوں سے نہیں بنی۔ چھوڑ کر چلی گئی۔ نامدیو چاچا کے دونوں بیٹے پیتے ہیں۔............ان کا چھوٹا بیٹا سنجے ٹرک ڈرائیور ہے اور بڑے بیٹے وجے کو ڈیڈی ساتھ لے آئے۔ اس کے ساتھ ڈیڈی نے لوہے کے گرل جالیاں بنانے کا سائڈ بزنس شروع کیا تھا۔ سوچتا ہوں کہ وہ میرے بارے میں نہیں سوچتے، میں کیوں سوچوں ان کے بارے میں؟

☆ ٹیکنو کلاسس

ڈیڈی نے واشی کے پاس جوہو گاؤں کی دوکان میں 'واشی ٹیکنیکل کلاسیس' شروع کیں، اس وقت انجینئرنگ کی ٹیوشن کلاسیس کھولنے کا کریز تھا۔ تب میں دس سال کا تھا۔ نئی ممبئی میں کئی انجینئرنگ کالج کھُل گئے تھے۔ ڈیڈی کی کلاسیں نہیں چلیں۔ بند کیا۔ اس کے بعد 'جیتو فیبریکیشن' کھولا۔ تب ڈیڈی کا نام اچھا تھا۔ وہ ہمارے سماج کی اکھل بھارتیہ یونٹ کے سکریٹری تھے۔ ان کی کافی لوگوں سے پہچان تھی۔ پاپا کے وکیل دوست، واشی کے اے پی ایم سی مارکیٹ کا کرانہ بزنس کا بوڑھا ایجنٹ اور بہت سے لوگ 'جیتو فیبریکیشن' کے افتتاح پر پریوار کے ساتھ آئے تھے! سب کے گھر بسے ہوئے ہیں۔ صرف ہمارا ہی نہیں ہے۔ اب وہ دوکان مما کے نام پر ہوئی ہے، کورٹ سے کروایا ہے۔

☆ نیرول کے ایورسٹ میں 50x50 کے گھر

''کس کی اجازت سے یہاں رہنے آئے؟ یہ گھر خالی کردو! ہمیں رہنا ہے!''، نیرول کی ایورسٹ سوسائٹی میں پچاس بائی پچاس کے گھر، ایک دن مما اچانک حصہ لینے آگئیں۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا! نکھل اور ڈیڈ میری طرف دیکھ رہے تھے۔ میں بالکل چپ تھا۔

''لے کر آ چودھری کو... نہیں تو لے کر چل مجھے اس کے پاس! دیکھتا ہوں کیا بگاڑ لے گا وہ میرا!''، ڈیڈی نکھل سے بولے۔

''ہاں لے آؤں گا۔........ چپ بیٹھو!''، ڈیڈ نکھل کو مارنے گئے۔

''ہاتھ مت لگانا!'' نکھل نے ڈیڈ سے کہا۔ ڈیڈ نے اسے گندی سی گالی دی۔

دونوں طرف سے چیخ پکار ہونے لگی۔

''دادا چپ بیٹھو!''، میں کسی طرح یہ سب بند کروانا چاہتا تھا۔

''تیرے ڈیڈی کو، تیرے سامنے وہ ایسا بول رہا ہے، تیرا باپ نہیں ہوں کیا میں؟'' ڈیڈی مجھ پر بھڑکے۔ مجھے مما اور نکھل پر غصہ آرہا تھا۔ مجھ پر کیا اثر ہوگا انھوں نے سوچا نہیں! میں ڈیڈ کے ساتھ رہتا ہوں نا! وہ مجھے اذیت دیں گے، جو انھوں نے بعد میں کیا .... ٹھیک نہیں کیا۔

ڈیڈ کی کمزوری تھی کہ ماضی میں چلے جاتے، پرانی زندگی میں پہنچ جاتے! شاید انھیں میری شکل دیکھ کر مما کی شکل یاد آتی ہو!........ مگر یاد کر کے کیا فائدہ!

☆ طلاق

ڈیڈ شراب پی کر آئے۔ بہت سی گالیاں دیں، ''ابے........! تیری وجہ سے ڈیورس ہوا!''

''تیری ماں نے تجھ سے لیٹر لکھوایا تھا نا کہ میں مینکا کے گھر رہتا ہوں! تیرا وہ لیٹر بہت کام آیا! طلاق ہوگیا!''، وہ ذرا سا سانس لے کر پھر کہتے، ''میں اُسے طلاق دینا نہیں چاہتا

تھانا ہے!''

مجھے نفرت ہوتی ہے ان لوگوں سے جو کہتے کچھ ہیں............ کرتے کچھ ہیں! دماغ میں کچھ، دل میں کچھ اور زبان پر کچھ اور ہی! ڈیڈ پریشان نہیں تھے مگر ان کی آنکھوں میں دوسروں کو تکلیف دینے کا جذبہ دکھائی دیتا تھا۔ شاید وہ پلان کر کے آئے تھے کہ اذیت دوں گا!

میں چادر اوڑھ کر سو جاتا وہ اسے کھینچتے۔ مجھے ڈر لگتا وہ چلاتے، ''تو حرامی ہے! سوّر ہے تو............ تیری جیسی اولاد نہ ہو تو اچھا!''

''تیرے جیسے ہزار بچے پیدا کر سکتا ہوں!'' وہ سینہ ٹھونک کر بولتے، ''تیرے جیسوں کی مجھے ضرورت نہیں!'' یہ ان دنوں کی بات ہے۔ جب ان کے دو بچے اور ہو چکے تھے دو اور بیویوں سے...اور میں عمر کی بیسویں سیڑھی پر قدم رکھ چکا تھا۔

دراصل مما کو چھوڑ کر جانے کے بعد ڈیڈی کے گھر ڈیڈی کا رویہ بدل گیا تھا۔ پہلے اور بات تھی۔ یقیناً وہ میرے بارے میں سوچتے تھے۔ انھیں مجھ پر بھروسہ تھا۔ میرے انھیں چھوڑ کر جانے کے بعد زیادہ ٹارچر کرنے لگے۔

''تو اپنی ماں کی طرح ہے!''

''تجھے چودھری چلتا ہے۔ تو اس کے ساتھ رہتا ہے!''

''تو اُدھر جا کر اِدھر کا بولتا ہے!''

''تو مطلبی ہے!''

''دونوں طرف سے ڈھول بجاتا ہے!''

وہ ایسا اس لیے کہتے کہ انھیں اندازہ ہو جاتا تھا کہ میں مما کے پاس گیا تھا۔

''مما کے پاس گیا تھا؟''، آخر وہ پوچھ ہی لیتے۔

''گیا تھا!''

''کیا بول رہی تھی؟''

''چیمبور یلا رہی تھیں۔''

''اور جا، ماں ہے نا تیری! یہاں سے نہیں ملے گا تو وہاں سے ملے گا!''

بھکاری سا محسوس کرتا ہوں۔ لات مار کر دوسری طرف اڑا دو! شاید میں نشانہ تھا جس کے کندھے پر بندوق رکھ کر وہ ایک دوسرے پر داغتے تھے!

سمجھتا ہوں ڈیڈ کو مینٹینیس بچانا تھا .... مجھے رکھا! اکیس سال تک انھیں مینٹیننس بھرنا نہیں پڑتا! نکھل کا بھتہ تو اس کے اکیس سال کا ہونے تک دیتے تھے۔

کسی کو میری ضرورت نہیں... مگر رانی...!!!

☆ رانی

''آئی لائک یو!''، رانی نام کی ایک لڑکی پاس آ کر بولی تھی تب میں نویں میں تھا۔ اس دن دسویں والوں کو ہم نویں والوں نے سینڈ آف دیا تھا ایک پل کو میری سمجھ میں بالکل نہ آیا کہ یہ کیا ہو رہا تھا!

''آئی لو یو............!''، وہ دوبارہ بولی۔

''دماغ ٹھیک ہے؟''، میں اکھڑ گیا! ایسا اچانک تھوڑے ہی ہوتا ہے! میں تو تمھیں جانتا تک نہیں!''

''میں تو تمھیں جانتی ہوں!''

''کیسے جانتی ہو؟''

''تم جب امتحان کے لیے بیٹھے تھے نا...... پچھلی سیٹ پر میں تھی!''

مجھے یاد آیا، پریلمس کے لیے نویں اور دسویں کے بچوں کو ایک ایک قطار میں بٹھاتے ہیں۔

''اکیلے کیسے رہتا ہے؟'' یاد آیا، پیچھے بیٹھے ہوئے دوست نے مجھ سے پوچھا تھا۔

''کھانا بنایا، کپڑے دھوئے............ پڑھائی بھی کی؟''، دوست نے تعجب کیا تھا۔

رانی کو لگا ہوگا اکیلے کھانا بنا تا ہوں۔ کپڑے دھوتا ہوں، بس اتنے سے عاشق ہو گئی!

''تمھیں کچھ پتہ نہیں۔ میری گرل فرینڈ ہے!''

وہ اصرار کرنے لگی سوچا اسکول کے آخری دن ہی تو ملی ہے اب کون ملتا ہے اس نے میرا فون نمبر لے لیا، میں نے سوچا کبھی فون نہیں کرے گی۔

سینڈ آف کے بعد رات کو دادر پہنچا تھا۔ رات کے دس بج رہے تھے۔

"کسی رانی کا فون آیا تھا!"، ممی نے کہا............رانی نے گھر جاتے ہی دادر کے یعنی نانی کے گھر فون کر دیا تھا۔

"کیا بولی؟"

"زیادہ کچھ بولی نہیں۔"

"نہیں نا!"

رانی دادر اسٹیشن کے سامنے سوامی نارائن مندر میں سنیچر اور اتوار کو آتی تھی۔

"سٹیرڈے، سنڈے فری ہو............تو ملتی ہوں"، دوسرے دن اس نے پھر فون کیا۔

"ابھی بزی ہوں"، میں نے ٹالا۔

دو ہفتوں تک اسے ٹرخایا مگر..................!

"دادر آئی ہوں، کہاں رہتے ہو؟ پتہ بتاؤ، آتی ہوں!"، رانی نے فون کیا کیا، دھمکی دے ڈالی۔

"نہیں، میں آتا ہوں!"

"مجھ سے بچنے کی کوشش کر رہے ہو؟ ذہن میں کیا ہے تمھارے؟"، میں مندر میں اس کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔

"میری ایک گرل فرینڈ ہے!" میں نے اسے سمجھایا۔

"نہیں ہو سکتا، ورنہ ہم ایسے نہیں مل سکتے تھے۔"

"..................."

"تم کچھ مت کرو میں آؤں گی، ٹائم ہو تو ملنا، مجھے تم اچھے لگتے ہو۔" میں اس کا

چہرہ دیکھ رہا تھا اس کے جذبات کیسے ہیں! .... سچے یا پھر کشش تھی .... مگر ہر سنیچر، اتوار وہ اپنی پڑوسن کے ساتھ آتی ضرور تھی۔

ایک دن رانی نے مجھے واشی بلایا۔ میں پورا دن ساحل کے ساتھ گھومتا رہا۔ رات ساڑھے سات بجے بس ڈپو کو لگے ہوئے گارڈن میں اس سے ملا۔ اس نے مجھے گلاب کا پھول دیا اور بیچ پر لے گئی۔

''دیکھو میں تمھیں اور برداشت نہیں کر سکتا۔'' وہاں پہنچتے ہی میں نے اس کے منہ پر بول دیا'' میں وقت گذار رہا تھا .... کیوں کہ تم چاہتی تھیں'' فیصلہ کر کے آیا تھا، آج بول ہی دیا۔ وہ رو رہی تھی۔

''رومت یار، لوگ دیکھ رہے ہیں!'' میں جذباتی ہو گیا۔

''پہلے ہی بتا دیتے .... اسی بھاشا میں .... تو میں سمجھ جاتی .... دیکھو جو انسان تم سے پیار کرتا ہو، اس کا دل دکھانا نہیں چاہیے۔''

میں گلاب لے کر وہاں سے چلا آیا، سوچا،

'کیا کرے گی یہ لڑکی ؟.... کہیں کچھ ....!'' ....میں کیوں سوچ رہا ہوں؟'' آل ریڈی شلپی ہے نا میرے لیے!''، شلپی کا بغیر پڑھا خط آنکھوں کے آگے لہرانے لگا۔ گلاب کی پنکھڑیاں الگ کر دیں اور انھیں دونوں ہاتھوں سے زور سے اُچھال کر پھینک دیا۔ میں اُن دنوں شلپی کے لیے خیالی پلاؤ پکایا کرتا تھا۔

پھر رانی کبھی نہیں ملی یعنی ایسے نہیں ملی۔ .... راستے میں ملی ضرور۔ پانچ دس منٹ بات کی۔

میں بائیک سے جا رہا تھا۔ ہاتھ دکھایا، رکایا۔

''میری شادی طے ہوئی ہے!''، رانی نے اطلاع دی تھی۔

''سچ! کہاں جانے والی ہو؟ کہاں کا لڑکا ہے؟!''

''گجرات کا ہے ....!''

''تیری مام کیسی ہیں؟ .... کیسے چل رہا ہے؟'' وہ مسکرا رہی تھی۔ پھر وہ چلی گئی

پھر کبھی نہیں ملی۔

☆ دسویں کی چھٹیاں

اُن دنوں میں بڑا آدرش پسند تھا۔ کسی سے گھلتا ملتا نہیں تھا، صرف کتابوں سے دوستی کرتا۔ کتابوں کی زندگی جیتا۔ میری عمر کے دوسرے لڑکے دادا گیری کرتے، باہر کی زندگی کا مزا لیتے، کسی نے بڑی آواز سے بات کی تو آستین چڑھا کر آجاتے۔

میری سوچ کیسی تھی! کہہ نہیں سکتا۔

شِلپی چھوڑ کر گئی، تب سے یعنی دسویں کی چھٹی سے گھر رہ کر پڑھتا رہتا۔

''..........ساری لڑکیاں ایک جیسی ہوتی ہیں آتی ہیں۔ اپنا مطلب دیکھتی ہیں ....کچھ نہیں ملا تو چلی جاتی ہیں!'' اس طرح کی سوچ بن گئی تھی لڑکیوں سے چڑتا تھا۔

دادر سے ڈیڈ کے پاس سی بی ڈی لوٹ آیا تھا! ساحل، ششانت، سدلیش، دوست تھے! ساحل کو چھوڑ کر باقی سب من موجی تھے! عیاش رویہ تھا سب کا۔ میں خود کو ان لوگوں میں ضم نہیں کر پا رہا تھا۔ پھر بھی دوست تھے۔ موج مزہ کرتے، سڑک کنارے کٹے پر بیٹھتے۔

''چلو لڑکیاں دیکھنے جاتے ہیں!''، وہ کہتے .... لڑکیوں کو دیکھ کر فلمی گیت گاتے۔

''آج کوئی مینا دِکھائی دیتی ہے کہ نہیں؟''

''وہ دیکھ آئیٹم!'' ساحل بھی کچھ کچھ ویسے ہی کرنے لگا تھا۔

☆ ڈانس بار

لڑکے ڈانس بار جاتے تھے۔ بڑی گھٹن آئی دروازہ کھولتے ہی ڈسکو لائٹ آنکھوں میں چمکی۔ اندھیرے میں دھیمی لائٹ سے دھندلا دکھائی دے رہا تھا۔ بیچ بیچ میں تیز فلیش لائٹ بھی ڈالی جا رہی تھی۔ بڑے سے ہال میں بھیڑ اور بے خوف آوازیں! بار میں داخل ہوتے ہی بڑا سا ہال، دونوں طرف سیٹیں اور ٹیبل، بیچ میں اجالا اور خالی جگہ ناچنے

کے لیے۔ لوگ بیٹھے ڈرنکس لے رہے تھے۔ یہ میوزک زون تھا۔ لڑکیاں سامنے کھڑی تھیں۔ ہم سب اندر گئے۔

''ساتھ رہ۔''، میں نے ساحل کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

''چلو!'' ایک لڑکی نے مجھے چھو کر کہا۔

ہم نے بیئر کا آرڈر دیا۔ سندلیش لڑکیوں کے ساتھ چھما چھم ناچ رہا تھا۔ ہمیں بھی بلا رہا تھا۔

ساحل نے ٹیبل پر گڈی رکھ کر ایک نوٹ دکھایا۔ بار گرل پاس آ کر بیٹھ گئی اور نوٹ لے گئی۔ اس طرح ڈھیرے ڈھیرے پیسے ختم ہوتے گئے۔

''دس دس کی گڈیاں کیوں؟ سو کی کیوں نہیں؟ بھکاری ہے کیا؟''، میں نے طنز سے کہا۔

''ایسے کم جائیں گی۔ سو کی ہونگی تو بہت جائیں گی۔'' ساحل نے سمجھایا۔

''دیکھا! یہاں پیسہ دکھایا تو لڑکی پاس آتی ہے............ بیٹھتی ہے۔''

لڑکی پاس آتی تو وہ اس کی بانہوں پر ہاتھ پھیرتے! بیئر منگواتے۔

''چلو، چلیں!'' پینے سے پہلے ہی میں بولا تھا، ''یہاں تو ٹھیک سے کھڑے رہنے کو بھی جگہ نہیں۔''

پندرہ منٹ بعد میں باہر نکل آیا۔ سیدھے گھر چلا آیا۔

وہاں میرے لیے اس سے زیادہ وقت گذارنا مشکل تھا۔

''چھی! کہاں آ گیا۔ لڑکیاں گھورتی ہیں! لڑکوں کو گھورنا چاہیے کہ لڑکیوں کو؟''

اس دن کے بعد وہ سب اگلے دو مہینے روز وہاں جاتے رہے۔ سارا پیسہ ساحل کا تھا۔

''میرے ڈیڈ کا ایکسیڈنٹ کیس تھا، معاوضہ ملا ہے۔'' ساحل کہتا تھا، ''ممی اور بھائی کو بھی ڈیڑھ ڈیڑھ لاکھ ملے ہیں۔'' ساحل نے چالیس ہزار اڑا دیے ہمیں تو پتہ تک نہیں تھا۔ کہاں بتایا تھا! وہ دوبارہ اور میرے پیچھے لگا۔ بولا،

''چل'' ساحل کی ضد پر میں وہاں دوبارہ اور گیا مگر فوراً واپس آ گیا۔ میں لیڈیز

بارگل تین بار ہی گیا ہوں۔ پہلی بار پندرہ منٹ، پھر بیس منٹ.. پھر ایک گھنٹہ۔بس سگریٹ اور تھوڑی سی دارو پی..ایک پیگ سے زیادہ نہیں...اور لوٹا۔بس اتنا ہی۔

کچھ لوگ ایسی گھناؤنی حرکتیں کر رہے تھے کہ بس... بار میں روم بھی دیتے تھے۔ دلال وغیرہ تھے، جو بھی چاہتا، اسے روم دِلاتے۔لڑکی کے ایجنٹ سے ہی بات کرتے۔

''یہ روم ہے۔......وہ روم ہے۔......''کونے میں کھڑا ایجنٹ کہہ رہا تھا۔

لت پڑ جاتی ہے۔مجھ کو تو بار کوئی خاص جگہ نہیں لگی مگر دوست کہتے کہ''کیا مزہ آتا ہے یار!''

''مجھے بھی بہت چاؤ تھا اسے دیکھنے کا......مگر حقیقت الگ ہے۔وہ لڑکیاں کیسی لگتی ہیں، بتا نہیں سکتا! گھن آتی ہے... گٹکا، پان، دارو............ایسی لڑکیوں کے ساتھ کوئی ایسے کیسے رہ سکتا ہے۔مجھے تو ایڈس کا اشتہار لگتی ہیں۔''

''......تُو ایسا ہے؟''

''......تُو ایسا ہے۔''

''....کمزور ہے۔''......وہاں چپ بیٹھتا تو دوست کہتے۔اکساتے کہ''خود نہیں سمجھتا تو جیسے ہم کرتے ہیں ویسے کرنا!''اس بار کا نام''ٹائیٹینک بار''تھا۔اس علاقے کا یہ پہلا ڈانس بار تھا۔اب سنا ہے سب بند ہو گئے۔آر آر پاٹل نے بند کروا دیا۔

پتہ چلا ساحل کے گھر تماشہ کھڑا ہو گیا۔وہ سویرے سے غائب تھا، گھر سے جھگڑا کر کے نکلا تھا۔

ساحل بہت چھوٹا تھا جب اس کے ڈیڈی ایک حادثہ میں گزر رے تھے۔مما کے ساتھ رہنے والے دنوں میں میرے اور ساحل کے بیچ دوری رہی مگر ہم پھر ساتھ آ گئے۔اس بار تبدیلیاں دیکھیں کہ اس کی ماں نے پرائیویٹ جاسوس وِشنو سے دوسری شادی کر لی تھی۔ وِشنو اس کے گھر رہتا تھا............وہ تھرڈ کلاس آدمی!

سوچتا ہوں ساحل کو بھی ایک بڑا بھائی ہے،اس لیے ہم دونوں کی ذہنیت ایک جیسی ہے۔

اُس دوپہر میں ساحل کے گھر گیا۔وِشنو نے ہی مجھے بلوایا تھا۔وِشنو نے مجھے خوب

پیٹا، بولا،

''میرے بیٹے کو تو نے بگاڑا ہے!''

''باپ ایسا! .... تو بھی ایسا!'' ساحل کی ماں چپ بیٹھی تھیں۔

پتہ تھا کہ ماں باپ کا بیک اپ ہوتا، ڈیڈ ساتھ ہوتے یا وہ عام آدمیوں جیسے ہوتے .... تو وشنو کا ہاتھ اکھاڑ کر پھینک دیتے .... ڈیڈ سے کہا نہیں .... کہ اس نے مجھے چپل سے مارا تھا، سر سوج گیا تھا، میں چپ چاپ مار کھا رہا تھا۔

''مجھے کچھ نہیں پتہ، صرف ایک بار گیا تھا، پھر نہیں گیا!''، میں کہتا رہا۔

''تو نے ہمارے ساحل کو سگریٹ پینا سکھایا!''

اصل میں سُشانت ساحل کو لے جاتا تھا۔ بعد میں آپسی بات چیت سے وشنو کو پتہ چل گیا۔ پھر بھی وہ چپ رہا۔ اس کو میری موجودگی کھٹکتی تھی۔

''تیری میری دوستی ختم!'' میں نے ساحل کو فون کیا: ''مجھے کال مت کرنا۔ پیسہ خرچ کرے تُو، مار کھاؤں میں! .... ابھی کے ابھی آ۔''

''ساری یار!'' شام کو ساحل گھر آیا۔

''اب تیرے 'ساری' بولنے سے فائدہ کیا؟ عزت تو گئی .... آئے گی نہیں''

ساحل کئی بار کہتا، ''گھر آ جا یار! ممی ساری بولتی ہیں۔''

''وہ شاک میں تھیں یار! اچانک سُن ہو گئی تھیں۔''

اب بھی میں ساحل کی ماں سے پوری طرح گھل مل نہیں پاتا۔ اب بھی ساحل کے بہت سے دوست ہیں۔

''ہزار بار بولا، سُشانت کے پاس مت جا! اس کی وجہ سے میں نے مار کھائی .... بھول جاتا ہے؟''

''نہیں یار، وہ فورس کرتا ہے!''

''اور تو دب جاتا ہے؟''

ایسا فرینڈ سرکل تھا ہمارا!

سب سے طوفانی اور سب سے بڑی غلطی مہک

غلطی کی سزا بھی تو ملنی چاہیے۔

میں نے ڈی وائی پاٹل کالج جوائن کیا۔ بچپن سے جب کبھی اس کالج کو اتنے بڑے علاقے میں کھڑا دیکھتا، اچھا لگتا۔ یہاں میڈیکل، ڈینٹل اور لاء کالج بھی کھل گئے تھے۔ ۲۰۰۲ء میں لاء کالج کھلا تھا۔ اسمبلی ہال میں پرنسپل نے کہا،

"میں ایک کہانی سناتی ہوں، دھیان سے سنو اور اپنا اچھا برا سوچ لو۔ ایک وکیل کا بیٹا، نیا نیا لاء پڑھ کر باپ کے پاس آیا، بولا،

"آپ کے ساتھ، آپ کے ماتحت کام کروں گا اور کامیابی کے گُر سیکھوں گا"

"تم یہ کیس لے لو، اسے میں پچھلے پندرہ برسوں سے کر رہا ہوں"

باپ نے اسے کیس دے دیا۔ بیٹے کے سر پر دھن سوار تھی۔ سوچا باپ کا اعتبار جلدی حاصل کرلوں۔ مہینے بھر میں کیس حل کرلیا۔ باپ سے بولا، "جس کیس کو حل کرنے میں آپ نے پندرہ سال لگائے، اسے میں نے ایک مہینے میں حل کرلیا"

"تجھ جیسا بے وقوف میں نے نہیں دیکھا!"، باپ نے کہا۔

"کیوں پتاجی؟"

"میں نے تجھے زندگی بھر کی کمائی دی، تو نے ایک مہینے میں خرچ کی۔"

اتنا کہہ کر پرنسپل ذرا رکیں، پھر بولیں، "......یہ لاء ہے!......اس واقعہ کو جیسا لینا چاہیں، ویسے لیں۔ اپنا فائدہ دیکھیں تو بھی پیسہ کما سکتے ہو اور اچھے کارن سے جائیں تو بھی کما سکتے ہیں"

یہاں کا کیمپس بہت بڑا تھا۔ آج جہاں اسٹیڈم بن گیا ہے، اُس وقت وہ جگہ پوری خالی تھی۔ اسٹیڈم ۲۰۰۴ء یا ۲۰۰۵ میں بننا شروع ہوا۔

یہاں کلاس روم بڑے بڑے ہیں۔ بہت ساری بینچ ہیں۔ جگہ زیادہ ہونے سے

لگتا ہے، اسٹوڈنٹس کم ہیں۔ اسٹیج پر باکس مائیک ہے۔ ڈائس ہے اور سامنے بیٹھنے کا انتظام۔ اسٹیج کے آگے زمین سے دھیرے دھیرے اونچی ہوتی ہوئی لگ بھگ تیس فٹ اونچائی پر جاتی ہیں۔ بیسمنٹ میں کینٹین ہے، جوفٹ بال کے میدان جیسی بڑی سی دکھائی دیتی ہے۔ آدھے حصے میں رسوئی ہے، باقی میں بیٹھنے کے لیے ٹیبل اور بینچ، درمیان میں داخلے کی جگہ ہے۔ بڑا سا صدر دروازہ ہے۔ سیڑھی سے نیچے کینٹین کی طرف بڑھتے ہیں تو وہاں بھی کلاس روم ہیں۔

نیرول کے اس ڈی وائی پاٹل کالج میں میرا پہلا دن تھا۔ میں آخری بینچ پر کھڑکی کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ سب نے محسوس کیا۔ آس پاس کوئی نہیں تھا۔

............پچھلے دنوں ایک پروفیسر کو فون کیا، کالج کا ٹیوشن لگانا تھا۔

''تو وہی جیتو ہے نا! جو اکیلا بیٹھتا تھا؟''، انھوں نے مجھے یوں پہچانا!

☆ مہک سے پہلی ملاقات!

اگلے دن کچھ لڑکے بات کرنے کے لیے پاس آئے۔ بولے،

''ارے یار، گروپ میں کوئی لڑکی تو ہونی چاہیے...........!''

''چل!! یہ بھی کیا پرابلم ہے؟''

''یہاں مزہ نہیں!''

لڑکیوں کے پیچھے بیٹھ کر میرے گروپ کے لڑکے تبصرے کرتے۔ سر کی ایک حرکت غلط ہوئی تو ہم لطیفہ بنا کر ہنستے۔ لڑکیاں پیچھے نہیں دیکھتیں مگر ہنستیں۔ ہم سمجھ جاتے، ہمارے مذاق کا مزہ لے رہی ہیں اور خوش ہو لیتے!

سنا تھا، لاجک مضمون بیزاری والا تھا۔ ہم کیفے ٹیریا میں گئے۔ آنند وہاں پہلے سے ہی بیٹھا ہوا تھا۔

''پلیز بیٹھو!'' مہک اور دیپتی آئیں تو آنند نے کہا۔ ''اپنی ہی کلاس کی ہیں یہ''

''کہاں سے آئے ہو؟''

''کیا شوق ہیں؟''

''کالج میں کون دوست ہیں؟''، دونوں پوچھتی ہیں۔

پتہ ہی نہیں چلا اُن سے کب پہچان ہوئی! ہم کالج میں پہلی بار ملے تھے۔

مہک دیکھنے میں ایک عام سی لڑکی تھی۔ کمر تک کٹے بال، صاف سانولے چہرے پر بڑی بڑی آنکھیں، کھڑی برہمنوں جیسی ناک، بھوری آنکھیں! دوپٹی کے ساتھ رہتی۔

دھیرے دھیرے سب اپنے قریب بیٹھے ہوئے دوستوں میں مگن ہو گئے۔ مہک میرے قریب بیٹھی ہوئی تھی۔ مجھے اپنی طرف دیکھتا دیکھ کر اس نے دھیرے سے سوال پوچھا۔

''کیا کرتے ہو؟ کہاں رہتے ہو؟'' میں نے مما اور ڈیڈ کا قصہ، سب کچھ بتا دیا۔ کبھی سوچا ہی نہیں کہ کوئی فائدہ اٹھا سکتا ہے! شاید میں کبھی نہیں چھپا سکتا! پتہ نہیں کیوں کئی لوگوں کو بتا دیتا۔ پوچھتے ہی شروع ہو جاتا!

مہک پوچھتی گئی، میں بتاتا گیا۔ کیوں کہ میرے لیے درد بانٹنے کو کوئی نہیں تھا۔ تفصیل سے بتایا۔

''ممی کے ساتھ رہا کرو!'' مہک نے صلاح دینی شروع کی۔

''نہیں ہو سکتا!''

اُن دنوں میں ڈیڈی کے ساتھ نیرول کے ایورسٹ اپارٹمنٹ میں رہتا تھا۔ یہ ان کی تیسری شادی سے پہلے کی بات ہے۔

''ماں باپ ہیں، خون۔ خون ہی ہوتا ہے!''

''شاید!''

''شاید وہ الگ سوچتے ہوں............ان کے پرابلم سمجھو۔''

''وہ ہی تو پرابلم ہیں۔''

''پڑھائی میں دل لگاؤ۔''

''نہیں لگتا۔''

''شاید تم ترس رہے ہو پیار کو! کیوں نہ دوست بن جائیں!''

لگا کہ یہ اچھی لڑکی ہے۔شاید پیار کرنے لگا ہوں!

''آئی وانٹ ٹو بی ان یُور لائف!...''، وہ بولی۔

میں نے ''ہاں!'' کہا۔

''لڑکیاں پھنس گئیں!'' واپسی میں آنند بولا، ''کوئی پٹ گئی کیا؟''

''کیا کرے گا پھنسا کر؟'' میں نے پوچھا۔

''کالج میں ٹائم تو پاس ہونا چاہیے!''

''وہ کیا مشکل ہے؟ کتنا ٹائم لگتا ہے پٹانے کو!......'' میں کہتا ہوں، ''سنجیدہ ہے؟ شادی کرے گا کیا؟''

''پاگل ہو گیا ہے کیا؟ سی ری اُس کون ہوتا ہے؟''

''اور گلے پڑ گئی تو!'' میں حیران ہوا۔

''دیکھا جائے گا، گلے پڑنے کی نوبت ہی نہیں آنے دینے کا!''

''ایک دِن لڑکی چُورن دے جائے گی!''

''آج کل کی لڑکیاں ایسی نہیں کہ تیرے چونا لگانے تک رہیں گی۔'' وہ مجھے بھولا سمجھ کر ہنس دیتا ہے، ''کیا یار تو بھی!''

میں یہ سب جانتا تھا، لڑکیاں ایسی ہوتی ہیں، مجھے ایسا ہی لگتا تھا۔

ہم انھیں بس اسٹاپ تک چھوڑنے گئے۔

میں ڈی وائے پاٹل کالج میں لاء سیکشن میں دوسرے بیچ میں تھا۔ صبح کالج جانا، بنک کر کے ڈیڈی کی بائیک پر واشی، نیرول، سی بی ڈی کے چکر لگانا، نیرول بھر میں پیدل گھومنا......... پیسوں کے لیے ڈیڈی پر ہی منحصر تھا۔ مہک کو دیکھ کر لگتا جیسے وہی میری نجات دہندہ ہے! وہی سچ ہے، کیا تھا اس کی باتوں میں! اسے نہیں جانتا تھا مگر وہ جو مشورہ دیتی سچ لگتا تھا۔

''سوچ رہی تھی ایک بات بتاؤں! سمجھ میں نہیں آتا، کیسے! تم مجھے گرا ہوا سمجھو گے

!''، اپنے جذبات کا اظہار کرنے کے تین دن بعد اس نے مجھ کو بتایا۔

''کہہ کر تو دیکھو جو پرابلم ہوگا، میں سمجھ لوں گا۔''

''میرا پہلے ہی ایک بوائے فرینڈ ہے!''

اس نے مجھے بتایا کہ کن حالات میں رشتہ بنا۔

''وہ تمھارا ماضی تھا۔ اگر میرے ساتھ رہنا ہے تو مجھے پرابلم نہیں۔ نہیں رہنا ہو تو بھی پرابلم نہیں۔ ویسے بھی اکیلا ہوں۔''

''نہیں، ویسے بھی میں نجے سے چھٹکارا چاہتی ہوں۔''

''مجھ سے کوئی مدد ہو سکتی ہو تو بولو!''

''نہیں وقت آنے دو، میں خود نجے کو باہر نکال دوں گی۔''

''ٹھیک ہے، مجھے منظور ہے!''

مجھے کیا محسوس ہو رہا تھا میں یہ سمجھ نہیں پا رہا تھا یہ مجھے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا! بس چاہتا ہوں میری زندگی اوروں کی طرح نارمل ہو جائے۔ پرابلم تو ہوتی ہے مگر اتنی بھی بری حالت نہیں ہوتی کہ لاچار محسوس کرو! جیسے میں کرتا ہوں!

اسے پتہ تھا کہ مجھے کہیں نہ کہیں یہ بات اچھی نہیں لگی۔ وہ نجے سے ملتی، گھومنے جاتی، فون کرتی .... مجھے بتاتی بھی، مگر کبھی کبھی چھپاتی بھی ....!

''چھپاتی کیوں ہو؟ بتاؤ نا! تمھاری لائف میں نجے ہے، قبول کرتا ہوں .... پھر کیوں؟ .... یہ بھی سہہ سکتا ہوں!''

''یہ میری پرسنل لائف ہے، ہر چیز نہیں بتا سکتی!''، اس نے گردن ہلا کر کہا۔

''میری بھی ہے، میں تو نہیں ہچکچایا .... پھر کیوں مجھے اپنی پرسنل لائف سے باہر رکھتی ہو؟''

''دیکھو! میں کمفرٹیبل نہیں ہوں! وقت آنے پر سب کچھ بتاؤں گی۔''

اس کو اچھی طرح معلوم تھا، میں ایسی ویسی لڑکیوں کے بارے میں کیا سوچتا ہوں کتنی چڑھ تھی مجھے ان سے!

☆ ہٹلر کی زبان

میں نے ایک سال ممبئی یونیورسٹی میں جرمن زبان سیکھی۔ ہٹلر کی زبان ہے نا! مجھے یہ بھاشا دنیا کی سب سے اچھی بھاشا لگی! لیکن جوائن کرنے کی یہ وجہ نہیں تھی۔

''جرمن سکھا رہے ہیں صرف پانچ سو میں! جوائن کرنا ہے؟'' میں نے مہک کو بتایا تھا۔

''تو کرتا ہے تو چل، میں بھی جوائن کرتی ہوں۔'' وہ فوراً راضی ہوگئی تھی۔

''اِش لی بِ دِش، مہک''، میں کہتا۔

''کیا؟'' وہ ہنسی، ''جرمن میں آئی لو یو!''

''جواب دو؟''

''آوخ جیتو''

ہم ہنستے ہنستے دونوں ہاتھوں سے ایک دوسرے کے ہاتھوں پر تالی دیتے۔

☆ بکھری مہک!

دن بدن کڑواہٹ اور حق جتانا بڑھتا چلا جا رہا تھا۔

''روہن سے بات مت کرو، وہ غلط ہے!''، میں اسے سمجھاتا۔ ''دنیا میں لوگ کس طرح یوز کر کے چھوڑ دیں گے پتہ ہے؟''

''سنجے کے بارے میں بولتی ہو نا، ایسے دوسرے بھی ہیں۔''، میں اسے اور سمجھاتا۔

اب سوچوں تو لگتا ہے کہ اسے پہلے ہی پتہ تھا۔ لوگوں کو کیسے استعمال کرنا، نچانا چاہیے...... کیسے...... کیسے!

ہم دونوں میں بہت کشمکش رہتی ...... مگر اچھی تھی! اس نے میرے ساتھ بہت برداشت کیا۔ اُس وقت میں انتہا پسندی کی سطح تک چلا گیا تھا۔ راستے پر کوئی تھوکتا تو میں اُسے فلسفے کی باتیں سناتا۔ چپ چاپ سنتی۔ شاید سوچتی ہوگی، 'یہ اکیلا کیا کر لے گا؟

کیا سمجھتا ہے خود کو؟

مہک اور مجھ میں شروع میں اتنی کشمکش نہیں ہوتی تھی۔ بہت ہی معاونت کرنے والی تھی۔ شاید سوچتی ہو، 'اِس کی حالت کیا ہے؟ بے چارے کو مضبوط ذہنی سہارے کی ضرورت ہے!'

جب جب میں اکیلا پن محسوس کرتا، مہک کو فون کرتا۔ سن لیتی۔

''کیا ہوا، کیوں ہوا؟'' پھر الگ الگ نظریے سے اس واقعے کا تجزیہ کرتی، سمجھاتی۔

''یوں ہوا ہوگا؟ یوں نہیں!''

مجھ سے اُس کا تین چار سال سے افیئر تھا۔ وہ مجھ سے تین سال بڑی تھی اس کے باپ وکیل تھے اور اس کی بہن تب لاء پڑھ رہی تھی اور ہم سے سینئر تھی۔

بارہویں میں مہک نے سائنس پڑھنے کی کوشش کی تھی۔ تین بار فیل ہوئی۔ پھر آرٹس سے بارہویں کر کے قانون پڑھنے کے لیے یہ کالج جوائن کیا۔

''کہیں جاب ڈھونڈ لو!'' اس کا خیال تھا۔

''اور پڑھائی؟''

''گھر پر پریشانی ہے! تم دب کر رہتے ہو، تم کماتے نہیں اس لیے سننا پڑتا ہے۔''

ایک سال ایسے ہی گذر گیا، یہ سوچ کر کہ جاب کروں گا۔ ضرورت تھی، مگر کیسے کروں؟ کہاں کروں؟ اشتہار پڑھتا تھا۔ کم سے کم بارہویں پاس اور انگلش میں گفتگو کی مہارت ضروری ہوتی ہے میں اپنا احتساب کرتا۔ کہیں فٹ نہیں ہوتا۔ ایک میں فٹ ہوتا تو دوسرے میں فیل! لوگ کہتے کال سینٹر جوائن کرو اس کا کریز بھی تھا۔ مگر اس کے لیے انگلش تو اچھی چاہیے۔ مراٹھی میڈیم کا ہونے کی بلکہ انگریزی میڈیم کا نہ ہونے کا احساس کمتری تھا کہ انگلش میں بات تو کر سکتا تھا، مگر ٹوٹی پھوٹی! سارے دوست مراٹھی والے تھے۔ ساحل، ششانت، سدلیش سب سوچتے جاب کریں گے۔ انگلش میں بات کرنے کے لیے کوئی نہیں تھا، پھر بھی خود پر بھروسہ تھا، کہ 'فادر ایگنل اسکول' میں انگلش ٹیچر نے بہت اچھی انگلش

سکھائی تھی، ایک جنون بھر ڈالا تھا سیکھنے کا۔

☆ پہلی نوکری!

اُس دن ڈیڈ سے جھگڑا ہوا، سوچا، 'کیا کروں؟' سوچ لیا کہ پریشانی سے چھٹکارا پانے کے لیے کچھ کرتے ہیں۔ شروعات تو کرتے ہیں۔ اخبار میں کال سینٹر کی جاب کے لیے بی این ایل ہیلیو پولیس کنسلٹنسی (B.N.L.Helio Polis Consultancy) کا اشتہار تھا۔ کنسلٹنسی کا مالک بھیرو ناتھ مجھ سے دو تین سال ہی بڑا ہوگا۔ بایوڈاٹا دیا اور چھ سو روپے بھر کر رجسٹریشن کروایا۔

''جاب دوں گا۔ اپنی پہلے مہینے کی آدھی سیلری ہمیں دینی ہوگی۔'' بھیرو ناتھ نے رسید دیتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک۔''

''کچھ سوال اور جواب دوں گا۔ پریکٹس کرنی ہوگی۔''

انٹرویو میں خود اعتمادی کے ساتھ کیسے بولنا ہے؟، کیا بولنا ہے؟.................اس نے مجھ کو تفصیل سے بتایا۔ شروع میں پوچھنے جاتا۔

''انٹرویو کے لیے کب بھیجو گے یار!''

''ابھی نہیں پہلے میں mock انٹرویولوں گا............ پورے گروپ کا..... جب لگے گا کہ تیار ہو، تب بھیجوں گا۔'' میں بھیرو کے پاس ایک مہینے تک جاتا رہا۔

میں ہر روز بھیرو ناتھ کے پاس ٹائم پاس کرتا۔ دھیرے دھیرے ہماری دوستی ہوگئی۔ ہم دونوں کو فلاسفی کی باتیں پسند تھیں، خوب باتیں کرتے۔

یہ بی این ہیلیو پولیس (B.N.L.Helio Polis) کا مطلب کیا ہے؟

''ہیلیو (Helio) پرانے روم کا شہر ہے۔'' یہ میرے لیے جنرل نالج تھی، بھیرو ناتھ بھی ہٹلر کو پسند کرتا تھا۔ گھر پر اکیلا پن محسوس ہوتا۔ دوست جگہ پر نہیں ہوتے تو بھیرو کے پاس چلا جاتا۔

''روس پر حملہ نہیں ہوتا تو کیا ہوتا؟''، ہم اٹکلیں لگاتے رہتے۔ شیئر بازار میں بھی اس کی دلچسپی تھی۔

''شیئر بازار کے بارے میں مجھے بھی جانکاری دیتے رہو۔''، ایک دن میں نے اس سے کہا۔

''اچھا تیرا نام درج کرتا ہوں!''، آج بھی موبائیل پر اس کے ایس ایم ایس آتے رہتے ہیں۔.......... بھیرو ناتھ سے ملنے سے ایک سال پہلے کی بات ہے۔

میں نے سی بی ڈی میں ڈاٹا انٹری فیڈر کا کام کیا مگر صرف پندرہ دن۔ ان دنوں شاید کام کرنے کے لیے دماغ تیار نہیں تھا۔'ڈائمینشنس' نام کے چھوٹے سے پچیس سے تیس لوگوں کے کال سینٹر کی خاک بھی چھانی تھی، جاب نہیں ملا تھا، کیوں کہ خالی جگہ نہیں تھی۔ .... کہا تو ایسے ہی گیا تھا۔ "no vacancy" تو پھر سیکنڈ راؤنڈ تک لے ہی کیوں گئے تھے! اُس وقت اپنے طور پر گیا تھا۔

☆ ہٹلر

''ہٹلر کی کچھ چیزیں مجھے اچھی لگتی ہیں'' بھیرو ناتھ کہتا، ''خاص کر اس کی قوتِ ارادی اور ذہنی قوت، آج تک تاریخ میں ایسا کوئی نہیں ہے، صرف چھ برسوں میں اس نے جرمنی کو ایسی جگہ پر لا کھڑا کر دیا! مونگ پھلی جیسا چھوٹا سا دیش چار بڑے دیشوں کو سخت جنگ کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں ہٹلر برا تھا۔''

''جیسے اچھائی کے پاس خصوصی رویّہ ہوتا ہے۔ ویسے ہی برائی کا بھی ہوتا ہے!''، میں کہتا، ''ہٹلر نے ایک وقت میں دو فرنٹ، پورب اور پچھم پر لڑائی کی۔ پورب میں انگلینڈ کی لڑائی آدھی چھوڑ کر آدھی فوج کے ساتھ روس پر حملہ کیا۔ (Oprearation Barbarossa) آج تک کی تاریخ کا سب سے بڑا حملہ تھا۔ Black sea یعنی بحرِ اسود سے ترکی تک دس ہزار میل کا فاصلہ تھا۔ انسانی زنجیر بنائی۔ آپریشن کا وقت تھا صبح کے پونے چار بجے! اس کا مقصد تھا، جنوب میں اسٹیلن گراڈ سینٹر میں ماسکو، جنوب میں لینن

گراڈ پر قبضہ کرنا۔ اگر ان تین شہروں پر قبضہ کر لیا جاتا تو روس ختم ہو جاتا۔''

''ہاں!، یہ تو ہے!''، میں اتفاق ظاہر کرتا۔

''ہٹلر کی دوسری سب سے بڑی طاقت اس کی تقریر تھی۔ صرف باتوں کے دم پر آسٹریا، چیکوسلوا کیہ اور پولینڈ کو ایک گولی برسائے بغیر سپر ڈالنے پر مجبور کیا۔ پھر بھی ہٹلر کے تشدد کی باتیں ہوتی ہیں اور اہنسا وادی گاندھی مہاتما کہلاتے ہیں یہ کون سا منطق ہے؟''،

بھیرو ناتھ کی یہ بات مجھے عجیب سی لگتی ہے مگر میں چپ چاپ اس کی بات سنتا رہتا ہوں۔

''اور ہٹلر کی تیسری بات جس کو میں بہت مانتا ہوں، یہ ہے کہ وہ بہت دور کی اور بہت دور تک سوچتا تھا۔ He Was a Visionary بڑا بصیرت والا، پلان کر کے چلتا۔ اس کا بیک اَپ پلان ہمیشہ تیار رہتا۔

''ایسا ہوا تو کیا کریں؟..... ویسا ہوا تو کیا کریں؟''...... پلاننگ اتنی اچھی ہوتی تھی کہ سامنے والا اس کے قابو میں رہتا۔''

''اور ہٹلر کی چوتھی چیز؟''، میں بھی چاہتا ہوں کہ وہ خوب بولے اسی لیے سوال کرتا ہوں۔

''ہٹلر کی چوتھی چیز .... جسے میں مانتا ہوں!..........'' وہ گردن ہلا کر فلسفیانہ انداز میں کہتا ہے، ''وہ ہے اس کا خود اپنے لیے ایماندار ہونا۔ پہلے ہٹلر جرمن نہیں تھا۔ وہ آسٹریا سے پینٹر بننے کے لیے فائن آرٹس اسٹوڈنٹ کے طور پر آیا تھا۔ پیسوں کی تنگی تھی۔ وہ راستے کی برف صاف کرتا، بھیک بھی مانگ لیتا۔ پہلی عالمی جنگ شروع ہوئی، ہٹلر نے جرمن آرمی میں درخواست دی اور جرمنی گیا۔ جنگ ختم ہوئی۔ جرمنی کو ہار کا سامنا کرنا پڑا۔ ۱۹۲۰ء میں 'جرمن ورکرس پارٹی' کے لیے اس نے الیکشن لڑا اور ۱۹۳۳ء سے کامیابی کی اونچائیوں پر پہنچ گیا۔ پہلی عالمی جنگ سے پہلے چار جرمن 'مارکس' کی قیمت ایک امریکن ڈالر تھی۔ جنگ کے بعد ایک ڈالر چار ہزار مارکس کے برابر ہو گیا۔ یعنی ایک انڈے کی قیمت چار لاکھ مارکس ہو گئی!''

''او......و......ایک انڈے کی قیمت چار لاکھ مارکس! اچھا!!''

"صرف چھ برسوں میں............صرف چھ سال...........اور وہ چانسلر بنا۔ جرمنی کا صدر بنا۔"

"جی ئی لیس!" میرے منھ سے نکلتا ہے۔

"اُس نے فوج، بحریہ، ائیر فورس کا پاور حاصل کیا اور جرمنی کا ڈکٹیٹر بن گیا۔ خود جرمنی نے اس کا ساتھ دیا، اسے چنا............صرف چھ برسوں میں اتنا کچھ کیا، اسی لیے تو مانتا ہوں اُس کو۔"

☆ بھیرو ناتھ

"کال سینٹر کے لوگ گندے ہوتے ہیں، کافی لوگوں سے سنا۔"، جن دنوں میں کال سینٹر جوائن کرنے کے بارے میں سوچ رہا تھا، ساحل نے سختی سے منع کیا تھا، "نائٹ شفٹ کرنے والے بدتمیز لڑکے، واہیات، شرابی، عیاش اور لڑکیاں بازارو ٹائپ کی، پتہ نہیں کس کس کے ساتھ جاتی ہیں، کیا کرتی ہیں!"

"تمھیں کیسے پتہ؟"

"لوگ کہتے ہیں یار!..."

"کال سینٹر جہاں ہے وہاں بدنامی ہونی ہی چاہیے، ایسی ذہنیت ہے لوگوں کی۔" میں ساحل کی بات کو رد کرنا چاہتا ہوں۔

"پیسوں کے علاوہ اُن کی کوئی زندگی ہی نہیں ہوتی!............ایسی کئی باتیں دوست کہتے ہیں کہ کال سینٹر کیا گھٹیا چیز ہے؟"

"تم کیا سوچتے ہو.....کیا ہے یہ کال سینٹر؟ کیسے اور کیا کام کرتا ہے؟" میں ساحل سے ہی پوچھتا ہوں۔

"نہیں جانتا...مگر مجھے اسے جاننے میں دلچسپی ہے۔"، ساحل صاف پلّہ جھاڑ لیتا ہے۔

"دوسروں کا خیال تو تم نے بتا دیا...اب اپنا بتاؤ!"

''..........بائی دی وے مجھے تو آئیڈیا نہیں کہ کس طرح کا کام کرتا ہے۔'' وہ کھسیا جاتا ہے۔

''چھوڑ یار!..فٹافٹ پیسے کمانے ہیں،تو کال سینٹر جوائن کرو۔''، میں مسکرا دیتا ہوں۔

''یہ کال سینٹر ہوتا کیا ہے یار!''، میں نے بھیرو ناتھ سے بات کی۔

''دیکھ، کال سینٹر میں دو طرح کے پروسیس ہوتے ہیں، آؤٹ باؤنڈ اور اِن باؤنڈ۔آؤٹ باؤنڈ میں ہم ہی کسٹمرس کو کال کرتے ہیں،اس مقصد کے ساتھ کہ کچھ بیچنا ہے !کریڈٹ کارڈ، ڈش ٹی وی، انٹرنیٹ کنکشن، انشورنش وغیرہ۔''

''اوکے...اوران باؤنڈ میں؟''میں نے تجسس پوچھا۔

''جس کی خود اپنی کمپنی ہوتی ہے وہ گراہکوں کی پریشانیاں دور کرنے کے لیے ان کے خیالات اور رائے جاننا چاہتا ہے یہاں کسٹمر کال کرتے ہیں۔جیسے فون نہیں چل رہا ہے ....وغیرہ''

''جی ایچ یو ایک بہت بڑا پروسیس ہے۔آج پرائیوٹ سیکٹر آ گیا ہے، یہ کارپوریٹ ورلڈ ہے، بھلا باہر والوں کو کیا معلوم۔''

''آپ کو لگتا ہے یہاں کام کرنے والے لوگوں کی گندی عادتیں ہوں گی،آپ ہی کی نہیں یہ ایک..........عام سوچ ہے کہ لڑکے لڑکیاں کہاں کہاں منھ مارتے ہوں گے۔''

''باہر کے دیس یعنی امریکہ سے بزنس لے کر یہاں چلایا جاتا ہے۔وہاں دن تو یہاں رات۔وہاں کے دن کے حساب سے یہاں رات میں کام کرنا پڑتا ہے۔شام کے چھ بجے کے بعد یہاں اپنی ذاتی زندگی شروع ہوتی ہے اور وہاں اُس وقت صبح کے کوئی آٹھ بج رہے ہوتے ہیں یعنی یہاں کے کام کرنے کے وقت شام چھ بجے سے صبح تین چار بجے تک ہوتے ہیں۔اس لیے یہاں نائٹ شفٹ میں کام کرنا پڑتا ہے۔کام کا دباؤ بے حد ہوتا ہے۔دوسرے دیش والوں کو پورا یقین دلانا ہوتا ہے کہ ان کے راز محفوظ ہیں کیوں کہ یہ بندھن انڈین کمپنی ایجنٹ پر ڈالتی ہے۔''

''اچھا!''

''امریکہ کی کمپنی کے نمبر پر جو کال جاتا ہے وہ انڈیا آجاتا ہے۔ کالر کو یہ کال لوکل پڑتی ہے کیوں کہ جی ایچ یو اس کا چارج اٹھاتی ہے۔ ان کو اپنے دیش سے بھارت میں یہ بہت زیادہ سستا پڑتا ہے۔ دور دیش میں بیٹھے ہوئے کالر کے مسائل حل کرنے ہوتے ہیں۔ ان کی تسلی ہو اور نقصان بھی نہ ہو!'' بھیرو مجھے سمجھا لیتا ہے۔

''فٹافٹ پیسے بنیں گے، اچھا ذریعہ ہے، کم محنت ہوگی، سب کچھ آسانی سے مل جائے گا، صرف زبان کے بھروسے''، میں خوش ہو کر کہتا ہوں۔

''یہاں کام ملنا آسان ہے اور ٹکنا مشکل۔ ایموشنل بریک ڈاؤن ہونا ممکن ہے۔'' بھیرو ناتھ نے زیادہ تفصیل سے جانکاری نہیں دی مگر ذرا سا پریشان تو میں ہو ہی گیا۔

''ہو جائے گا''، وہ کبھی کبھی ماک Mock-calls کالس لیتے ہوئے کہتا، جس میں وہ مشق کرواتا۔

''چیز بیچنی ہی ہے نا''، بس مجھے یہی سمجھ میں آتا۔

''بہت ہو گیا یار! مجھے نوکری کی سخت ضرورت ہے!''، ایک دن میں نے اسے فرضی کال کے بعد کہا۔

''اچھا چھوٹی کمپنی میں جاؤ... 'ورلڈ چائس' میں... ذہن صاف ہوگا!''

بھیرو نے میری سی وی عرضی پر اپنی کنسلٹنسی کا اسٹامپ لگا دیا۔

''تیسرا راؤنڈ کل ہوگا!'' پہلا راؤنڈ اور دوسرا راؤنڈ پورا ہو گیا۔ تیسرے کو اگلے دن پر ٹلتا دیکھ کر میں بے چینی محسوس کرنے لگا۔

''ابھی ہوتا تو اچھا ہوتا!''، مجھے رات بھر نیند نہیں آتی، کل شاید نہیں آپاؤں گا!'' میں نے یوں ہی بات چھیڑی کہ آزما کر دیکھتے ہیں...... اور نشانہ لگ گیا۔

''کب جوائن کر سکتے ہو؟'' نائب صدر نے انٹرویو کے بعد کہا۔ نوکری ملے گی، اس کا مجھے یقین نہیں تھا۔ شاید اس لیے بے دھڑک بھیرو کے رٹائے ہوئے سوالوں کے جواب دیتا چلا گیا۔ تعجب ہوا، وہی سوال تو پوچھے گئے تھے۔

"Tell me something about your self?"

"What do you Know about call centre?"

do you want to go there?""why

میں بھیروکو مان گیا! آفر لیٹر فوراً مل گیا۔ اب میرا کال سینٹر ٹریننگ میں ایلی مینیشن elemination راؤنڈ تھا۔ یہاں بھی نکالا جا سکتا تھا۔ گراسپنگ کارکردگی (grasping performance) میں Voice اور accent آواز اور تلفظ کی ٹریننگ ایک ہفتہ دی گئی۔ یہ ایک چھوٹا سا پچاس سیٹر کال سینٹر تھا۔

میں ٹرینر (trainer) سے بڑی سنجیدگی کے ساتھ من لگا کر پڑھتا، بلکہ رٹتا۔ ڈرتا، شاید انگلش نہیں بول پاؤں گا مگر نکل گیا۔ میں بھاگا بھاگا بھیرو کے پاس پہنچا،

''ارے یار ان لوگوں نے تو مجھے سلیکٹ کر لیا!'' ایک اچھی چیز سے پورا نظریہ بدل جاتا ہے.......... ہار میں ایک اچھی چیز!

''ہاں! بولو، اب کس کمپنی میں جاؤں، میرا مطلب ہے، کس بڑی کمپنی میں انٹرویو دینے جاؤں؟''

میں جوش میں تھا۔

''تجھے تجربہ نہیں، بھاشا بھی پرابلم ہے! چھ ہزار تو چھ ہزار، اسٹائپنڈ (stipend) ہے۔ تین مہینے کر لے۔ خیال واضح ہو جائے پھر ایبڈو، جی ٹی ایل جیسی بڑی کمپنیوں میں لگاتا ہوں!''، بھیرو ناتھ بولا۔

"You Have Mother Tounge Influence"

اس نے سچ ہی کہا تھا ٹیلی فونک ریڈنگ میں مجھے یہی ریمارک ملا تھا۔

'ورلڈ چوائس' میں لگا تو مشکل کا پتہ چلا بات کرنا، سننا، کسٹمر کو غصہ آئے تو ان کے غصے کا شکار بننا۔ میری غلط فہمیاں دور ہوئیں۔

☆ نیا جنون

بھاشا میں میری دلچسپی بچپن سے ہی تھی۔ میری مراٹھی تو اچھی تھی ہی۔ پانچویں

میں ہندی مضمون پڑھایا جانا شروع ہوا۔ دھیرے دھیرے میں نے ہندوستانی بولنی شروع کر دی۔ یہاں دوست مراٹھی بولنے والے ہی تھے۔ ہاں ہندی فلمیں سبھی دیکھتے۔ مجھے لگتا ہے، مجھ پر کال سینٹر کا خاص اثر نہیں پڑا۔ پھر بھی یہاں سے میں نے بہت سی باتیں سیکھیں۔ نیا جنون تھا۔

''کچھ خاص کرنا نہیں ہے۔ فون پر بات کرنا ہے۔ بات کرنے کے پیسے ملتے ہیں۔ لگتا، آسان جاب ہے۔''، دوستوں سے سنا تھا لیکن جیسے جیسے ملوث ہوتا گیا، دباؤ، تناؤ... اور انھیں دور کرنے کے لیے لوگ کیسے کیسے راستے اپناتے ہیں دیکھتا ہوں۔ عام طور پر میں ٹیم آؤٹنگ کے لیے نہیں جاتا۔

''شراب پینا، مستی کرنا، ناچنا، ایک دوسرے کا مذاق اڑانا، فالتو جوک کرنا، بس ٹائم پاس کرنا ہوتا ہے۔''، میں سیدھے انکار کر دیتا۔

ساتھی اے ایچ ٹی کا اپنا پرفارمینس ٹارگیٹ پورا کرتے۔ افیئر کرتے۔ یہاں لوگ بہت کھلے ماحول میں ہوتے ہیں۔ کوئی بندھن نہیں۔ پروفیشنل لوگ، ذہنی تناؤ دور کرنے کے لیے لڑکیوں کو دیکھنے والے لوگ! میں نے یہاں اتنے سارے رشتے اچانک بنتے دیکھے اور اتنے ہی رشتے اچانک ٹوٹتے بھی دیکھے۔ آج ایک کے ساتھ کل دوسرے کے ساتھ۔ وجہ پوچھو تو رشتوں کے لیے کوئی کوشش نہیں کرتے۔ ساتھ چھوڑنے یا رہنے کے لیے معمولی سی وجہ کافی ہے۔ بریک ہوا، اسموکنگ زون میں لڑکی کھڑی دیکھی۔

''کون سی کلاس کی ہو؟''

''کون سی ٹیم کی ہو؟''، پوچھا کہ رجھانا شروع ہوا۔ معمولی باتیں ہیں یہ! جب مجھے پتہ چلتا کہ رشتے ٹوٹے یا بنے تو اس موضوع سے ہٹ جاتا۔ اس کے آگے جا کر کبھی سوچا ہی نہیں۔ ہمیشہ چھوڑ دیا۔

''ایک لڑکی ہے۔ فلم اداکارہ ملکہ شیراوت جیسی...دیکھنے کا ہے۔''، ورون میں ٹریننگ کے درمیان وقفہ ختم کر کے اندر پہنچے ہی تھے کہ ایک لڑکا بھاگا بھاگا آیا۔

''ہاں چل دیکھتے ہیں۔''، ورون نے کہا۔

''خواہ مخواہ کسی کو بھاؤ دینے کا نہیں۔''، میں نے کہا۔

''چل دیکھ کر آتے ہیں۔ اچھی ہے تو پتا ئیں گے۔''

کیفیٹیریا میں گہرے سانولے رنگ کی معمولی سی لڑکی بیٹھی تھی۔ ہاں کچھ ملکہ شیراوت جیسی لگتی تھی۔ ورون کو پسند آ گئی۔ کچھ دن بعد ہرش نے اسے پروپوز کیا۔ میں نے ورون کی طرف دیکھا۔ وہ منہ اتارے کھڑا تھا۔

''تو یہاں کیوں آیا ہے؟ پیسے کمانے آیا ہے۔ ہے نا! یہ سب کرنے نہیں آیا ہے۔ ہے نا!''، میں نے ورون سے کہا۔

''سب صحیح ہے، مگر میں اسے پسند کرتا ہوں یار!''، میرے سمجھانے پر اس نے کہا۔

''چھوڑ یار!''، اس نے اسی وقت ٹینشن چھوڑ دیا۔ ہرش کو پتہ تھا، ورون اس لڑکی کو پسند کرتا ہے۔ پھر بھی پتہ نہیں ایسے کیسے کیا!

☆ پہلی تنخواہ

پہلی سیلری ملی، میں بے حد خوش تھا، شروعات تو ہو گئی۔ یہاں الگ الگ جگہ اسپیشل ٹریننگ روم کے الگ تجربے تھے۔ وہ ہمیں بھاشا سکھا رہے تھے۔ امریکہ کے کلچر کے بارے میں بتا رہے تھے۔ چھوٹے موٹے اسائن مینٹس دیئے جاتے جن میں کمیونیکیشن اسکلس یعنی مواصلات کی مہارت کی معلومات ہوتی۔ خوب اچھی ٹریننگ دی گئی۔

''بی بی سی نیوز دیکھو۔''

''رپورٹ تیار کرو۔''

''رپورٹ نہیں لائے!''.... تو باہر۔

گھر آ کر ٹی وی کا سی این این چینل لگا کر بولنے والے کا لہجہ دیکھتا۔

''کیا کر رہا ہے بے! انگلش آتی نہیں، سالا ہوشیاری مارتا ہے''، دل نے چپکے سے مجھے ڈانٹا۔

ٹریننگ ختم ہوئی جو کچھ سیکھا اس سے خود اعتمادی بڑھی۔

"انگلش از تھنگ ! میں بول سکتا ہوں !"، آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر میں نے اپنے آپ سے چلاّ کر کہا۔

ہماری دوسری فلٹر آن جاب ٹریننگ شروع ہوئی، پندرہ دنوں کی ٹریننگ تھی، اور کارکردگی اور سمجھنے کی اہلیت پر چھ مہینے کی توثیق کی۔

.........اور پروموشن کا سلسلہ چل پڑا.........

پہلے مہینے چھ ہزار ملے، بھیرو نے اپنی فیس کے پیسے نہیں لیے،

"تجھ سے کیوں پیسے لوں گا، تو اچھا لڑکا ہے!" بھیرو مجھے کافی جان چکا تھا، یہ کہہ کر وہ جھجک گیا تھا۔

"ایسے مت سمجھنا کہ مجھ کو رحم آیا ہے۔"

.........مجھے صرف ایک وجہ چاہیے تھی، دل نکال کر رکھ دوں، آج کچھ کوشش کرتا ہوں کہ کنٹرول کروں پھر بھی کوئی جتائے کہ وہ میرے بارے میں سوچتا ہے تو جیسے اس کا مطیع ہو جاتا ہوں۔ ان کہی امیدیں آجاتی ہیں۔ کہ سب کچھ جان لے، جب کہ جانتا ہوں کہ یہ سب غلط ہے۔

کافی پیسے جمع کئے اور کافی اڑائے ۔ جی ٹی ایل میں دس ہزار تنخواہ تھی اور انسینٹیو الگ۔ پڑھائی کا پرابلم ہوتا۔ کیوں کہ شفٹ کے دَور مختلف ہوتے، میری زندگی کا سائیکل بدل گیا راتوں میں جاگ کر کام کرنا اور دن میں سونا.........کوئی سوشل لائف نہیں ! سماج اور سماجی زندگی سے کٹا کٹا تھا، کالج ٹھیک سے جا نہیں پاتا تھا۔ ہاں! کبھی کبھی مہک سے ملنے کالج ضرور چلا جاتا

☆ کال سینٹر کا مزہ اور میں.........

"یہاں ایک لڑکا آیا ہے جیتیش ...بے چارہ پرابلم والا ہے۔ چپ رہتا ہے۔" یہاں میرے بارے میں کال سینٹر والوں کی رائے بھی مجھے سنائی دے جاتی۔

''کوئی پرابلم؟''

''وہی ٹوٹے ہوئے خاندان کا اکیلا لڑکا!''

جان ایک اچھا ٹیم لیڈر تھا۔ لیڈر شپ کے ہنر والا۔ اس کے پاس کام لینے کا طریقہ تھا۔ کام کا آئیڈیا ملا۔

''سامنے والا کیا چاہتا ہے، سمجھو! بات کہنے کا طریقہ سیکھو!''، جان کافی ہمت دینے والا، ملنسار تھا۔ کہتا، ''کوئی پرابلم ہو تو مجھے بولو!''

''چل جا!''، وہ میری بات سن لیتا۔ کہتا، ''چھوڑ! ٹینشن مت لے۔ چھٹی چاہیے لے لے!''

''چائے پینا چاہتا ہے؟ جا'' یا کبھی کہتا، ''نہیں یار چھٹی نہیں مل پائے گی۔''

ورلڈ چائس میں ایک بھی لڑکی نہیں تھی۔ صرف ضرورت مند لڑکے تھے یا پرابلم والے۔ بڑی عمر والے کم تھے۔ زیادہ سے زیادہ تیس پینتیس کے اندر والے۔ صرف ایک پینتالیس سال کا آدمی تھا۔ ماحول اچھا تھا۔ وقفے زیادہ تھے کام کا اتنا دباؤ نہیں تھا جیسا کہ بعد میں ایبڈؤ میں ملا۔

ورلڈ چائس میں ایک ٹریز لڑکی تھی، بیس لڑکے اور اکیلی ٹریز لڑکی، وہ بھی عارضی طور پر۔ کتنا ہلکا پھلکا، مستی مذاق والا ماحول تھا۔ اس کو متاثر کرنے کی ہر کوئی کوشش کرتا۔ ممبئی کے مضافاتی علاقے، باندرہ کا ایک تیس بتیس سال کا جنوبی ہندوستان کا لڑکا دکھانا چاہتا کہ وہ جلدی سیکھ جاتا ہے۔ تلفظ کی ٹریننگ کے دوران بات کرنے کا سلیقہ سکھایا جا رہا تھا۔ وہ جب بھی انگلش میں.......... اپنے خاص ڈھنگ سے بات کرتا۔

اس کے تلفظ پر سب ہنستے، سب کو عجیب لگتا، ادھر ٹریز پریشان!

''یار اپنے میں کوئی لڑکی نہیں ہے!''، ہر ایک کو محسوس ہوتا۔

''لڑکیاں نہیں، مزہ نہیں، ویسے بھی یہاں کام کس کو کرنا ہے، ٹریننگ کے پیسے لو، دوسرا کال سینٹر جوائن کرو!''، کسی نے کہا۔

یہاں ہم نے کافی مزہ کیا۔ سب ساتھ رہتے، کام کرتے، مگر کچھ نے جاب چھوڑ دیا۔
اس وقت ایک کال سینٹر چھوڑ کر دوسرا جوائن کرنے پر انکوائری نہیں ہوتی تھی۔
وہاں کے ٹریننگ پیریڈ الگ ہوتے۔ پیسہ ملتا، ٹریننگ میں دباؤ نہیں ہوتا، مزہ کرو، کھاؤ، پیو، انگلش فلمیں دیکھو.......... بھاشا جو ٹھیک کرنی ہے!
میں نے 'ورلڈ چائس' چھوڑا اور جی ٹی ایل جائن کر لیا۔

☆ جی ٹی ایل

میری اِس ٹریننگ میں لڑکیاں زیادہ اور لڑکے کم تھے۔ یہاں بھی ٹریننگ اچھی تھی۔ کچھ لوگ ہر جگہ اچھے ملے ... نئے نئے لوگ..........! ٹریننگ کے دوران شروعات میں جان پہچان، تعارف ہوتا، ہر ایک ٹرینی آگے آکر اپنے بارے میں بولتا۔ اُن ہی میں دو تین لوگ ملے، جن سے کچھ گھلنے ملنے لگا۔ دو تین لڑکیاں بھی اس گروپ میں شامل ہو گئیں۔

''کہاں رہتے ہو؟''

''..........................''

''تمہارا آئیڈیل کون ہے؟''

''ہٹلر!''

''او ہٹلر! ذرا یہاں تو آنا۔'' پتہ چلنے پر سب مجھے ہٹلر کے نام سے چڑانے لگے۔
ٹریننگ میں فلموں کی فرمائشوں پر جنگ ہوتی۔ سب کی الگ الگ پسند ہوتی۔
''فرینڈس سیریل کے ویڈیو دکھاؤ''، لڑکیاں کہتیں۔
''black Hawk down جیسی ایکشن فلم دکھاؤ۔'' لڑکوں کی مانگ ہوتی۔
لڑکیاں سی ری اُس فلمیں چاہتیں .... ٹریننگ ہے، تو کچھ سیکھنے کو ملے
....

''ہاں موج مزا بھی ساتھ ملے۔''
''جی ٹی ایل کا فل فارم کیا ہے؟'' کوئی بڑی معصومیت سے پوچھ رہا تھا۔

''جارج ٹیلیکام لمیٹیڈ'' میں نے کندھے اچکائے۔

''نہیں یار! اِٹ اِز، گیٹ ٹرینڈ اینڈ لیو''

''ہاں ٹرینگ لو اور چھوڑ دو۔'' اور قہقہوں کا طوفان سا اٹھا۔ جی ٹی ایل کو ہم ہنسی ہنسی میں اس جملے کا شارٹ فارم بولتے۔ اتنی اچھی ٹریننگ پائی ہم نے یہاں! ڈیڑھ مہینہ ٹریننگ میں گذارا۔ وہاں ٹیبل چارٹ بنے ہوتے ہیں جن پر اصطلاحات لکھی ہوتیں۔ آواز اور تلفظ کی ٹریننگ میں اصلاح کرنے کا طریقہ سکھایا جاتا۔

''امریکہ میں نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر 'وی' بولتے ہیں۔ 'ڈبلیو' کے لیے ہونٹوں کو سکوڑ کر 'وَ' کی آواز نکالی جاتی ہے!''

''پی ایچ ph والا 'ف' بولتے وقت پھونکتے ہوئے اور ایف (F)، 'ف' کی طرح آواز نکال کر بولے جاتے ہیں!''

''جیبھ تالو میں لگا کر جھٹ سے چھوڑ کر 'ایل' (L) کی آواز نکالو!''

یہاں ٹریننگ زیادہ مشکل تھی اور گہری۔ میں لوگوں سے بہت کم گھلتا۔ وہاں میں نے دوستوں کا چھوٹا سا سرکل بنا تو لیا لیکن ان کے ساتھ بھی لیے دیے ہی رہتا!

''یہاں اسکرپٹ سے پڑھنا ہے۔'' ساتھی نے میرے سامنے اپنی تربیت کو دہرایا۔ ''ایسا محسوس کروانا ہے، جیسے آپ فون پر کسی سے بات کر رہے ہوں۔''

''ہمیں جتا دیا گیا تھا کہ اسکرپٹ سے باہر ہوئے یعنی 'اینڈ' کو 'آف' کہہ دیا کہ نوکری سے باہر ہو گئے! ہمارے کال ریکارڈ ہوتے ہیں۔'' میں کام سے کام رکھتا۔

''کال سینٹر میں کام کرنا اچھا نہیں ہے، کیوں کہ وہاں صحیح غلط کچھ نہیں ہوتا۔'' کبھی کبھی میرا دل کہتا۔

''تم کو کچھ نہیں کرنا..........۔''سیل کرنا یعنی کریڈٹ کارڈ بیچنا ہے۔'' میں اپنے آپ کو سمجھاتا۔

مگر کال ریکارڈنگ ضروری تھی۔ ریکارڈر بند کر کے اور جھوٹ بول کر کہ ''کال ریکارڈنگ نہیں کی ہے'' نہیں چلتا تھا۔ میرے سامنے ایک لڑکے کو قبول کرنا پڑا تھا۔ پتہ چلتے

ہی وہ نکال باہر کیا گیا تھا۔

ٹریننگ میں ایک مہینہ لگا۔ میں اپنے گروپ میں پہلا آدمی تھا، جس نے ایک امریکن کو کریڈٹ کارڈ بیچا یہاں یہی تو بتایا گیا کہ کس طرح اپنا مال چپکانا ہی مقصد ہوتا ہے۔

ہمیں کہنا ہوتا کہ 'کریڈٹ کارڈ بیچنا چاہتے ہیں۔ یہ زندگی بھر کے لیے فری ہے۔' فیچر بتانا ہوتا۔ 'یس' یا 'نو' کا بٹن دبانا ہوتا! اور وہ 'ہاں' کہہ کر بھی کینسل کر سکتے ہیں۔''

''شرائط وضوابط بتانے کے لیے آپ کے پاس کوئی سوال ہے؟''

''ہاں''، کہتے ہی اسے باتوں میں لگا کر بٹن ڈھونڈ کر اسے دبانا ہوتا۔ پہلے تکلیف ہوئی بٹن ڈھونڈنے میں۔ کمپیوٹر کے اسکرین پر کینسلیشن کارڈ............تھا!............ یہاں ٹائپنگ کی اسپیڈ ضروری تھی۔

اب جی ٹی ایل میں کام کرتے ہوئے مجھے چھ مہینے ہو گئے تھے۔ میں جمتا گیا۔ جی ٹی ایل میں میں نے کافی مزہ کیا تھا۔ نئے جاب میں ٹارگیٹ کی سختی تھی۔ دن میں دو سیل بیچو اور فری ہو جاؤ۔

''کائے کی پگار لیتا ہے فوکٹ میں؟''، اُس دن ایک گاہک بھی ہاتھ نہ آیا تو ٹیم لیڈر نے چلا چلا کر کہا تھا، وہ بھی ایسے کہ دل کو لگے۔ پھر ہم سنجیدہ ہو جاتے اور اگلی بار فون کرنے والے یعنی کالر کے سامنے زیادہ گڑگڑانے لگتے۔

''کچھ بھی کرو، دو کریڈٹ کارڈ بیچو۔'' کچھ ایسا ماحول تھا۔

یورپ میں اس کام پر بہت خرچ ہوتا ہے۔ کام کرنے والوں کو تنخواہ بھی زیادہ ملتی ہے۔ جوائن کیا۔ ٹریننگ ہوئی۔ جاب کے لیے تیار...، ایک دن بھیج دیا کال اٹینڈ کرنے کو ایک خوف سا تھا دل میں۔ میں نے غیر ملکی لوگوں سے پہلے کبھی بات نہیں کی تھی۔ تمام معلومات کمپیوٹر پر ہی دی جاتی ہیں۔ بس دس پندرہ کالیں لے لیں۔ لہجہ یا تلفظ الگ لگا یا ٹھیک سے جواب نہیں ملا اور سامنے والا سمجھ گیا کہ نیا ہے۔ یا پتہ چل گیا کہ ہندوستانی ہے.. بس خیر نہیں!

"کیا بیچ رہے ہو؟" وہ ایجینٹ سے سوال پوچھے گا۔ انداز مذاق اڑانے جیسا ہوگا۔ یوایس والوں کو پہلے سے پتہ جو نہیں ہوتا کہ یہ ایجنٹ کہاں کا ہے!

'یوفول! تم آدھی دنیا سے پیچھے ہو!" اور اتنی اور ایسی باتیں سناتے ہیں کہ لڑکیاں تو کال پر ہی رونے لگتی ہیں۔

دھیرے دھیرے ایک یونٹ بند ہوتا گیا، کمپنی کے مالک نے Business Processing Outsourcing یعنی 'بی پی او' بند کر' کے پی او' Knowledge Processing Outsourcing چلائے رکھنے کا فیصلہ کیا۔

میں کون ہوں؟

بیس جون کو جب میں گھر سے الگ ہوگیا۔ پرابلم آتے ہیں۔ کیوں کہ کوئی صلاح دینے والا نہیں اپنے سے حل کرتا ہوں اور نتیجہ سوچے بغیر کرتا ہوں۔ اس لیے ایک مسئلہ حل کرنے میں نئے مسائل سامنے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ میں اس کے لیے تیار ہوں مگر زیادہ وقت لگتا ہے ان نتائج کے اثرات سے بچ نکلنے کے لیے۔ اس لیے اب مجھے سپورٹ کی ضرورت ہے، جذباتی سہارے کی جو میرے پاس نہیں ہے۔ جو لوگ بھی میرے آس پاس ہیں انھیں لگتا ہے کہ یہ سب سے خوش اور خوش نصیب آدمی ہے جس کو کسی کی ضرورت نہیں ہے.........مگر آخر میں تو ایک انسان ہوں، جس کے لیے زندگی جینا بہت مشکل ہے۔ خود حل کرنا بہت تکلیف دہ ہے مگر میری خواہش مجھے زندہ رکھ رہی ہے، الگ الگ طرح کے لوگوں سے نپٹنا، اپنے مسئلوں کو حل کرتے چلنا ایک طرح کا ہرکیولیس کے کارنامے جیسا ہے۔ ہر مرحلے کو پورا کرنے کی کوشش کرتا ہوں مگر فرق صرف اتنا ہے کہ میں پوری طرح اکیلا ہوں۔

"میں کون ہوں؟ میں اکیلا ہوں، شاید اسی لیے ایسا انتہا پسند ہوگیا ہوں۔ ایسے لوگ بھی ہیں جو میری مدد کرنا چاہتے ہیں مگر میں اپنی مدد آپ کرنا چاہتا ہوں۔ ایسا کرتے ہوئے میں چاہتا ہوں کہ زندگی کی جانب میرا نظریہ لوگ سمجھیں۔ اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں

ہے کہ میں ان لوگوں کا ساتھ نہیں چاہتا مگر مجھے ان کی مدد اور ہمدردی نہیں چاہیے۔ میری زندگی ایک فکشن اسٹوری کی طرح ہے کیوں کہ اس میں جو قصے اور واقعات ہیں مجھے لگتا ہے کہ دوسروں کی زندگی میں نہیں ہوتیں!'' میری کھلی ہوئی ڈائری مسکرانے لگی۔

تو حرام خور

''تو حرام خور! مفت میں کیا رہتا ہے یہاں؟؟............ کھاتا ہے......؟ چل نکل یہاں سے۔ نکلتا ہے کہ نہیں میرے گھر سے!''

ان دنوں میں جی ٹی ایل میں نیا نیا جاب پر لگا تھا۔ میرے باپ کے سامنے ان کی تین نمبر کی بیوی مینا، مجھ سے کہتی ہے۔

''تم کون بولنے والی؟ تم نے ابھی شادی کی ہوگی، وہ میرے ڈیڈ............ جنم سے............ ہیں......!''

''کیا کرلے گا رے تو بول؟'' اس واقعے کو اُس نے بائیں ہاتھ کی ہتھیلی ہلا ہلا کر تین بار دوہرایا اور مجھے اکسایا۔ ہاتھ اٹھ گیا۔ ڈیڈی چیخنے لگے،

''میرے سامنے میری بیوی کو مارتا ہے؟؟''

''مارا تو نہیں!''، میں ہوش میں آ گیا۔

''باپ کی بیوی ماں نہیں ہوتی کیا!''

''میری عزت نہیں کرتا، تب ہی تو اس پر............''

بہت جھگڑا ہوا۔

☆ کھار گھر میں بے گھر

''نکل جا میرے گھر سے!''............ ابھی جی ٹی ایل جوائن کیے ہوئے کچھ دن ہی ہوئے تھے۔ یاد ہے وہ اٹھائیس جون کی صبح تھی۔ ڈیڈ کا گھر چھوڑ کر نکلنا پڑا۔ اس وقت میرے پاس صرف تین چار ہزار روپے ہی ہوں گے۔، سوچا جی ٹی ایل کی پندرہ دنوں کی سیلری آ ہی جائے گی گھر چھوڑ دیتے ہیں۔

''گھر چھوڑنا ہے۔''میں نے شام کو ساحل سے کہا۔

شام کو کھارگھر کے سیکٹر تیرہ میں، میں اور ساحل رئیل اسٹیٹ ایجنٹ کے پاس پہنچے سنگل روم مانگا۔ میری حیثیت دو ہزار کے قریب کرایہ بھر سکنے کی تھی۔ اٹھارہ سو روپے کرایے پر دس ہزار روپے ڈپازٹ والا رو ہاؤس ملا تھا۔ اسی رات میں نے سارے پیسے بھر کر، ایگریمنٹ تیار کروایا۔

''ابھی شفٹ کر سکتے ہیں؟''

''ہاں!''ایجنٹ بولا۔

''روم صاف کروا کے دے دو، تب تک ہم سامان لاتے ہیں''، پھر میں ساحل سے بولا۔

''ساحل، گاڑی لا یار، سامان لے جاتے ہیں۔''

''کمپیوٹر لے جاتا ہوں!''میں نے سامان سمیٹتے ہوئے ڈیڈ کی طرف دیکھے بغیر ہی کہا۔

''ٹھیک ہے''انھوں نے بھی مڑ کر نہیں دیکھا۔

سی بی ڈی میں میرے ساتھ کام کرنے والے ایک لڑکے کا دوست بھی گھر ڈھونڈ رہا تھا۔

''تو اکیلا رہے گا تو پورے اٹھارہ سو روپے کرایہ دینا پڑے گا، آدھا دنیش دے گا۔ اِسے اپنے ساتھ رکھ لے۔''، اس نے کہا۔

ان دنوں کھارگھر ایک سنسان علاقہ تھا، جہاں آمد و رفت کی سہولت نہیں تھی۔ اٹھارہ سو روپے کرایے میں نچلی منزل، پہلا منزلہ اور ٹیرس ملے تھے۔ اسٹیشن سے پندرہ منٹ کی دوری پر یہ گھر تھا۔ سیکٹر بارہ کے اندرون میں کچھ ٹاور بلڈنگیں بن تو رہی تھیں مگر کم۔ زیادہ تر رو ہاؤس جیسے یا بیٹھے گھر تھے۔ خوبصورت اور منصوبہ بند۔ کھارگھر شہر میں ایک طرف پہاڑ ہے، آگے بڑھیں تو ایک بڑا سا جھرنا، جس کا نام 'پانڈو کڑا' ہے، ملتا ہے۔ پانڈو کڑا، اسٹیشن سے پانچ منٹ کے فاصلے پر ہوگا۔ کہتے ہیں بن باس کے دنوں میں پانڈوں نے یہاں بھی

قیام کیا تھا۔کھار گھر کے روڈ کافی چوڑے ہیں، اس وقت آج جیسا ماحول نہیں تھا، آج آبادی بہت بڑھ گئی ہے۔ بڑے بڑے ریستوراں، آئی آئی ایم یا آئی ٹی ایم، فیشن ڈیزائننگ کالج، ایرلا میڈیکل کالج، پلٹل برڈ وغیرہ ہیں۔

'دھوم' فلم کی شوٹنگ ہو رہی تھی، دیکھنے جایا کرتا۔کھار گھر کے اندرونی راستے پر ایک بڑا سا فوارہ بنا ہے ایک شِلپ بھی بنا ہے۔

پہلے مہینے پیسوں کی تنگی ہوئی۔ جی ٹی ایل میں پہلے مہینے میں نے اٹھارہ جون سے تیس جون تک کام کیا تھا۔ اس کے مجھے پانچ ہزار روپے ملے تھے جو ڈپازٹ میں چلے گئے۔ ہاتھ میں پیسے بہت کم تھے۔ سی بی ڈی سے دنیش کا ٹفن آتا تھا۔ ہم ایک میں کام چلا لیتے۔ دوسری بار میں کمپنی میں کھا لیتا۔ کمپنی میں کوپن سسٹم تھا۔ پیٹ بھر کھاتا۔ سیلری سے دو سو روپے کٹتے۔ پیسے اکاؤنٹ میں بھی نہیں تھے۔ ہوم پک اپ ڈراپ تھا یعنی گاڑی گھر سے لے جاتی اور گھر پہنچا جاتی۔ ویسے پیسوں کی ضرورت نہیں تھی۔ پھر بھی کبھی ضرورت پڑ جاتی تو نہیں تھے۔

پینتالیس دن بعد میری سیلری کے مکمل اور حتمی پیسے آ گئے۔

میں نے جارج ٹیلیکام لمیٹیڈ کا یہ جاب خود چھوڑ دیا تھا۔ یہاں رہتا تو کبھی نہ کبھی نکلنا ہی پڑتا، اسی لیے تو سوچا، میں ہی چھوڑ دوں۔ نیا جاب میں نے ڈھونڈ لیا۔

دسمبر میں جب 'لیبڈ و' جوائن کیا۔ یہ سوچ کر کہ بڑی کمپنی، بڑا نام، یہاں کام کر کے اپنی بھی اہمیت بڑھے گی۔ یہاں کا تجربہ کچھ اور تھا۔ ماحول کافی اچھا تھا۔ انٹرویو میں بھی اچھا لگا۔ کافی پروفیشنل تھا! دوسروں میں ایسا نہیں تھا۔......... پیشہ ورانہ برتاؤ کرنا، رکھ رکھاؤ، پہناوا.....!

طرزِ زندگی بھا گئی۔ ایسا بن جاؤں گا، ویسا بن جاؤں گا... پیسے ہوں۔ گھر، رتبہ ہو۔ خیالی پلاؤ پکاتا۔ یہ کمپنی نیرول، سی بی ڈی سے قریب ہے...... یعنی کالج، 'لیبڈ و' سے نزدیک ہے۔ سنیچر، اتوار دو دن چھٹی، جب دوسری کئی جگہوں پر ہفتے میں دونوں میں سے کسی ایک دن ہی چھٹی.... بہت متاثر ہوا۔

ایبڈو میں جاب ملتے ہی بغیر پیشگی اطلاع دیے ہی میں نے جی ٹی ایل جانا چھوڑ دیا۔ پتہ تھا، بنا بتائے کام پر نہ جانے پر نوکری سے نکال دیا جاتا۔ فائدہ یہ ہوا کہ کچھ دن آفس سے فرصت ملی۔ ہفتہ بھر چھٹی کا مزہ اٹھایا۔

مجھے پتہ ہے، میں راتوں میں جاتا ہوں، مشکلیں سہتا ہوں، اس بارے میں کچھ چٹ پٹا نہیں ہے مگر لوگوں کو چٹ پٹا اس لیے لگتا ہے کہ میرے دن رات الٹے ہیں.... مجھے کیا! سوچا کریں جو سوچنا ہے...

ماہرِ نفسیات

سائیکلوجسٹ کے پاس گیا تھا ایک دن!

ہوا یوں کہ ایک بار بیمار پڑا تھا۔ ڈاکٹر کے پاس گیا۔ ڈاکٹر ڈیڈی کو اچھی طرح پہچانتا تھا۔ ان کا حال چال پوچھا۔

''کھانسی ہے؟ گلے میں کھچ کھچ؟''

''ہاں! تھوڑا تھوڑا''

''سگریٹ زیادہ پیتے ہو؟''

''..........''

''ہونٹ دیکھو، کوئلے جیسے ہو گئے ہیں... ہو جاتا ہے کبھی .... صحبت کی وجہ سے اسموک کرتا ہوں۔''

''ایک بات کہوں برا تو نہیں مانو گے؟''

'' کہیے!''

"All you need is love ماں کی طرح کیئر لے گی وہ تمھاری، کچھ چیزوں کو سمجھنے میں مدد کرے گی''، ڈاکٹر نے چٹھی دے کر مجھے ماہرِ نفسیات کے پاس بھیجا۔

''عجیب لگتا ہے، مینٹلی ریٹارٹیڈ ہوں..!''

''نہیں ایسا کچھ نہیں!''، ڈاکٹر نے یوں ہی سمجھایا۔ ''ایسا مت سوچو۔''

شام کے ساڑھے پانچ بجے تھے، پنویل کے سوکھاپور علاقے میں جب میں سائیکلو جسٹ کے یہاں پہنچا، موسم عجیب عجیب سا ہو رہا تھا، جیسے ابھی بارش شروع ہو گی۔ حبس بڑھ گئی تھی۔ میڈم وہاں موجود نہیں تھیں۔ واچ مین نے انھیں گھر سے بلا لیا۔

میں صوفے پر بیٹھا اس کا انتظار کر رہا تھا۔ کچھ ہی دیر میں آسمانی رنگ کی شلوار قمیص پہنے ایک لڑکی نے اندرونی کمرے سے آکر مجھے 'ہیلو' کہا۔

''آپ ڈاکٹر بینا گھوش!''، میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

''میں ڈاکٹر سائرہ ہوں، ڈاکٹر گھوش کی اسسٹنٹ۔''

اسے دیکھ کر میرا دل خوش ہوا۔ گھنگریالے بالوں کی ایک لٹ اس کے چہرے کی معصومیت میں اضافہ کر رہی تھی۔ اس کی بڑی بڑی آنکھیں کاجل سے سجی تھیں۔ بائیں ہاتھ سے دوپٹے کو ٹھیک کرتے ہوئے دائیں ہاتھ میں پکڑا ہوا پانی کا گلاس اس نے مجھے پیش کیا۔

''میں تمھیں پہلے سے جانتی ہوں۔'' میں چونکا۔

''مگر میں تو پہلی بار یہاں آیا ہوں۔''

''لیکن تم میرے گھر کئی بار آئے ہو۔ آر بی کے ساتھ۔''

''آر بی، یعنی ریحان بیڈ یکر؟''

وہ مسکرائی، ''وہ میرے شوہر ہیں۔ مگر میں آر بی کے گھر تو کبھی نہیں گیا!''، میں نے یاد کرتے ہوئے کہا۔

''لیکن اکثر اس کی زبان پر تم آ جاتے ہو۔'' آر بی کی پوری شخصیت میری آنکھوں کے سامنے آ گئی۔

''آپ کو پا کر آر بی بہت خوش قسمت ہے۔''

وہ مسکرائی۔ اس کے چمکدار دانت اس کے کتابی چہرے کی رونق بڑھانے لگے۔ میں نے اپنی شرٹ کی جیب میں رکھا اپنا کمپنی والا وِزِٹنگ کارڈ اسے دیا۔ اس نے میرے کارڈ کے پیچھے کچھ لکھا اور مجھے واپس کر دیا۔ میں نے چونک کر اس کا چہرا اور اپنا کارڈ دیکھا۔ وہاں اس کا نام اور موبائل نمبر لکھا تھا۔ میں نے اس کا نمبر اپنے موبائل میں محفوظ کر لیا۔

''تم میرا علاج کروگی؟''، میں نے پوچھا۔

''علاج؟..تم بیمار نہیں ہو۔''

''کاؤنسلنگ کروگی؟''

''تمھیں اس کی بھی ضرورت نہیں۔''

''فیس دوں گا۔''

''تم آربی کے دوست ہو۔''

''الجھ جاؤں تو تمھیں کال کرسکتا ہوں۔''

''اسی لیے تو...'' تبھی ڈاکٹر مینا گھوش آئیں۔ وہ کچھ دیر ساتھ بیٹھ کر میری زندگی اور مسائل کے بارے میں بات کرتی رہیں۔

''آؤ، میڈیٹیشن کریں'' دھیرے دھیرے ہلکا سا پندرہ بیس منٹ تک میڈیٹیشن کروایا۔

''تمھاری جگہ میں ہوتی تو یہی کرتی۔ نارمل ہو''، ڈاکٹر مینا گھوش نے اِدھر اُدھر کی باتوں میں کہا، ''پندرہ دن بعد کا اپائینٹمینٹ لے کر جاؤ۔ او کے!'' ڈاکٹر گھوش نے دوا کا پندرہ دنوں کا کورس لکھ کر دیا، جسے میں نے ٹھیک سے لیا نہیں۔

''پاگل ہوگیا ہے! تجھے کسی سائیکلوجسٹ ڈاکٹر کی ضرورت ہے؟'' مہک کو بتایا تو وہ بولی۔

ساحل بولا ''دیکھ بھائی تو پاگل نہیں ... تجھے صرف ذرا سے سہارے کی ضرورت ہے! سائیکلوجسٹ کون ہوتا ہے؟

''ڈاکٹر ہوتا ہے۔''

''مگر اس کے پاس مریض کم آتے ہیں کیوں کہ یہ امریکہ نہیں، ہندوستان ہے۔ مریض کم آتے ہیں اس لیے اسی کو کھینچتے ہیں، فیس لیتے جاتے ہیں، ہاتھ آیا مریض چھوڑتے نہیں، دوا لیتا ہے لے، مگر ہمیشہ لیتا رہے گا۔'' ساحل نے اپنی سُنی مجھے سنائی۔

''ہمیشہ نہیں لوں گا۔ اتنا کمزور نہیں کہ حل نہ نکال پاؤں ...اور نہ وہ ایسی ہے۔''
تصور میں سائرہ آ گئی۔

گھر آتے ہی میں نے ڈائری میں نجانے کیا لکھا۔ آنکھ لگ گئی تھی نا! جاگا تو ڈائری کو سینے پر پایا، پتہ نہیں کب لکھ دیا تھا، ''زندگی ایک موقع ہے۔ اب ثابت کر سکتا ہوں، کچھ بھی سامنے آ جائے۔ تیار رہوں گا اور جلد ہی اِن حالات سے باہر آ کر اپنی راہیں ہموار کر لوں گا!''

سوچا، جو چیز خود اعتمادی دے رہی ہے وہ ہے حوصلہ۔ سمجھداری حوصلے سے آتی ہے۔ اسی وجہ سے کہتا ہوں کہ ہر چیز کا سامنا کرنا چاہیے۔ اپنے تجربے ہوں، اپنے حوصلے ہوں، اپنے حل ہوں۔ اگر کوئی الگ طرح کی بات کرتا ہے تو یقین نہیں کروں گا کیوں کہ اسی طرح زندگی جینا چاہتا ہوں۔ کیوں کہ جو دیکھا وہی سچائی ہے، اگر کوئی رائے دیتا ہے اور امکانات بتاتا ہے تو سن تو لوں گا مگر آخر کار میں خود ہی فیصلہ کروں گا .... کیوں کہ یہ میری زندگی ہے اور کیوں کہ یہی قدرت کا، زمانے کا قانون ہے، جس پر ہر آدمی چلتا ہے۔

یہ میں کس وجہ سے کہہ رہا ہوں؟ بس اس لیے کہ آج کل ایسے لوگوں میں گھرا ہوں جو میرے حالات کے لیے الگ الگ راہیں اور امکانات بتاتے ہیں مگر شاید ایک بھی انسان ایسا نہیں جس نے میرے حالات کے لیے، پریشانیوں کے لیے میری طرح حل نکالا ہو!

سمجھتا ہوں ہر آدمی کی الگ آئیڈیالوجی، خیال، فکر ہے مگر کہیں نہ کہیں یکسانیت تو ہوتی ہوگی، آخر میں بھی انسان ہوں اور ہر انسان میں کچھ یکساں سوچ اور یکساں برتاؤ ہوتے ہیں، جیسے آگ لگ جائے تو ہر آدمی ہنگامی صورتحال کی کھڑکی کی طرف دوڑتا ہے یہ ایک عام اور یکساں سوچ ہے۔ لیکن کچھ لوگ بے وقوفی سے ادھر اُدھر بھاگتے رہتے ہیں۔ ایسے حالات ایک سال پہلے تھے۔ ایمرجنسی ایکزٹ کا پتہ نہیں تھا۔ یہاں وہاں گھوم رہا تھا۔ ماں باپ بھی نہیں تھے ...... یا یوں کہیے، تھے تو مگر ان کی طرف سے کوئی سہارا نہیں تھا۔ وہ اپنی زندگی جینے اور اپنے مسائل حل کرنے میں مصروف تھے۔ دوسرے بچوں کی طرح زندگی نہیں تھی۔ انھوں نے مدد کرنے کی کوشش تو کی مگر اتنا کافی نہیں تھا۔ وہ لوگ سوچتے نہیں تھے

کہ اس کا مجھ پر کیا اثر ہوگا؟' اس وجہ سے مجھ میں ایک تنہائی پسندی کا رویہ آ گیا اور یہ ایک وجہ ہے کہ اپنے ماں باپ پر بھروسہ نہیں ہے۔ یہ دیکھا ہے کہ لوگ اپنے ماں باپ کے لیے جان دینے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں مگر جب میری بات آ جاتی ہے تو مجھے اپنے ماں باپ کی کوئی فکر نہیں۔ .... کیا میں غلط ہوں؟ ماں باپ میرے لیے کبھی فکر مند نہیں رہے۔ وہ اپنی زندگی کے بارے میں ہی سوچتے رہے۔ میں بھی وہی کروں گا نا!۔ میں ڈائری بند کر کے اس پر سر رکھ دیتا ہوں۔

مجھے بچپن بُری طرح یاد آنے لگتا ہے... واشی میں سب ساتھ رہتے تھے۔

"سنیچر یا اتوار 'واشی۔ چوپاٹی'، ساگر وہار جائیں گے"، طے تھا۔

مما کی طرف سے ہم سبزی خور تھے، ڈیڈ کی طرف سے مانساہاری۔ مما واشی میں نان ویج بناتی تھیں، کھاتی نہیں تھیں۔ ڈیڈ کے رشتے دار گھر میں پڑے رہتے۔

دونوں اہنکاری تھے۔ انا اس لیے کہ کماتے تھے مما نے سولہ سال برداشت کیا کیوں کہ مما درگزر کرتی تھیں۔ ورنہ چند مہینوں میں ہی اُن کی شادی ختم نہ ہو جاتی! بعد میں چنگاری لگی، جھگڑا ہوا، ڈیڈ نے انھیں باہر نکالا۔

"تُو کماتی ہے، کیوں سہتی ہے؟ وہ تجھے ایسا ویسا کیسے سمجھ سکتا ہے؟"، باہر والے بولے ہوں گے۔

"کیوں جھکتی ہو؟ پولیس کمپلینٹ کرو۔" دوستوں نے کہا ہوگا! پتہ نہیں لوگ کیا کیا کہتے ہوں گے! پلاسٹر مضبوط ہوتا گیا ہوگا!

ڈیڈی سنگت چھوڑ نہیں سکتے تھے۔ شاید انسان کی اور خاص طور پر مردوں کی سب سے مضبوط ہی نہیں، سب سے کمزور چیز بھی سنگت ہے۔ کمزور اس لیے کہ اٹک گئے، تو اٹک گئے۔ کوئی ساتھ دے یا یقین دلائے کہ وہ ساتھ ہے۔ بس پھر وہ حد سے زیادہ جنونی ہو گئے۔ کم لوگ خود کو کنٹرول کر سکتے ہیں۔

"کیا رے! بیوی نے پولیس کمپلینٹ کی!... تیرے تو بارہ بجا ڈالے یار!؟"

'بات سب سے کر لو مگر آخری فیصلہ خود کرو'...... یہ فارمولہ ڈیڈی کے پاس نہیں

تھا...... ڈیڈ کہیں نہ کہیں غلط بھی تھے۔ بہک گئے۔ پیسے کی طاقت کا گھمنڈ ہو گیا تھا انھیں۔ کم وقت میں محنت سے سہی، کافی جائیداد بنالی تھی انھوں نے! شاید اسی لیے فیملی والوں کی بے عزتی کرتے!

ماں باپ دونوں کی وجہ سے میری زندگی بدل گئی۔ ساتھ ہوتے تو جو بن پاتا، وہ نہیں ہوں۔ شاید لاپرواہوتا! آسان پسند ہوتا! ماں باپ کا پیسہ ہے، اڑاؤ............ یہ سوچتا! یا شاید پڑھائی مکمل کر کے کسی اچھی پوسٹ پر ہوتا! یا پھر ساتھ رہتے تو شاید اپنے دم پر کبھی کچھ نہیں بن پاتا!............ اب کم سے کم امید تو ہے، اب مجھے خود بننا ہے۔ شاید اس لیے ان کے ساتھ نہیں ہوں۔ میں نے ڈائری میں لکھا، '' آج بھی کوئی پوری طرح میرے ساتھ نہیں۔ مما ہفتے میں دو تین دن گھر آتی ہیں۔ رات میں گھر پر نہیں رہتیں۔ اتوار کو پورا دن ساتھ رہتی ہیں، ورنہ اتوار کی رات بھی گھر نہیں رہتیں۔ مما نہیں آتیں تو ذہن خالی خالی سا محسوس ہوتا ہے۔ گیارہ بارہ سال... ایک ہی دن میں یاد آجاتے ہیں! بہت سی چیزیں جن کا گہرا اثر ہوا ہے...... یاد نہیں آتیں مگر عجیب سا اثر تو رہتا ہے۔''

تبھی مما کا فون آ گیا۔

''آج آؤں کہ نہیں!

''میں کسی پر دباؤ نہیں ڈالتا۔ لوگ کیوں کرتے ہیں؟... مجھے پتہ نہیں۔''

''مما گھر آنے سے پہلے پوچھتی ہو، کیا کروں؟ آؤں کہ نہیں؟ تم ہو تو آتی ہوں؟''، میں جھنجھلا جاتا ہوں، ''مام آپ پوری طرح آکر نہیں رہتیں!''

''نہیں۔ آنا ہو تو پوری طرح آکر رہو، ورنہ مت آؤ! تمھارے بغیر رہ لیتا ہوں!''، میں کہتا ہوں۔

''یہ لے، چائے پی لے!'' کبھی کبھی مجھے پکڑ کر رکھتی ہیں۔

''دودھ پی لے!''

''اچھا تو کھانا کھالے!'' وہ دُلار سے کہتی ہیں۔

''لڑکے بھی کھانا بنانے میں ماہر ہوتے ہیں۔ڈیڈی کے ساتھ پکا لیتا تھا۔اب باہر کھا لیتا ہوں، گھر پر کام کرنا چھوٹ گیا ہے۔''میں روٹھا سا لگتا ہوں۔

☆ دادا اور میں

آفس سے گھر آیا............ گھر یعنی 'نیرول سی ووڈس' کا گھر، جواب صرف 'سی ووڈس' کہلاتا ہے۔

''تو اکیلا نہیں۔ مجھ پر بھی وہی گذرتی ہے!''وہی محسوس کرتا ہوں۔............ بالکل اکیلا۔جس کے ساتھ لگاوٹ ہوتی ہے وہ چھوٹ جاتا ہے۔''، بھائی ملنے آیا، بے چین سا، اداس سا تھا، رویا۔

تب سوچا میں اکیلا نہیں، بھائی بھی اسی ناؤ کا سوار ہے۔ممی کیا کرتی ہیں، کیا نہیں! میں کبھی نہیں پوچھتا۔ بھائی بھی پریشان سا رہتا ہے مگر پتہ نہیں کیسے خود کو سنبھالتا ہے۔مگر وہ نرم ہو سکتا ہے، میں نہیں۔اس کے اور میرے حالات میں بہت فرق ہے، پہلے سے ہی۔میں لوگوں کو 'نا' نہیں بول پاتا۔ یہ بندہ جلدی ہتھیار ڈال دیتا ہے۔میری طرح اسے بھی کسی نے سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی۔شاید اس لیے ہم دونوں ہی اکیلا محسوس کرتے ہیں اور آج بھی زندگی اکثر مشکل لگتی ہے۔

☆ مجبوری!

''مجبوری میں تجھے کو 'ہاں' کہا تھا!''، دھیرے دھیرے مہک نے راز کھولا ''میں بچپن سے پنویل میں تالاب مندر روڈ پر 'سونا بلڈنگ' میں رہتی ہوں! وی کے گرلس اسکول میں پڑھتی تھی۔''

''مراٹھی میڈیم میں تھیں؟''

''ہاں۔ جونیئر کالج میں سچن ملا، یہ میرا پہلا بوائے فرینڈ تھا۔، دونوں ساتھ گھومتے پھرتے تھے۔سچن مجھ سے پیسہ مانگتا تھا۔ایک بار اس نے جسمانی ہونے کی کوشش

کی، میرا من ہٹ گیا۔ میں نے اپنے ایک اور دوست سنجے سے اس کی شکایت کی۔''

''وہ بھی شاید ٹلا بیٹھا ہوگا۔ تمہارے قریب آنے کا اس کو موقع مل گیا ہوگا۔''

''ہاں۔ اس نے سہارا دیا اور مجھے اس رشتے سے باہر آنے میں مدد کی۔''

''اس طرح کہ تم سنجے سے بندھتی گئی ہوگی۔''

''اس کے باوجود مجھے سنجے کی ایک بات سخت ناپسند ہے۔'' میں مہک کا چہرا دیکھنے لگا۔

''وہ بہت جھوٹ بولتا ہے۔ بی ایس سی سیکنڈ ائیر میں وہ فیل ہو گیا تھا، مگر بولا کہ تھرڈ ائیر میں ہوں!.. مجھے تو ایک سال بعد پتہ چلا کہ وہ سیکنڈ ائیر میں ہے! میرے من میں چڑ سی آ گئی۔ سنجے دل سے اترنے لگا۔''

''میری بات نہیں سنتا!''

''دوستوں کے ساتھ باہر جاتا ہے''

''رات کو کال کرتا ہے .... میرے گھر میں ممی ڈیڈی رہتے ہیں۔ ....بہت بار منع کیا، نہیں سنتا۔''

''دوپہر میں دو گھنٹے سوتی ہوں، جانتا ہے پھر بھی فون کر کے پریشان کرتا ہے۔'' مہک لگاتار سنجے کی شکایت کیے جا رہی تھی۔

''تھوڑا وقت لگے گا، سنجے سے چھٹکارا پا لوں گی، تمہارا ساتھ پانے کے لیے ......!'' میرے پرپوز کرنے پر مہک چہک کر بولی تھی۔

''ٹھیک ہے، مگر کوشش ہوتی دکھائی دینی چاہیے، ہاں!''

''او، یس!''

سنجے اور مہک اب بھی فون کرتے، فلم دیکھتے۔

''ایسے کیوں کرتی ہو؟ اُس سے بات کیوں کرتی ہو!'' میں بہت حق جتاتے ہوئے کہتا۔

''یہ میری لائف ہے......!'' اس نے بے ساختہ کہا، پھر سنبھل کر بولی، ''میں چھوڑنا چاہتی ہوں مگر ٹائم تو لگے گا!''

''دھیرے دھیرے دوستی کم کرتی جارہی ہوں نا!''

''دھیرے دھیرے!''

''چھوڑ دیا نا!''

لیکن ڈیڑھ سال تو لگ ہی گیا۔

''....کچھ کروں؟...... سنجے کے پاس جاؤں اور اس سے بات کروں؟''..........

مجھے من کے اندر سے دباؤ آتا تو اپنے آپ سے کہتا۔

''کیوں مہک کے پیچھے پڑا ہے؟...چھوڑ دے!''، میں آئینے میں اپنے آپ سے کہتا۔

جب بھی میں مہک سے سنجے کے بارے میں سنتا، برا لگتا۔

''میں کچھ کروں!''، میں مہک سے پوچھتا ہوں۔

''تم سے کچھ نہیں ہوگا میں ہی کروں گی، جو کرنا ہے!'' مہک جھٹ سے کہتی ہے۔

''شاید تمھیں میری ضرورت نہیں! ورنہ اتنا ٹائم نہیں لگاتیں!'' میں پریشان ہو اٹھتا۔ کبھی کبھی چاہتا مہک کو سنا دوں۔ رشتہ بکواس لگتا، توڑ کیوں نہ دوں؟'

مجھے کبھی لگتا نہیں کہ وہ میرا ساتھ دے رہی ہے! اس کا ساتھ بڑا خوشگوار ہے۔ جیسے ہی وہ سنجے کے بارے میں بتاتی، مجھے غصہ آجاتا وہ فوراً موضوع بدل کر کچھ اور پوچھنے لگتی،

''تمھارے گھر میں کیا چل رہا ہے؟'' وہ بات کا رُخ بالکل دوسری طرف موڑ لے جاتی ہے، انسان کو اپنے میں الجھائے رکھنے کا ہُنر اسے آتا تھا، اسے مجھ میں کیا اچھا لگتا تھا؟ پتہ نہیں!!

''تو کیوں مجھ سے پیار کرتی ہو؟ کیا اچھا لگتا ہے مجھ میں؟''

''تمہارا نیچر بہت اچھا ہے! غلط کام نہیں کرتے، کسی کے بارے میں غلط نہیں سوچتے!'' پتہ نہیں کہ وہ سچ کہہ رہی تھی کہ نہیں!

''اور برا کیا لگتا ہے، مجھ میں؟''

''جب بھی جھگڑا ہوتا ہے، تم بہت بری طرح react کرتے ہو۔''

''اسی لیے تو پوچھ رہا ہوں کہ سدھار کر سکوں۔''

''تو کبھی نہیں سدھرے گا، جیتو! ہمیشہ چڑ چڑ کرے گا، تیرا نیچر ہے، چھوڑ نہیں سکتا۔'' وہ 'تو' پر اُتر آتی ہے۔

''میرے حساب سے چیزیں ہونے لگیں گی تو کس بات کی چڑ آئے گی؟......''

''جیسے؟''

''جیسے اگر تم لڑکوں سے بات کرنا چھوڑ دو! بلا وجہ کسی بھی لڑکے سے بات کرنا اچھا نہیں ہوتا! کوئی بھی بات کرنے آئے .... شروع ہو جاتی ہو، بنا سوچے کہ کس مطلب سے آیا ہے، کیا چاہتا ہے؟ سوچتی بھی نہیں!''

''تمھیں کیا لگتا ہے؟ اس کا مطلب تمھیں کو سمجھ میں آتا ہے؟''

''اس وقت مجھے لگتا ہے تم بھی سامنے والے کو رجھانے کی کوشش کر رہی ہو اور اپنی طرف کھینچنے کی بھی!''

''چل ٹیرس پر جاتے ہیں!'' اُسی وقت ایک کلاس فیلو سندیپ مہک کی پیٹھ پر ہاتھ مار کر کہتا ہے۔

''چل!'' میرے سامنے ہی وہ اٹھ کر چلی بھی جاتی ہے۔ شاید میری گستاخی سے چڑ سی گئی تھی۔

کلاس روم میں جب مہک سیٹ پر بیٹھی ہوتی، دونوں طرف بیٹھے لڑکے اسے دبا دیتے۔ اپنے دونوں کندھوں پر اُنکے ہاتھ رکھوائے وہ ہنستی نظر آتی۔

''کیا کر رہی ہو، مہک؟ لوگ چانس لے رہے ہیں، تم انھیں چانس دیتی ہو!؟''

میں ان کے جانے کے بعد چڑتا۔

''وہ میرے دوست ہیں!''

''جنھیں تم دوست سمجھتی ہو، ان کے دل میں کیا ہے، سوچتی ہو؟''

''ارے! کیا..................ی......ی......یار!...کیا ہو گیا......آ..............!''
''کبھی کچھ برا ہو گیا تو!''
''میں ہینڈل کر سکتی ہوں!''، وہ جھگڑنے لگتی۔
''مجھے مت ٹوکو!'' اس کے لفظوں کی چبھن میں نے محسوس کی۔
''تم اکیلے نہیں، جو مجھے چاہتے ہو۔ جس کالج میں گئی ہوں، ایک نہ ایک لڑکے نے پرپوز کیا۔'' وہ ایسے کہتی جیسے احساس دلا رہی ہو، 'تم نہیں تو کوئی اور آ جائے گا اظہارِ محبت کرنے کو!' شاید میں عام لڑکوں جیسا ہوں، وہ بتاتی ہے۔ اس احساس سے مجھے جلن ہوتی ہے۔
''تم ایسے کیسے بول سکتی ہو؟'' میں نے پوچھنا چاہا تھا مگر سیدھے پوچھا نہیں۔
''دیکھو، یہ نارمل ہے!'' مجھے ناراض دیکھ کر وہ کہتی ہے، ''لڑکے ایسے ہی ہوتے ہیں۔ کہیں بھی جاؤ وہ پیچھے آ ہی جاتے ہیں۔ بات کرنا تو چھوڑ نہیں سکتے نا......!''
میری بولتی بند ہو جاتی ہے! وجہ ہی اتنی مضبوط تھی۔
اتنا تو طے تھا کہ مہک اپنی ذاتی زندگی نہیں کھولتی۔
''مجھ سے کہو کل تمھاری لائف میں کچھ ہو گیا، تو مدد کر پاؤں......سب کہو!''
''میری لائف میں جو بھی پرابلم ہیں، میں خود حل کر لوں گی۔''
''جو تمھیں چاہتا ہے اس سے بتانا بُری بات ہے کیا؟''
اس کے جھگڑنے پر میں جاننا چاہتا تھا، ''تمھارا ماضی کیا ہے؟''
''کیسے تھیں تم اسکول کالج میں؟''
پوچھ نہ سکا، ایک انداز سے پوچھا بھی تو جان نہ سکا، یہی جاننے کے لیے میں پنویل میں گھومتا رہتا۔ اس کے گھر کے آس پاس ٹہلتا رہتا، کالج کے پاس جاتا تا کہ کچھ پتہ چلے۔ مہک کی ذہنیت سمجھوں۔...میں ہر جگہ جاتا، اس کے 'کرنالا برڈ سینکچوری' والے گھر بھی گیا، جہاں وہ بچپن میں رہتی تھی۔
شروع میں، میں لیے دیے رہتا تھا۔ مہک سے دور بیٹھ کر بات کرتا، ہر لفظ بولنے سے پہلے سوچتا کہ اس لفظ کا کیا اثر ہو گا۔ شاید اسی لیے اُس کے لیے میں آسان شکار تھا۔

جیسے سوچتی ہو، ''چاہوں ویسے موڑ لوں گی!''

''لچکدار جو ہے!''

''اِس کو سہارے کی ضرورت ہے!''

''..........بہت دیوانہ بنالیا ہے!''

سچ ہے اس کے بغیر سوچ سکتا تھا، نہ جذباتی لگاؤ کے بغیر رہ سکتا تھا، جیسے بچپن میں ماں کو سب کچھ بتاتا تھا، ویسے ہی اُسے سب کچھ بتاتا!

''آج سیلری ہوئی ہے..........کیا کروں؟''

''شرٹ کم ہیں، لوں کہ نہیں!'' میری ہر چھوٹی چیز میں وہ شامل تھی، مگر میں اس کی کسی چیز میں نہیں تھا۔

''میں یہ کُرتی لوں گی!'' اگر اسے خود کہنا ہو تو کہے گی۔

ہفتے میں تین چار بار ہم واشی کے 'بھگت تاراچند' یا 'چاب' جیسے مہنگے ہوٹلوں میں کھانا کھاتے۔ سارے پیسے خرچ ہو جاتے۔ اسے گھر سے لانا اور چھوڑنا یہی میرا کام تھا، گھر سے دور ہی ملتی، اس نے پورا دھیان رکھا کہ گھر کے کسی فرد ہی نہیں، دوستوں کو بھی پتہ نہ ہو، کالج کے دوستوں کو بھی نہیں۔

''بازو ہٹو، مہک سے دور رہو!''، یہ میں کسی سے کہہ نہیں پاتا۔ جب کالج کے فرینڈ سرکل کو بھی نہیں پتہ تو کیسے کہتا..........اور کس حق سے......!

''تیرا اور مہک کا افیئر ہے کیا؟'' دوست پوچھتے۔

''نہیں!'' مہک مجھے پسند ہے، یہ تو سب کو پتہ تھا، اسے میں پسند ہوں یہ کسی کو پتہ نہیں تھا۔ وہ کہنے کو منع کرتی۔ ''لوگوں سے کہو گے تو پرابلم ہوگا!''

''بلاوجہ سب جگہ پھیل جائے گا۔ کالج پنویل سے بہت دور نہیں ہے۔ بات پھیلنے میں وقت نہیں لگے گا۔ غلطی سے میرے ماں باپ کو پتہ چل گیا تو..........!''

میں اس کے ساتھ ساتھ رہتا جیسے میں ڈراپ پک اپ کا فری لانسر ڈرائیور تھا۔ ہم لاء کالج جوائن کرنے کے بعد دو سال ساتھ رہے۔ فرسٹ ائیر پاس ہو گئے۔ سکینڈ ائیر

میں دونوں کو ڈراپ لگا۔ مجھے تو چار پانچ مضامین میں اے ٹی کے ٹی تھا۔ اسکے بعد مہک نے زور لگایا، آگے بڑھ گئی۔ آج وہ پانچویں یعنی آخری سال میں ہے اور میں ابھی بھی تھرڈ ائیر میں ہوں! تیسرے سیمسٹر کے تین اور چوتھے کے تین پیپر میں پاس ہونا ابھی باقی ہے۔ اس بار بھی امتحان میں بیٹھا لیکن 'ہسٹری آف کورٹس' مضمون کے امتحان کی تاریخ دھیان سے نکل گئی تھی۔

"لاجک کا امتحان اچھا ہوا ہے، پاس ہو جاؤں گا!"

"او......!"

مہک آگے نکل گئی۔ اس میں اچانک تبدیلی آ گئی!............

ہم فرسٹ ائیر میں ہمیشہ ساتھ گھومتے، بہت باتیں کرتے۔

"ایسے کرو...... جھگڑا ہوتا ہے، تو ڈیڈ کو نظر انداز کرو۔"

"جاب جوائن کرو، پیسے ملیں گے تو کسی پر آدھار نہیں کرو گے۔"

ماں کے بارے میں اکثر سمجھاتی،

"آخر ماں، ماں ہے۔ ان کے ساتھ رہو۔"

میں نے اسکا مما سے تعارف بھی کروایا ہے۔ اچھی طرح سے بات کرتی ہے ان سے۔

"چل مام کے پاس چلتے ہیں۔" اسکے ساتھ گھومتے ہوئے میں کہتا۔ ہم ڈیڈ کی بائیک لے کر مما سے ملنے ان کے چیمبور آفس جاتے۔

"مجھے اچھی لگتی ہے!" مما نے کہا،

"ہاں سچ میں ہے اچھی!"

میری آنکھوں میں مہک اتر آتی۔............ کندھے تک بال............ ذرا سی بائیں طرف کی مانگ، اسمارٹ دبلی سی!

"بہت اکڑ ہے۔" مما ذرا رک رک کر مہک کے بارے میں اپنا خیال ظاہر کرتی

ہیں،'' وہ تمھیں دبا رہی ہے۔ اسے پتہ ہے کہ تمھیں کیسے قابو میں کرے!''

'' .... تمھیں جانتا ہے، اسے پتہ ہے کہ لڑکوں کو بوتل میں کیسے اتار جا سکتا ہے!'' دو تین بار مما نے کہا، مگر دل مانا نہیں کیوں کہ مما جیسی لگتی۔ میں بڑبڑتا،

''میرے لیے تم ہی میری فیملی ہو میک! وہ جو پریوار سے مجھے ملنا چاہیے، پریوار سے نہیں بلکہ تم سے ملتا ہے! محبت، لگاؤ...... اور ایک طرح کا فوبیا سا ہو گیا ہے۔ کہیں جانا ہو تو اچھا نہ لگے......'' ...... دوستوں کے ساتھ جاتے ہوئے جیسے سوچتا ہوں کہ اب مہک کا فون آئے گا، بہت چلائے گی۔

یوں کہنے کو اُس کا مجھے سہارا نہیں تھا۔ اِن ڈائریکٹ تھا، اس کا وجود ہی اہم تھا۔ کوئی ہے زندگی میں .... نام کو ہی، آج بھی ہے۔ آج بھی آجائے زندگی میں تو قبول کر لوں گا!

☆ قریب

شروعات میں مجھے کچھ پتہ نہیں تھا۔

قربت سے نفرت کرتا تھا۔ عجیب لگتا کہ اچانک قریب آجاتی ہے، مشکل تھا۔

''دیکھو جب پیار کرتے ہیں، تو شبد سب کچھ نہیں بتاتے۔ خاموشی کی بھی اہمیت ہوتی ہے!''، کہہ کہہ کر مہک نے مجھے اپنے موافق کر لیا، کب الجھا پتہ نہیں۔ شاید اس لیے اتنی تکلیف ہوتی ہے رشتے سے باہر نکلنے میں ....!

''میں مہک کی سوچ بدل ڈالوں ...... تو کیا حرج ہے! اب اگر کوئی اور لڑکی لائف میں آجائے گی تو کیا کہوں گا!''، دل کی عجیب گتھیوں میں الجھتا۔ میں کبھی آگے نہیں بڑھا تھا۔ یہ ہوا تو اتنا .... کہ پتہ نہیں چلا ...... پرپوز کرنے کے ڈیڑھ دو سال بعد .... تب مجھے اس کی زندگی سے ایک طرح سے نکل گیا تھا۔ نیرول اسٹیشن کے سامنے ڈاکٹر راج اسپتال میں تھا۔ میں نے خود کو چاقو گھونپ لیا تھا، اس وقت میری عمر بیس سال تھی اور جب ڈیڈی کی تیسری بیوی مینا ساتھ تھی۔ یہ اُن دنوں کی بات ہے ...... مہک صبح آٹھ ساڑھے آٹھ

بجے آتی اور شام چھ بجے تک سرہانے بیٹھتی۔ ایک دن تو سات بجے تک بیٹھی تھی۔

''یہ نہیں کرنا چاہیے تھا، میرے بارے میں بھی سوچنا چاہیے تھا!''، اسپتال میں مہک نے کہا تھا۔ کتنی ہمت ملی تھی اُس کی بات سے............!

''ہاں سچ ہے!'' میں نے اس کا ہاتھ تھام کر کہا تھا۔

اسپتال سے ڈسچارج ہو کر نیرول کے سی ووڈس پہنچا۔

''پریشان مت رہا کرو۔ جو کچھ ہوا سو ہوا، اتنا مت سوچو۔ جتنا سوچو گے، پریشانی ہوگی۔''

مہک سمجھا رہی تھی، ''میرے بارے میں، اپنے بارے میں سوچو۔ اپنے کریئر کے بارے میں سوچو۔''، اس دن ڈیڈ باہر گئے تھے۔ میرے پیٹ کے ٹانکے ابھی سوکھے نہیں تھے۔ مہک مجھ سے لپٹ کر رو رہی تھی۔ 'وہ سچ مچ میرا کیئر کرتی ہے،' میرے دل نے کہا۔ کئی دن گذر گئے، ہم قریب ہوتے گئے مجھے اچھا نہیں لگا۔

''ڈرمت! اٹس اے پارٹ آف لائف!''، مجھے کانپتا دیکھ کر اس نے کہا ''پیار کی وجہ سے سچ کرنا برا نہیں، رشتہ مضبوط ہوتا ہے۔''، وہ مجھے اِملا دیتی .... جانتا تھا، اس کا پہلے سے ہی کسی سے تعلق تھا، خیال میں بھی آتا، کرنا چاہیے کہ نہیں، پتہ نہیں کب ضبط چھوٹا! کبھی وہ آتی، کبھی میں خود اس کے پاس جاتا۔ بعد میں دھیرے دھیرے مہک نے منع کر دیا... مگر مجھے عادت پڑ چکی تھی، ایک بُرا سا احساس،... چھوڑے جانے کا احساس!

''بس کرتے ہیں، آگے ہمارا فیوچر نہیں ہے!''، وہ گھر آتی، کہتی۔

سنتا تو دماغ میں طوفان اٹھتا۔ پھر آج تک کیوں ہوا؟ غلط تھا۔.... مگر آیا کیسے اتنی دور؟ سب پتہ تھا، پھر بھی ہونے کیوں دیا؟ ہونے دیا تو پھر کیوں نہیں نبھانا؟ ابھی چاہتا ہوں کہ نکال دوں زندگی سے۔ الجھا ہوا ہوں۔ یہ ایسی بات............ کہ جکڑ رکھا ہے چھ سات مہینوں سے۔ مہک چہرے پر گھبراہٹ دکھاتی ہے۔ بے چینی دکھاتی ہے۔ کبھی میں نے زبردستی نہیں کی۔ جب بھی وہ آتی شروع کرتی، لیکن جب ساتھ ہوتا تو خود کو ہٹا لیتی۔ ہر بار کی کہانی ہے۔ ''ہم پوری طرح کبھی ساتھ نہیں تھے۔'' بات کو گھما پھرا کر جتاتی۔

''ایسے نہیں کرنا چاہیے تھا۔''

تین چار مہینے پہلے آئی تھی۔ میں دور بیٹھا تھا، 'فیصلہ کچھ نہیں کرنا............ بات بھی نہیں کرنی'، یہ سوچ کر بیٹھا تھا۔

''فلم دیکھنے چلتے ہیں؟''، وہ پاس آئی، سینے سے لگ گئی۔

''کیا فائدہ ہے ان سب چیزوں کا؟ کیوں نزدیک لے رہی ہو؟ ہمارے رشتے کا مستقبل تو نہیں ہے نا!''

''ہاں! میں خود کو اس لیے روکا کرتی ہوں کہ نلیش کو دھوکا نہیں دینا چاہتی!''

''اب یہ نلیش کہاں سے آ گیا بیچ میں؟ کون ہے یہ؟''، میں تڑپ کر پوچھتا ہوں۔

''جونیئر کالج میں میرے ساتھ پڑھتا تھا۔ سات آٹھ برسوں سے جانتی ہوں۔ مجھے لگتا ہے اس سے میری شادی ہو پائے گی۔ میری ذات کا ہے۔ فیملی بیک گراؤنڈ اچھا ہے۔ ہمارا تمھارا رشتہ پتہ چلے گا تو!... نہیں ہوگا..... میں تم سے تین سال بڑی بھی تو ہوں نا!''

''تم بھگوان نہیں! اپنے ڈیڈ سے ایک بار بتا کر تو دیکھو۔ جیتیش نام کا ایسا ایسا لڑکا ہے۔ ڈیڈ منع کریں تو اور بات ہے!''

''مجھ سے نہیں ہوگا!''، مجھے یقین تھا کہ گھر والے مان جائیں گے، وہ انھیں منا سکے گی مگر اسی کے من میں نہیں!

''ایک انسان ایک زندگی میں کتنی بار پیار کر سکتا ہے؟''، میں نے مہک سے تڑپ کر پوچھا تھا؛ ''میری نظر سے دیکھو تو ایک ہی بار کر سکتا ہے۔''

''نہیں، ایسا نہیں ہے، ذرا تصور کرو، آس پاس دیکھو، لوگوں کی شادیاں ہوتی ہیں۔ شادی ہونے کے بعد بھی لوگ دوسروں کے پاس جاتے ہیں۔ پیار کی تلاش میں نا! تمہارے ممی ڈیڈی کی مثال لو۔ ممی کو چھوڑ کر ڈیڈی مینکا کے پاس گئے اور اب کسی اور کے ساتھ ہیں۔''، میں چپ ہو جاتا ہوں۔ دل میں تھا، ''ایک بار پیار کرتا ہے انسان ٹوٹ کر۔''... مگر مہک کے بات کرنے کا ڈھنگ کچھ ایسا ہوتا ہے کہ میرے پاس الفاظ نہیں ہوتے۔ کیسے سمجھاؤں؟ کیسے اس کی ذہنیت کو تبدیل کروں؟............ مگر کر نہیں

پاتا۔ .... 'ہوجائے گی ......!'، یقین کرنے لگتا۔

دس منٹ بعد

''بہت یاد آرہی تھی!'' مہک کا فون ہے۔

''کیوں بھئی کیوں یاد آرہی ہے آج؟ .... اور اس طرح فون کر کے بتا رہی ہو!''

''ایسے ہی۔''

''تم تو میری بات سنو گی نہیں، پھر کیا فائدہ یاد کر کے؟''

شاید مہک کو مجھ میں دلچسپی نہیں رہی، صرف جتانا ہے کہ آج بھی یاد کرتی ہوں۔ یا شاید یہ کہ تم مجھے کیسے بھول سکتے ہو۔ وہ دن یاد ہے، جب بات کرتے کرتے اچانک اس نے کہا تھا،

''دس منٹ بعد بات کرتی ہوں۔''

''کیوں؟ کیا ہوا؟''

''....تجّے کا کال آرہا ہے، بعد میں بات کرتے ہیں۔''

پینتالیس منٹ بعد میرا کال لیا، میں نے چار بار کوشش کی تو اس نے فون اٹھایا۔

''تم تھوڑی دیر رک نہیں سکتے کیا؟''

ایسے ہی ہوتا تھا۔ جب پرپوز کیا تھا۔ مجھے یاد آتا ہے، ہم لوگ دو۔ دو گھنٹے بات کرتے تھے۔ آج وہ تجّے سے اُتنی ہی دیر بات کرتی ہے۔ چھو کر گئی یہ بات! دِل ہی چیر گئی۔

☆ ڈراکیولا

اُن دنوں مجھے لگتا، کچھ لوگ انسان کو ترقی سے دور لے جاتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ کچھ لوگ کمینے اور مکار ہوتے ہیں۔ ان کے پاس طاقت ہوتی ہے، کسی آدمی کو سہارا دے سکتے ہیں۔ مدد کر سکتے ہیں مگر وہ بے کار ہوتا ہے کیوں کہ سہارا دے کر وہ اپنے پر منحصر کرواتے ہیں۔ اپنی عادت ڈال دیتے ہیں! اپاہج ... ہاں یہی... اس کی موزوں ترین مثال مہک ہے۔ اس عورت نے، جس نے میری زندگی میں بہت سی باتیں سکھائیں۔ کچھ سیدھے

سیدھے سکھائیں، کچھ اُسے دیکھ دیکھ کر سیکھیں۔ اُستاد مانتا ہوں۔ لوگوں کو کیسے بے وقوف بنائیں اور ان کی خوشیاں کیسے چھین لیں!.......... جانتی ہے! مدر نیچر کے بعد دوسرا اگر وہی ہے۔ اِس نام نہاد گرو نے مجھے ایک کٹھ پتلی بنا کر میرے ساڑھے تین سال کھا لیے۔

اب جب میں پیچھے دیکھتا ہوں تو مجھے احساس ہوتا ہے، کیسے اندھا بن کر اس کا پیچھا کر رہا تھا! مہک کو پتہ تھا کہ لڑکیاں dracula بھی ہو سکتی ہیں! تب تک ہو سکتی ہیں جب تک کام نہ نکلے۔...کام نکل گیا....تو دولتی!

اس نے مجھے آسانی سے مہیا ہونے والے ہتھیار کے طور پر استعمال کیا۔ پتہ ہے کہ اس کی زندگی میں میں نہیں، تو کوئی اور آئے گا جو اُس کی ایسی خواہشات کو پورا کرنا ہوگا!

"کبھی پریشانی ہو تو مست ہو جانے کا! سپنے میں!" ساحل کہتا ہے۔

میں بھی ڈائری لکھتے ہوئے مست ہو جاتا ہوں، اپنی سوچوں میں گم ہو کر۔

میں سمجھتا ہوں مہک مجھے بہت اچھی طرح سمجھتی ہے۔ جب کہ وہ پرواہ نہیں کرتی۔ میں سمجھتا تھا کہ کوئی ہو جو مجھے چاہے، میرا خیال رکھے، مگر وہ کہتی ہے! "تو لڑکیوں کا عادی ہے!"

"تو شادی کب کرے گا؟" ساحل پوچھتا ہے۔

"ابھی اس وقت تک رکنا چاہیے، جب تک کہ مہک کی شادی نہیں ہو جاتی!"، میں کچھ سوچتے ہوئے کہتا ہوں۔

"اپنے لیے کوئی لڑکی ڈھونڈ لے، شادی کر لے تبھی مہک تیرے لیے ایک بے کار چیز بن جائے گی۔" ساحل صحیح کہتا ہوگا!

.......مجھے بے درد ہونا چاہیے، جذباتی نہیں۔ روحانی اور مذہبی نہیں! جتیش! صرف اپنی پرارتھنا کرنی ہے! مدر نیچر ہے یہ مان کر چلنا ہے! مدر نیچر کی جے ہو!'، میں اپنے آپ سے باتیں کرنے لگتا ہوں۔

☆ کانفرنس کال

ایک دن میں نے سائرہ کو فون کیا، وہی ماہرِ نفسیات کی اسسٹنٹ اور آر بی کی

بیوی سائرہ۔

"سائرہ، تم میری منھ بولی بہن ہونا۔"

"منہ بولی!"، وہ میرے جملے کی ساخت پر حیران رہ گئی۔

"ارے بابا منہ سے نکل گیا۔ساری ساری!"، میں نے اپنے کانوں کی لوؤں کو چھوا۔

"سمجھ گئی۔مراٹھی سے ترجمہ کر کے بولتے ہو!"

"ارے وہ سب چھوڑو! ایک بات کہنی ہے تم سے... پرامس کرو، کسی کو نہیں بولوگی!"، مجھے بات کہنے کی جلدی تھی۔اسکے جواب سے پہلے ہی میں بتانے بھی لگ گیا، "میں سشما کو پرپوز کرنے جارہا ہوں۔تم پوچھوگی کیوں؟ تو سنو، مجھے لگتا ہے کہ مجھے سپورٹ کی ضرورت ہے۔اگر کوئی میری گرل فرینڈ رہے گی، تو مجھے صحیح راستہ دکھائے گی کہ کیسے آگے بڑھنا ہے۔"

"اور مہک؟"

"وہ میری زندگی سے باہر ہو چکی ہے۔مسئلہ یہ ہے کہ سشما پیوش کو بے حد پسند کرتی ہے مگر پیوش ہمیشہ اس سے کہتا ہے، 'تو کالی ہے اس لیے میری فیملی تجھے قبول نہیں کرے گی۔'"

"اور گرل فرینڈ بنا سکتا ہے؟"

"'ابھی مالی طور پر مضبوط نہیں ہوں۔جب کچھ بن جاؤں گا تو شادی کروں گا'، کہہ کر دوستی کر لی، اُس وقت وہ ایبڈؤ میں تھا۔اب اسے ضرورت نہیں۔اب وہ باپ کی سمینٹ کی دوکان پر بیٹھتا ہے۔سشما کو بھی ابھی پی جی کرنا ہے۔کسی پروفیشنل لائن میں جانا ہے۔بہت اونچے خیالات کی حوصلہ مند لڑکی ہے مگر پیوش کی وجہ سے سشما بھی دکھی ہے۔آخر اسے بھی سپورٹ کی ضرورت ہوگی ہی!"

"یہ کیا بات ہوئی!" سائرہ کو میری بات اچھی نہیں لگی۔

"سشما کا فون آرہا ہے! کانفرنس پر ڈال رہا ہوں!"، اُسی وقت میں نے بات کاٹ کر سائرہ سے کہا، "کچھ مت بولنا، صرف سننا، ورنہ اسے پتہ چل جائے گا"، اور

کانفرنس سے سائرہ کی فون لائن سے اسے جوڑ دیا۔

''ہیلو، جیتو! ...... میں پیوش کو بھول نہیں پاؤں گی!''، سشما دوسری کال پر بول رہی تھی۔

''پھر وہ ابھی کمٹ کیوں نہیں کرتا؟ کہتا ہے پڑھ لکھ کر، سیٹل ہو کر فیصلہ کرے گا۔ اس وقت تو کوئی بھی ملے گی نا اس کو!''، میں نے اسے سمجھایا۔

''فالتو باتیں مت کر!'' وہ چڑ کر بڑبڑانے لگتی ہے، ''کچھ بھی بڑبڑ کرتا ہے!''

''دیکھو سشما! مجھے لگتا ہے ہم ساتھ رہے تو ایک دوسرے کو سپورٹ دے پائیں گے!''

''تو پاگل ہے، تیرا دماغ خراب ہے!''۔ میری بات سن کر سشما نے فون رکھ دیا۔

کانفرنس کال پر میں سشما سے بہت کم بولتا ہوں، مگر میرے بات کرنے کے انداز سے سائرہ کو لگتا ہے، سشما کو پٹانے کی کوشش کر رہا ہوں۔

''لیکن میں اور سشما تو پیوش کی ہی باتیں کرتے ہیں نا!''، میں نے کہا۔

''سشما خود ہی انتظار کرتی ہے پیوش کا، تو یہ اس کا پرابلم ہے!''، سائرہ بولی۔

''اگر وہ پیوش سے سچ مچ پیار کرتی ہے تو اسے اس کی عادتوں کو بدلنے کی کوشش کرنی چاہیے نا؟''، میں سائرہ کو سمجھانے کی کوشش کرتا ہوں۔

''تم اپنی زندگی بھی برباد کرو گے اور اس کی بھی۔ کچھ نہیں .... کچھ نہیں ....کوئی کشش نہیں ہے.... کسی کو زبردستی گلے ڈال لے گا!''

سائرہ کی بات سے میں نے محسوس کیا کہ کتنی ساری سطحوں پر یہ بات غلط ہے! شاید میں مہک کا متبادل ڈھونڈ رہا تھا۔

''سشما پڑھائی میں اچھی ہے، تو میں بھی اچھا پڑھوں گا!'، شاید یہی سوچ ہو میری!''میں مان لیتا ہوں۔

''ہاں''

''غیر محفوظ محسوس کرتا ہوں، اس لیے کوئی چاہیے، جس پر بھروسہ کروں..........
اعتماد کروں!''، میں مان لیتا ہوں۔

''تو!!!'' سائرہ مجھے خود اپنے من کو پڑھنے کا موقع دینا چاہتی ہے کہ بولوں اور خود کو سمجھوں۔ میں اس کے مقصد کو سمجھ جاتا ہوں اور ایک دم چپ ہو جاتا ہوں پھر بھی وہ سمجھ جاتی ہے۔

''سیدھے کہنے والی بات پر آجاتی ہوں، جیتو...'' وہ لمحہ بھر چپ رہتی ہے۔''سچ سچ جیتو! تم خود چلنا نہیں چاہتے۔ کسی نہ کسی کا سہارا چاہتے ہو.... بلکہ تم ہمیشہ بیساکھیاں ڈھونڈتے رہتے ہو! کیا ضرورت ہے تمہیں کسی بیساکھی کی؟ تُم خود کچھ بنو یا پھر یہ سب مت سوچو۔ ہر ایک رشتے کی اپنی الجھنیں ہوں گی۔ تُم اگر گرل فرینڈ چاہتے ہو، جو تمہارے لیے ہر بات پر کھڑی ہو سکے، تو کیا اس لڑکی کی اپنی الجھنیں نہیں ہوں گی؟ جب کوئی گرل فرینڈ ہوتی ہے تو وہ یہ امید کرتی تو ہو گی کہ میرا بوائے فرینڈ یہ کرے.......... پھر اُس ریلیشن شپ کے چکر میں پڑ کر تمھارے حالات اور خراب ہو جائیں گے! ایک بار ہو چکے ہیں نا!..........''

''چُپ کیوں ہو گئیں؟''، میں بے چین ہو جاتا ہوں۔

''پانی پی رہی تھی۔''، سائرہ ذرا دم لے کر کہتی ہے،''تم بھگوڑے ہو..... کسی چیز سے بچنے کے لیے دوسری طرف بھاگتے ہو۔ آج اگر تم مہک کو مس کر رہے ہو، تو اس مشکل کا سامنا کرنا چاہیے، نہ کہ اپنے لیے دوسرا پرابلم پیدا کرنا چاہیے۔ میں یہ زندگی کے بارے میں سوچتی ہوں۔ تمھاری زندگی جیسی بھی ہے، اسے بہتر بنانے کی کوشش کرنے کی جگہ تم نئے پرابلم کھڑا کرتے ہو۔ یہ تم خود کرتے ہو.......... خود اپنے لیے.......... شاید تم پریشان ہوتے ہو کہ.......''

''جی ہاں سائیکالوجسٹ صاحبہ!''، میں ہنس دیتا ہوں، پھر سنجیدہ ہو کر کہتا ہوں، ''ایسا لگتا ہے جب بھی اکیلا تھا، اتنے پرابلم نہیں ہوتے تھے۔ ماں کے ساتھ رہتا ہوں تو زیادہ الجھا رہتا ہوں۔''

''تم جب پڑھائی کر لو گے، خود اعتمادی آئے گی۔ سُبھاؤ میں فرق آئے گا۔ کچھ بن جاؤ گے۔ اِدھر اُدھر سہارے ڈھونڈنے کی ضرورت نہیں ہو گی۔ خود کفیل ہونا تو ضروری ہے ہی...کوئی مستقل ذریعہء معاش!''، سائرہ اپنی بات پوری کر کے چپ ہو جاتی ہے۔

''میں اس لائق ہی نہیں کہ کوئی مجھے چاہ سکے!''، میں اداس سا محسوس کرتا ہوں۔

''تم پڑھ لکھ کر کچھ بن جاؤ، تو اپنے آپ محبت آئے گی۔''

''وہ تو نقلی رہے گا نا!''

''کسی کی اچھائی کی وجہ سے کوئی اسے پسند کرے گا تو بناوٹی ہے؟ یہ کیسے؟''، سائرہ پوچھتی ہے۔

''..................!''

''اگر تم نے پہلی بار مجھ سے بات کی ہوتی اور میں گالی دیتی تو کیا تم نے مجھ سے دوستی کی ہوتی؟''

''نہیں!''

''..........تو مجھے ویسے ہی قبول کرنا تھا نا، گالی گلوج کے ساتھ۔ میں نے اچھی طرح بات کی، اِسی لئے تم نے میری دوستی قبول کی...ہے نا!''

''ہاں! ہاں!''، میں مان لیتا ہوں۔

''جب تم کچھ بن جاؤ گے تم میں خوشگوار تبدیلیاں آئیں گی، لوگ خود آئیں گے تمہارے پاس۔ تم کو کسی کے پاس جانے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ اس لئے نہیں کہ ایک کامیاب انسان ہو، اس لئے نہیں کہ تمہارے پاس پیسہ ہے، بلکہ اس لیے کہ یو ول بی اے گڈ پرسن،...ہے نا...تم ایک اچھے انسان ہو گے۔''

''تم کتنی اچھی ہو سائرہ، تم مجھے کتنا سمجھتی ہو۔''

''.....میں ماہرِ نفسیات ہوں. میں اچھی ہوں، ..مگر میں ہمیشہ نہیں رہنے والی ہوں۔''

''کیوں ایسا کیوں ہے؟ تم میری دوست نہیں رہ سکتی ہو؟ ہمیشہ؟''

''میرا کوئی بھروسہ نہیں ہے! میں آج یہاں کل کہیں اور رہ سکتی ہوں۔ مجھے خود پتہ

نہیں۔ میرا کیا بھروسہ!............اور میں کتنے دن تمہاری فرینڈ رہ سکتی ہوں، وہ بھی مجھے پتہ نہیں.........ویسے بھی کسی کی زندگی کا بھروسہ نہیں ہوسکتا۔''

''کیوں؟ ایسا کیوں ہوتا ہے کہ کسی پر میں بھروسہ کروں، تو وہ چلا جاتا ہے؟ نہیں رہتا میری زندگی میں!''

''تم کیوں کرتے ہو انحصار کسی پر؟ خود پر اعتبار کرنا سیکھو۔ ویسے بھی کسی کی زندگی کا کیا بھروسہ! آج ہے کل نہیں............اور اگر تمہیں لگتا ہے، جو کچھ میں بول رہی ہوں وہ انمول ہے، تو اس کو یاد رکھنا! میری کیا ضرورت ہے، میرے الفاظ کو یاد رکھو!''، سائرہ کہتی ہے۔

''اگر کل کو پانچ دس سال بعد بھی میں کہیں، کسی کے یہاں جاتی ہوں، کوئی تمہارا نام لیتا ہے تو مجھے فخر ہونا چاہئے کہ جیتو میرا دوست ہے۔ کوئی کہے وہ ایک کامیاب انسان یا وکیل ہے، تو مجھے خوشی محسوس ہونی چاہئے کہ یہ تو میرا دوست ہے۔ نہ کہ شرمندگی ہونی چاہئے کہ کتنا گندہ انسان ہے۔...یا.....جیتو ناکام آدمی ہے..یا...تب مجھے کتنا برا لگے گا۔ میں تو پلٹ کر بولوں گی بھی نہیں، کہ میں جانتی ہوں تمہیں۔ میں تو انجان بن کر چلی جاؤں گی وہاں سے!''

''ارے مجھے پتہ نہیں کہ میں کبھی اکامیاب ہو پاؤں گا، مالی طور پر بھی اور اپنے کام میں بھی!''

''تمھاری مالی یا کاروبار میں کامیاب ہونا اُتنا ضروری نہیں۔ You should atleast be successfull as a person باقی سب بعد میں آتا ہے!''

''سائرہ! سُنو ہی! تم سے بات کر کے مجھے اچھا لگتا ہے۔ تم مجھ پر بہت چلاتی ہونا! اسی لئے۔ اسی لئے میں تمہیں اتی بُلاتا ہوں۔''

وہ چپ سادھ لیتی ہے۔ میں فون رکھ دیتا ہوں۔

سنو سائرہ!

''سنو سائرہ! امتحان ہے مگر پڑھنے کا موڈ نہیں ہے!'' میں سائرہ کو فون کرتا ہوں کہ آواز، لب و لہجے سے بہت کچھ بولتی ہے۔ مجھے محسوس ہوتا ہے کہ یہ بات صرف ٹائپ

کئے ہوئے اور لکھے ہوئے الفاظ میں نہیں ہو سکتی، ''موسم اچھا ہے۔ بادل ہواؤں میں تیر رہے ہیں۔''

''کیا چاہیے تمہیں؟''

''ساتھی چاہیے۔ میں کسی کے ساتھ بہت سارا وقت گذارنا چاہتا ہوں۔ کسی بھی وقت فون کروں تو ٹائم دے۔ سشما اب وقت دیتی تو ہے، لیکن وہ بات الگ ہو جاتی ہے نا!''

''تمھیں کیا لگتا ہے؟ ابھی سشما بہت قریبی دوست ہے، گرل فرینڈ ہو جائے گی، تو کیا بدل جائے گا زندگی میں؟......... تم ایک ٹیگ یا لیبل لگا دو گے تو کیا ہو جائے گا؟''

''پتہ نہیں کیا بدل جائے گا! زیادہ ٹائم گزار پاؤں گا اس کے ساتھ۔ شاید! جب بھی بولوں گا وہ آ جائے گی۔''

''ارے بھئی! تمھارے لیے یہ کون کرے گا؟ وہ تمھارے گھر تو رہتی نہیں کہ تم جگاؤ گے اور وہ بات کرلے گی۔ اس کی بھی فیملی ہے، ماں باپ ہیں، کام کاج کے اوقات ہیں۔ اپنا سارا وقت تمھارے نام کیسے کر سکتی ہے؟''

''..............!''

''تمھارے گھر میں رہتی تو الگ بات تھی۔ وہ بھی کوئی مانے گی نہیں۔ بیوی کے ساتھ ایسا کریں، تو وہ بھی مانے گی نہیں۔ مجھ جیسی بیوی ہو گی تو الگ بات ہے!''، سائرہ ہنس پڑتی ہے۔ میں بھی ذرا سا ہلکا ہو اٹھتا ہوں۔

''......... کہے گی، میں آفس سے اتنی تھک کر آئی ہوں۔ آدھی رات کو جگا کر بڑ بڑ کیا کرتا ہے!''

''بیوی ایسا بولے گی کیا؟''

''اور کیا!...... ویسے تمھارا شادی وادی کا ارادہ تو نہیں ہے؟''

''کیوں نہیں ہے! میں کسی سے بھی شادی کر سکتا ہوں۔''

''کیا مطلب؟''

''یعنی میں کسی سے شادی کرلوں گا اور نبھا بھی لوں گا۔''

''تم سوچ کیا رہے ہو؟ شادی کی ذمہ داری لینے کے لیے تیار ہو؟... اور...... تمھیں

کیا لگتا ہے تم دنیا سے لڑ کر سشما سے شادی کر لو گے اور نبھا لو گے؟''

''نہیں! جھوٹ بولنے سے کیا فائدہ ہے!''، میں سائرہ کے آگے ہتھیار ڈال دیتا ہوں۔

''سائرہ تمہیں پتہ ہے، میں سائیکلوجسٹ ڈاکٹر گھوش کے پاس کیوں گیا تھا؟... سوچ کے بندھن کھولنے کے لئے۔ چاہ ہے نکلنے کی۔ کوئی بتائے...... ہر وہ چیز کروں کہ اس سے باہر آؤں.......... ہر کوشش...... دل سے چاہتا ہوں۔''

''اوکے۔''

''سائیکلوجسٹ کے پاس صحیح طریقے سے پہلی بار اور آخری بار گیا ہوں..وہاں تم ملی تھیں۔ دوبارہ کبھی جانا نہیں چاہتا! ہاں سائرہ !تمھاری بات اور ہے۔تم بھی تو سائیکلوجسٹ ہو...مگر دوست ہی لگتی ہو۔''

''ہاں! دوست ہی تو ہوں۔ سبھی ماہر نفسیات دوست ہی ہوتے ہیں...نہیں ہوں گے تو کاؤنسلنگ کیسے کریں گے!''

''دوست نہیں بہن!''

''منہ بولی بہن!''

میں شرمندہ ہو جاتا ہوں۔ وہ ہنس کر فون رکھ دیتی ہے۔

☆ ایبڈو

''تم نے جی ٹی ایل چھوڑ کر 'ایبڈو' کیوں جوائن کیا؟'' میں نے کمپنی بدلی تب ساحل مجھ سے پوچھا تھا۔

''وہاں ساڑھے تیرہ ہزار روپے سیلری آفر کی گئی تھی۔ بعد میں پتہ چلا اصلی تنخواہ ساڑھے نو ہزار ہی ہے، یعنی جی ٹی ایل سے ساڑھے پانچ سو روپے کم! یہ میں نے بعد میں دیکھا تھا کہ 'ایبڈو' کی سیلری میں insentives شامل ہے۔ یعنی ترغیب کی رقم بھی اچھی خاصی ہے!!''

''پھر! اچھا کیا تھا؟''

''اچھا یہ تھا کہ سفر کا وقت بچ گیا۔ صرف پانچ ہی منٹ میں گھر سے کمپنی پہنچ جاتا ہوں۔ لاء کی پڑھائی، دوسرے کام یا زیادہ سونے کے لیے وقت بچتا ہے بھائی!''

'لبیڈو' میں مجھے اچھے دوست ملے۔ ویسے میرے دوست بہت کم ہیں جو فون کرتے ہیں، مگر جب کرتے ہیں تو مجھے جانا پڑتا ہے۔

'لبیڈو' کمپنی، واشی اسٹیشن کی عمارت میں چوتھے منزلے پر ہے۔ یہ کال سینٹر دیکھنے میں لمبا سا تھا، خرگوش کے گھر یا چوہے کے بل جیسا۔ ان دنوں جانوروں کے گھر میں نے دیکھے تو نہیں تھے...... مگر ٹام اینڈ جیری کارٹون میں جیری کردار کا گھر دیکھ کر یہی خیال آتا.......... دیوار میں ٹیڑھے میڑھے راستے۔ پہلی بار ایسا لگا کہ میں کنفیوز ہو گیا ہوں۔ ایک طرف کیفے ٹیریا تھا اور اس کے دائیں طرف میرا پروسس یونٹ تھا۔ ایک بڑا ہال تھا، اسے 'بے' کہا جاتا تھا۔ یہاں لمبے لمبے ٹیبلوں کی قطاریں تھیں۔ جیسے شادیوں میں کھانے کے ٹیبل کی دونوں طرف لوگ بیٹھتے ہیں، کچھ اسی طرح، مگر یہاں بیچ میں پارٹیشن تھا ۔سامنے والا دکھائی نہیں دیتا تھا، ہاں بازو والے کو دیکھ سکتے تھے۔

لبیڈو میں پہلا دن یاد ہے۔ میری شفٹ یعنی آٹو اِن چھے بجے کی تھی۔ یہاں الگ الگ پروسس میں پہنچنے کا وقت الگ الگ ہوتا ہے۔ ڈیوٹی کے وقت سے آدھا گھنٹہ پہلے 'پک اپ کار' کو آفس پہنچنا ہوتا ہے، یہ میرا رپورٹنگ ٹائم ہے۔ لاگ ان چھ بجے کا ہے۔اس لیے میں ساڑھے پانچ بجے ہی پہنچ گیا تھا۔ چھ بجے سے کال آنے شروع ہو جانے تھے۔فون پر لاگ ان ہونا تھا یعنی ہیڈ سیٹ لگا کر تیار رہنا تھا۔ میں نے ہیڈ سیٹ لگالیا اور خیالات ذہن میں گھر بنانے لگے،

''ذرا ذہن ہٹا کہ دوسرے آگے بڑھ گئے۔ جھکا کر پرموشن دیں گے! ایکیوریسی دیکھتے ہیں۔ ساڑھے نو گھنٹے فون پر رہنا پڑتا ہے۔ بیچ میں بیس منٹ کا لنچ بریک اور دس دس منٹ کے دو بریک ہوتے ہیں۔ گرمیوں کے موسم میں ایک گھنٹہ چھ منٹ کے لیے ٹائم آگے کر لیا جاتا ہے۔.......... امریکہ کے موسم کا حساب ہے نا۔ اِس کو 'ڈے لائٹ سیونگ' کہتے

ہیں! کبھی کبھی سرور ڈاؤن ہو یعنی نیٹ ورک کی کسی گڑبڑی سے سَرور دھیما پڑ جائے یا بند ہو، تو وقت مل جاتا ہے ورنہ ہر دن ایک سکینڈ نکالنا ہو تو وقت سے سمجھوتہ کرنا پڑتا ہے۔ پرفارمینس سے ترقی ہوتی ہے۔ ایک غلطی کی اور نیچے آ گئے۔ اسمارٹ لوگ ٹی ایل کو بھی اپنے اشارے پر نچاتے ہیں... کیوں کہ اگر ایجنٹ اچھی طرح سے کام نہیں کرے گا تو ٹی ایل کی ترقی نہیں ہوگی۔ دوسری طرف ٹی ایل سفارش نہ کرے تو ایجنٹ ایجنٹ ہی بنا رہے گا یا پھر ٹریننگ میں بھیج دیا جائے گا۔ اچھی تنخواہ ہے مگر نچوڑ کر کام لیتے ہیں....اوہ... چھ بج رہے ہیں! اور آدھا گھنٹہ گزر گیا!''

سامنے مائیک تھا۔ پاس 'ورڈ' ڈالا تو سسٹم آن ہو گیا، یعنی کمپیوٹر، ہیڈ سیٹ اور فون سب آن ہو گئے۔ جب نیٹ ورک چالو ہو گیا تو 'آٹو اِن' کیا۔ یعنی میں نے سسٹم کو بتا دیا پھر کالوں کا جیسے سیلاب آ گیا۔ ایک کال پورا ہوا..اور دو ہی سکینڈ میں دوسرا کال آ جاتا ہے! جانتا ہوں، دس سکینڈ سے زیادہ کالر کو ہولڈ پر نہیں رکھ سکتے۔ چھ منٹ میں سب چیک کر کے جانکاری دینی ہے۔ سامنے والے کو مطمئن کرنا ہے۔ بیچ میں سسٹم دھیما ہو جاتا ہے۔ دن والے Claim Process دیکھتے ہیں۔ پرفارمینس اچھا نہیں ہے تو اِن سین ٹیوس نہیں ملیں گے، یہ تو ٹھیک ہے مگر ایک نوجوان ایجنٹ نے تیس ڈالر پچاس سینٹ کو غلطی سے پینتس ڈالر کہہ دیا تھا۔ بس شامت ہی تو آ گئی تھی! ایس ڈی ایل نے ٹی ایل کو لتاڑا۔ ٹی ایل نے ایجنٹ کا دِل و دماغ ہلا کر رکھ دیا۔ کال سینٹر کے کسی بھی پروسیس کی سب سے اونچی پوسٹ 'سروس ڈیلوری لیڈرز' کی ہوتی ہے، یعنی 'ایس ڈی ایل' اپنے کلائینٹ سے سیدھے بات کرتا ہے اور انھیں مطمئن رکھنے کی ذمہ داری بھی اسی کی ہے۔

ایبڈ و میں دو سال کیسے گزرے، مجھے پتہ ہے۔ شروع میں بیچ نمبر چھ کی پوری ٹیم جب ساتھ تھی تب مزہ کیا۔

☆ ہرش

لیبڈ و میں بیس ٹرینیز میں تین لڑکیاں تھیں! ٹریز اندر آتی، تب بھی چیخنا چلانا، زور

زور سے ہنسنا اور باتیں کرنا چلتا رہتا۔ وہ بھی بالکل نہیں چڑھتیں بلکہ کافی دوستانہ ماحول پیدا کر لیتی تھیں۔ سکھاتیں کہ آپس میں خیالات کا لین دین اور میل جول کیسے کرنا چاہیے؟

''ایک بات پوچھوں؟''، سب سے پہلی پہچان ہرش کے ساتھ ہوئی۔ اس نے محسوس کیا، پوچھا،'تو ڈسٹرب کیوں رہتا ہے؟''

''کس نے کہا؟''

''دیکھ کر لگتا ہے۔''

''سچ میں ایسا لگتا ہے؟''، میں نے حیرت سے پوچھا پھر سنبھل کر بولا،''............ اچھا ہو کہ کچھ اور بات کریں!''

میں نے اس وقت تک اپنے پریوار کے بارے میں اس سے بات نہیں کی تھی۔

''میرے گھر میں میرے ممی ڈیڈی اور بہن ہیں لہٰ مجھے بھی اچھا نہیں لگتا کہ کوئی مجھ پر اپنی سوچ لادے۔'' ہرش نے مجھے بتایا۔

مجھے پتہ تھا، ہرش انجینیئرنگ کے دوسرے سال میں تھا۔ کافی ہوشیار تھا۔

''چاہتا تو ڈگری کورس پورا کر سکتا تھا۔ کام میں پڑ گیا، پڑھائی کی ان دیکھی ہو گئی۔'' اُس نے مان لیا۔ یہ اس کا پہلا جاب تھا۔ یہ بات نہیں کہ کال سینٹر میں کام کرتے کرتے اس کا نظریہ بدل گیا ہو، شاید کمانے سے ہی ایسا ہو جاتا ہے!

دھیرے دھیرے اپنی عادت سے ہرش کو اپنے بارے میں نے سب کچھ بتا دیا۔

ٹریننگ میں مباحثہ رکھا گیا، جس کا موضوع تھا''بھارت میں جمہوریت ہونی چاہیے یا آٹو کریسی!'' ہر ایک کا الگ نظریہ تھا۔ ہرش بہت اچھا بولتا تھا، بڑے قائل کرنے والے ڈھنگ سے وہ ڈیموکریسی پر بولا۔ واقعی بہت جوش اور طاقت کے ساتھ بولا تھا۔

☆ ورون

یہاں میری پہچان ورون سے ہوئی۔ بڑا من موجی، اپنے انو بھو بڑھا چڑھا کر بولنے والا، ہائی لائف اسٹائل میں رہنے والا، دکھاتا کہ اپنا بھی اسٹائل ہے۔ ....

ٹریننگ شروع ہوئی، وہ دیر سے آیا اور چپ چاپ بیٹھا رہا۔ ہر روز تو آسمان سر پر اٹھاتا تھا۔ اسکول کے بچوں کی سی مستی تھی اس میں!

"کیا ہوا؟"، میں نے بریک میں اس سے پوچھا۔ وہ کچھ نہیں بولا۔ دو مہینے بعد بتایا۔

"میری گرل فرینڈ کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا،..... مر گئی!"

"ہم کو شاک لگا! تو اتنے دن کیسے چھپا پایا!"

دوستی گہری ہوتی گئی! ہم ایک دوسرے کا ساتھ دیتے گئے اور رشتے بنتے چلے گئے۔

ٹریننگ پوری کرتے کرتے فلور پر یعنی پروڈکشن میں بیس میں سے نو لوگ ہی آئے۔ باقی سب چھنٹ گئے۔ اُن میں سے بھی .O.J.T یعنی آن جاب ٹریننگ کے درمیان چھ لوگ بچ رہے۔ لڑکی تو ایک روزی ہی بچی تھی۔

فلور پر ماحول الگ تھا۔ نئے لوگ پُرانوں کے ساتھ کام سیکھنے کے لیے بٹھائے گئے۔ یہاں پروفیشنلزم زیادہ تھا۔ سینئر اپنے جونیئر کو سکھاتے۔ ہرش اور ورون کو لڑکیوں کے ساتھ سیٹ ملی اور مجھے اور روزی کو لڑکوں کے ساتھ۔ میں لڑکیوں سے کم ہی بولتا تھا۔

"روزی کے بات کرنے کا ڈھنگ، بیٹھنے کا طریقہ دیکھا؟"، ہرش کہتا۔

"پٹانا پڑے گا!" ورون کا جواب ہوتا۔

میں ان کی باتیں سنتا۔ سوچتا، 'ان کے ساتھ گھل مل جاؤں، مزہ کروں، کیوں پیچھے رہوں!'..... پھر سوچتا، 'یہ ہلکا پن ہے!'

نیا نام

کال سینٹر میں نام بدلنے کو سوڈونام کہتے ہیں۔

"یہاں تمہارا نام جی تیش نہیں ہے!"

"نیا نام!"

"ہاں۔ سُوڈونام۔ یہاں کچھ ایسے نام اپنا لیے جاتے ہیں کہ محسوس ہو کہ سامنے والا کسی امریکی یعنی اس کے اپنے ہی دیش میں کسی سے بات کر رہا ہے۔ ہم کال لیتے ہوئے

اپنا نام استعمال نہیں کرتے۔''

میں سمجھ گیا۔ کال سینٹر میں نام بدل کر کام کیا جاتا ہے۔'یہ کیسا بھلاوا ہے!' ایک خیال ذہن میں کوند کر غائب ہو گیا۔

ایبڈو میں مجھے'نیو' کا نام ملا۔

''لاطن امریکہ میں Neo کے معنی ہیں'نیا'۔''

''او نیو! دی ون اِن دی میٹرِکس، رائٹ!''، اِس طرح کے الفاظ میں کمینٹس ملتے۔ مجھے اچھا لگتا۔ انگریزی فلم'میٹرکس' کے ہیرو کا فلمی نام بھی نیو تھا۔ اسکا اصلی نام بھی تو'نی اورِ یوز' تھا۔

''تیرے بارے میں بتاؤں کیا تجھے؟ سائن کرتے ہوئے تو سر نام کو نام سے دور رکھتا ہے۔ تیرے اور تیرے ماتا پتا کے بیچ دوری ہوگی، تو اپنی رائے دوسروں پر لادنے کی کوشش کرتا ہے، ہے نا؟'' سائن میں ایک لڑکے نے میری دستخط دیکھ کر کہا تھا۔

''کیوں نہیں؟ میں چاہتا ہوں کہ لوگ مجھے سنیں .... کبھی کبھی لگتا ہے میں خود کو سمجھا نہیں پاتا۔ شاید ٹھیک سے قائل نہیں کر پاتا۔''

''جیسے ہی سامنے والا ہاں کہے، تم پیچھے ہٹ جاتا ہوں۔''

''تھوڑا اور سمجھایا، تو اس کے دماغ میں کچھ اور ہی نہ آجائے ...... بات کو ہلکا سا چھو کر چھوڑ دیتا ہوں! کیا کروں؟''

انجو: بہترین ٹیم لیڈر

ایک ایسی انسان جس کو کام کرنے میں بے حد دلچسپی تھی، انجو تھی، بیسٹ ٹیم لیڈر۔ انجو میں بغیر دل دکھائے لوگوں سے کام کروا لینے کا ہنر تھا۔

''کیا ہوا کال نہیں لینی؟''

''بریک لے لو!''

''تھکے ہوئے اور پریشان دکھائی دیتے ہو!''، اس طرح وہ تسلی دینے کی کوشش کرتی۔...... کسی کی چاپلوسی کرنا یا برائی کرنا، وہ نہیں جانتی تھی۔ اپنے کام میں ماہر، اس سے بہت لوگ جلتے تھے۔

انجو کی ٹیم میں چائے کے وقفے میں کھانے اور گروپ میں رہنے سے ہماری ٹیم کے آپسی رشتے مضبوط تھے۔

'' Average Handling Time ایک سو اسی سکینڈ رکھو۔ آج کا ٹارگٹ یہ ہے۔ دن میں لگ بھگ ڈیڑھ سو کال اوسطاً ایک سو اسی سکینڈ میں پورا کرنا ہے۔''، انجو بتاتی، ''جب کہ کال اوپن کرنے میں ہی ایک منٹ یعنی ساٹھ سکینڈ لگ جاتے تھے۔''

''یس!''

''میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟ یہ سوال پوچھے جانے پر پھرتی سے جانکاری دینی ہوگی۔ ذرا دھیان یہاں وہاں گیا کہ اے ٹی ایچ گیا... سمجھے؟ اور اب اے ٹی ایچ، تین سو ساٹھ سکینڈ یعنی تین منٹ کا ہوا ہے۔ یونو!''

''یس میم!''

''کلائینٹ پوچھے گا، ''میرے انشورنش کلیم آ گئے؟'' یا ''میرا کلیم ڈِنائے ہوا ہے، پیسے کیوں نہیں بھیجے؟ اس کے نامنظور ہونے کی وجہ بتاؤ۔''، انجو مجھ سے کلائینٹ بن کر سوال کرتی ہے۔

''میں کہوں گا، 'وجہ یہ ہے کہ آپ کا کلیم نہیں پہنچا'

''کلائینٹ کہے گا، 'ایسے کیسے کہہ سکتے ہو؟ دوبارہ بھیجو، فیکس سے اور میل سے۔''، انجو ہنس دیتی ہے، ''... یہاں بچوں کی طرح رٹا لگا کر بولنے جیسے کام کے پیسے ملتے ہیں۔ سب کچھ اسکرین پر دکھائی دیتا ہے، سب جھٹ پٹ بتانا ہوتا ہے۔ اگر بحث بڑھی، ATH بڑھ گیا۔ ATH بڑھا تو پورے دن کی کارکردگی پر سُرخ مارک لگ گیا..... اور ترغیب کے پیسے نہیں ملے۔ یعنی اِن سین ٹیوگل!''، انجو کی تربیت میں سچ بڑی اپنائیت تھی۔ وہ بڑی محنتی تھی اور یہاں محنت کرنے والوں کی قیمت نہیں ہوتی۔ لوگ آگے بڑھنا چاہتے ہیں......

بڑی تیزی سے ...... کوئی موقع ملا .... جھپٹا مارو۔ ...... کسی حد تک بھی۔ اچھے دوست دشمن بن جاتے ہیں۔ انجو نے جی ایل پوسٹ کے لیے عرضی دی تھی۔ گروپ لیڈر کی جگہ کے لیے وہ بالکل فِٹ انسان تھی، مگر بنایا نہیں، کیوں کہ وہ رُوکھے سُبھاؤ کی تھی۔ اس کے دماغ میں اور زبان پر ایک ہی بات تھی۔ رِجھانے لبھانے کے لیے نہیں بولتی، نہ کسی کے پیچھے پڑتی تھی۔ ...... یہ بات میں نے انجو سے سیکھی۔

''کیسے چل رہا ہے، جتیش! کیا کر رہا ہے؟ پڑھائی چل رہی ہے کہ نہیں، گھر پر کیا چل رہا ہے؟' وہ مجھ سے پوچھتی ہے۔

''...اکیلے رہنا ہے۔ جب گھاؤ سے خون بہنا شروع ہوتا ہے تو مرہم لگانے تک بند نہیں ہوتا۔ یہ میری عادت بن گئی ہے...... نقصان تو ہے ہی!''، میں بھی اسے دوٹوک جواب دیتا ہوں۔

ڈیٹا بنانا، فیڈ بیک لینا، انجو سے ہی سیکھا۔ کہاں ترقی کر سکتے ہیں؟...... اسی نے سکھایا...... اور کوئی نہیں سکھاتا۔ لوگوں کو لگتا ہے، ہم آگے جائیں، کوئی اور نہ جائے۔ ہر جگہ بم نصب کرتے۔ انجو کام سے کھلواڑ نہیں کرتی۔ انجو کی ٹیم کا اسپلٹ ہوا۔ یہ تقسیم ہمارے گروپ یعنی بیچ ۴۶ کے چھ اور انجو کی پرانی ٹیم کے چار لوگوں کے درمیان ہوئی تھی۔ اچھا ہوا کہ ہم چھ ایک ہی ٹیم میں رہے۔ اب ہمارا نیا ٹیم لیڈر تھا سجاش۔

لیبڈو میں کافی مہذب گروپ تھا! بہت پروفیشنل، بہت منظّم!

ٹریننگ کے دوران بڑے مزے کیے ... مگر بعد میں چیلینجنگ لگا۔ نئے لوگ ملے اور ساتھ دینے والے دوست بھی، جو دوست کہلانے کے لائق تھے۔ کام سے کام رکھنے والے نہیں۔ ہم سب ایک ہی عمر کے تھے .... کوئی چوبیس پچیس سال کے۔ سب سے چھوٹا ملند بیس سال کا تھا، لیکن سب سے اونچا بھی وہی تھا۔ ہماری آپس میں اچھی ٹیوننگ تھی! سب کی یادداشت تیز تھی۔ وقت کیسے گذرتا پتہ نہیں چلتا۔ وہ دن ایک دم الگ تھے۔ ڈیڑھ مہینہ پروسس ٹریننگ میں شام چار بجے سے صبح ڈھائی بجے تک کا وقت ہوتا۔ یہاں تلفظ کی تربیت تھی ہی نہیں۔ یہاں کے حساب سے تلفظ فطری ہونا چاہیے ... یعنی سپاٹ ہو۔

کہیں کا بھی اثر نہ ہو، صرف بات سمجھ میں آئے۔

''بزنسیس پروسے سنگ آؤٹ سورسنگ کیا ہے پتہ ہے؟''..بی پی او ..یار.... امریکہ سے بزنس اٹھاؤ، یہاں لاؤ۔ یہاں بہت اچھے لوگ ہیں۔ گدھوں کی طرح کام کرتے ہیں۔ کچھ گھوڑے بھی یہاں آتے ہیں، انجینیر نگ یا کچھ دوسری ڈگری لے کر، کیوں کہ تنخواہ اچھی ملتی ہے۔ پیسہ کمانے کا شارٹ کٹ ہو جاتا ہے۔'' ورون نے ہرش کی طرف دیکھ کر کہا اور مسکرا دیا۔

واشی ۱۹۹۰ء کے آغاز میں ایک خوابوں کا شہر تھا۔ سیکٹر سترہ اس وقت اسی طرح تھا، جیسے آج ہے۔ ہاں ان دنوں بھیڑ کم تھی۔ رات کو چہل قدمی کا مزہ آتا، سڑک پر روشنی اتنی زیادہ نہیں تھی، جتنی آج ہے، پھر بھی تھی۔ آج واشی گندہ ہونے لگا ہے۔ نئے نئے لوگ آرہے ہیں، بس رہے ہیں۔

اُن دنوں دس بجے کے آس پاس روڈ خالی ہو جاتا تھا۔ جمعہ کو بجلی جاتی۔ ہم باہر نکلتے، کھانا کھاتے، گھومتے۔ سوسائٹی والے باہر ملتے۔ سنیچر اتوار کو فلم دیکھتے۔ اُس وقت واشی میں ہوٹل کم تھے۔ ایباٹ، نورتنا، چناب، سینٹ لارنس اسکول اور ایچ ایس سی بورڈ آفس کے سامنے ہوٹل وشوجیوت جیسے گنے چنے ہوٹل تھے۔ دوستوں کے ساتھ اسکول جاتا۔ ہم بلڈنگ کے سامنے بادام کے پیڑ کی اوپری ٹہنی پر چڑھ جاتے۔ لگ بھگ دو منزلے کی اپنی بلڈنگ کے برابر پیڑ سے بادام توڑتے۔ سیکٹر سولہ میں موڈرن کالج کے پاس والے گارڈن میں کھیلتے۔ گارڈن میں دسیوں پچ کُھدے رہتے تھے۔ دیکھنے والے کو سمجھ میں ہی نہیں آتا کہ کس کا بال کہاں جاتا ہے۔ اب وہاں ایک آدھ پچ ہی نظر آتی ہے۔ شہر بن رہے ہیں، بڑھ رہے ہیں لیکن جسمانی فِٹ نیس کا دھیان نہیں ہے۔ اُس وقت جسمانی فِٹ نیس پر انجانے میں ہی دھیان دیا جاتا۔ آج زندگی الگ ہے۔ آج اسکول کے درمیانے طبقے کے بچے کرکٹ نہیں کھیلتے، مال میں کھیلتے ہیں۔ ہماری بلڈنگ فائر بریگیڈ اور سینٹ لارنس اسکول کے پاس تھی۔ پراپرٹی کے دام کم تھے۔ اس وقت ڈیڑھ لاکھ میں ملا ہوا فلیٹ اگلے

کچھ سالوں میں سولہ لاکھ میں فرخت ہوا۔ اوراب تو....

جاب ملنے کے بعد میری رائے بدل گئی تھی۔ بہت ساری پریشانیاں، بندشیں۔ میں سمجھتا ہوں، جن کے پاس زیادہ آپشن نہ ہوں، کہیں بھی نوکری پا لینے کی مجبوری ہو۔ انھیں بغیر ہچکچائے کال سینٹر جوائن کرنا چاہیے۔ یہاں کسی حد تک اطمینان ہے، مگر کئی گنا زیادہ ذہنی تناؤ ہے۔ تین مہینے 'ورلڈ چوائس' اور چھ مہینے 'جی ٹی ایل' سے ایبڈ و میں سیٹ ہونے میں وقت نہیں لگا۔ پہلی دونوں جگہوں کا زیادہ اثر نہیں ہوا۔ شروع میں سگریٹ کم پیتا تھا، مگر رات میں ایسے لوگ مل ہی جاتے، جو عادتاً سگریٹ پیتے تھے۔ آفس جاتے وقت سگریٹ خرید کر لے جاتا۔ عادت بنتی گئی، جڑ پکڑتی گئی۔ بہت سے لوگ سرکاری نوکریوں میں بھی بہت سی چیزیں کرتے ہیں... مگر دوسری صنعتوں اور اس میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ دوسری نوکریاں اکثر مقامی سروس ہوتی ہیں، ڈائریکٹ ہوتی ہی۔ سوچ کے بندھن نہیں ہوتے یا ہوتے بھی ہیں تو حد میں۔

''کال سینٹر برا کہاں ہوتا ہے!''، میں اس کی حمایت میں ساتھیوں سے کہتا ہوں، ''اس میں کام کرنے والے ہم لوگ ہی اپنے عمل کے لیے خود ذمہ دار ہیں۔ جیسے مذہب کا معاملہ ہوتا ہے۔

کال سینٹر میں ہمیں اپنا صد فیصد دینا ہے۔ مشین کی طرح یا غلام کی طرح.......... کیوں کہ کلائینٹ کی ضرورتیں زیادہ اہم ہوتی ہیں۔ پندرہ بیس ہزار سیلری بھی ملے گی لیکن دن کے آخری لمحہ تک تنخواہ کپڑے کی طرح نچوڑ کر نکال لیتے ہیں...وہ بھی ہمیشہ! ذرا بھی پرفارمنس کم ہوا نہیں اور وارننگ ملی نہیں! سدھار نہیں کیا تو مشکل۔''

'کام کرو، پیسہ اٹھاؤ'، والا نظریہ ہے، آدمی کی زیادہ اہمیت نہیں۔ اوپر کے لیول کے افسر پرابلم اصلی ہو تب بھی کہتے ہیں۔

''کوئی پرابلم ہے تو گھر رکھو، یہاں نہ لاؤ، ورنہ چلتے بنو!'' انھیں یہاں ایسے لوگ چاہئیں جو آنکھیں بند کر کے ان کے ساتھ چلیں۔ ان کے لیے کون کتنی محنت کرتا ہے۔ اس کے کوئی معنی نہیں۔ جی جان سے کام کرو، کمپنی کا فائدہ ہو تو بھی ستائش نہیں کی جاتی۔ ہاں،

ٹیم کے طور پر شاباشی دیتے ہیں۔ یہ کارپوریٹ ورلڈ ہے، پانچ ایجنٹوں کی ایک ٹیم پر ایک لیڈر رہوتا ہے۔ چار پانچ ٹیم لیڈروں پر ایک گروپ لیڈر، تین چار گروپ لیڈروں کا ایک منیجر SDL یعنی service delivery leader برانچ یونٹ کا سربراہ ہوتا ہے! اس کے اوپر کیا hierarchy ہے مجھے پتہ نہیں۔ ایجنٹ پر اتنا دماغی دباؤ ہوتا ہے کہ وہ دیر تک ٹکتے نہیں۔

تم نے کیا سوچا ہے، جیتو؟

''اپنی فیملی کے بارے میں تم نے کیا سوچا ہے، جیتو؟'' صبح ڈیوٹی سے گھر لوٹا تو ای میل پر سائرہ کا میسج ملا۔

''میں تو چاہتا ہوں ہم سبھی ایک جگہ ہو جائیں! ہر ایک پلان کرے کہ ہم کہیں بھی جائیں، ہم چاروں ملیں، ایک جگہ رہیں .... مگر اپنی اپنی شناخت کے ساتھ .... اپنی پہچان کوئی کیوں کھوئے!...... شاید چار ستونوں کو ملایا نہیں جا سکتا! مگر چاروں کے بیچ کی کھائی کو بھر کر چار دیواریں تو بنائی جا سکتی ہیں!'' میں بھی ای میل کر دیتا ہوں۔

اگلے منٹ ہی سائرہ جواب دے دیتی ہے، ''کیا یہ اب ممکن ہے؟ تمہارے ڈیڈی کی ایک بیوی، ایک بیٹی ہے!''

''آپ بھول رہی ہیں، بچے دو ہیں!''

''ہاں! ایک لڑکا بھی تو ہے نا!''

''ایک لڑکی اور بھی ہے .... بیوی نمبر تین کی، اس کی پہلی شادی سے .... وہ کہاں جائے گی؟ .... اپنی ماں کے ساتھ ہی تو رہے گی نا!''، میں کھسیانی ہنسی ہنستا ہوں پھر کہتا ہوں، ''تم اچھی ملی ہو! تم سے کہہ کر میں پر سکون ہو رہا ہوں!''

''کیا تم ان سب کو ساتھ رکھ پاؤ گے؟ ممی ڈیڈی، تم دونوں بھائی، ڈیڈی کی تیسری بیوی اور تین بچے۔ کیا یہ کبھی ایک فیملی بن سکتی ہے؟''

''نہیں میں ان چاروں کے بارے میں نہیں سوچتا، نہ سوچنا ہی چاہتا ہوں۔ میں صرف ہم چاروں کے بارے میں سوچتا ہوں...... ہم دو بھائی اور ہمارے ماں باپ!''

''......مگر عورتیں......''

''عورتیں......!''

''ہاں تمھاری ممیاں!''

''آہ......ہماری ممیاں......نہیں..نہیں!''

''تمھاری مما جھکیں گی؟''

''نہیں۔''

''کیوں کہ جاب کرتی ہیں؟''

''ہاں، شاید یہ سچ ہے۔''

بس جیسے ایک اور سیشن کھُل گیا تھا میرے لئے...سائرہ سے بات کر کے میں تو جیسے پُر سکون ہو گیا ہوں، بالکل شانت...''میرے اندر کی وہ تڑپ کہاں گئی؟''، میں اپنے آپ سے سوال کرتا ہوں!...مگر ایسے دن تو ہمیشہ نہیں رہیں گے نا! میں سائرہ سے بات کرنا چاہتا ہوں لیکن وہ انٹرنیٹ پر نہیں ہے۔ آف لائن ہو چکی ہے۔ میں اس سے کہنا چاہتا ہوں کہ، 'خوا اپنا فلیٹ لوں......صرف میرے اپنے پیسوں کا۔ جہاں آنے سے پہلے مما مجھ سے پوچھیں،

'آؤں کیا؟'، جیسے وہ میرے کھار گھر والے گھر میں پوچھتی تھیں۔ شاید اس لئے پوچھتی ہوں کہ وہاں میرا دوست بھی رہتا تھا۔

مینکا کا کیا ہوا؟...آج خیال آیا... پتہ نہیں، میں نے کبھی پوچھا نہیں۔ اس سے جو بچی ہے، میری بہن...ڈیڈی اسے نان ونفقہ دیتے ہیں یا نہیں....مین نے ٹنس کے بارے میں کبھی نہیں سوچا......اور نہ پوچھا ہی!، آج میں یہ سب کیا سوچنے لگا، کہ ان دونوں بچوں کی زندگی کیسی ہوگی!...میں انھیں اپنی زندگی میں نہیں گنتا۔......کبھی خیال آتا ہے ان دونوں کی لائف کیسی ہوگی!......ڈیڈ جیسے ان سے پیش آتے ہیں، ویسے بچپن میں یعنی مینکا سے ملنے کے بعد مجھ سے پیش آتے تو شاید میں کچھ اور ہوتا!......اُن کے پاس کچھ نہ ہو مگر ان کی اپنی ماں تو ہے ہی۔ جڑیں مضبوط تو ہیں۔ ایسے نہیں کہ ہَوا آئی اور بکھر گئے

، جیسے ہم لوگ ہیں، جو ہوا کے ساتھ تتر بتر ہو گئے!...... ان سے اپنا موازنہ نہ کرنے لگتا ہوں۔............ ابھی وہ چھوٹے ہیں۔نہیں سوچتے ہوں گے کہ صحیح کیا ہے، غلط کیا ہے، مگر پھر بھی فرق تو ہوتا ہے۔......

''تو تم کہتے ہو کہ تمھیں ورکنگ وائف چاہیے، جو تمہارا ساتھ دے سکے!'' سائرہ کا ایس ایم ایس پڑھ کر میں مسکرادیا تھا۔ مجھے ای میل سے اس کا جواب دینا تھا۔ مگر جواب کیا دیتا! میں ذرا تامل کے ساتھ ٹائپ کیا؛ ''میں اپنے بچوں کی اچھی پرورش کرنا چاہتا ہوں۔''

''اپنی بات کو سمجھاؤ بھلا! وقت ہوگا تم دونوں کے پاس؟'' سائرہ کا ایس ایم ایس کچھ دیر سے آیا۔

''ایسے نہیں سمجھا پاؤں گا۔فون کرتا ہوں۔دس منٹ بعد...چائے بنا رہا ہوں۔ او کے؟'' میں نے موبائل ٹی وی کے اوپر رکھ دیا۔

''چاہوں گا کہ میری بیوی اور میں، دونوں وقت دیں۔ بہت چھوٹی چیزیں بہت معنی رکھتی ہیں۔ڈیوٹی آٹھ گھنٹوں کی ہوتی ہے۔ بچہ جب تک چھوٹا ہے، تب تک کسی ایک کو بچے کے ساتھ رہنا پڑے گا۔ بڑا ہونے لگے گا تو اسے سمجھ دار ہونا پڑے گا۔ بچے کو یہ پتہ ہونا چاہیے کہ اس کی ماں کا جاب پر جانا ضروری کیوں ہے۔...... ہمارے لیے کر رہے ہیں۔''، میں سائرہ کو فون پر وہ باتیں بتا رہا تھا جن کی ٹھیک منصوبہ بندی میں نے کبھی کی ہی نہیں تھی۔

''ارے تم نے تو بڑی سیاست سے جواب دیا!''

میں ذرا خاموش ہو گیا۔ کہتا بھی کیا...وہ شاید ہنس رہی تھی۔ میں نے بات بدلی۔

''ڈیڈ مام کو کبھی نہ کبھی احساس ہوگا۔ چاہے تب، جب وہ ریٹائرڈ ہو جائیں گے۔ ابھی وہ اپنی خواہشات پوری کر سکتے ہیں۔...اور خواہشیں ...... وہ تو رہیں گی مگر ''پانا ہی ہے'' ...ایسی ضد کم ہوتی جائے گی۔ طاقت اتنی نہیں ہوگی، بہت سارا وقت خالی ہوگا۔''

''اپنے بیٹے ہم سے کیوں دور ہوئے؟ کیوں گھلتے ملتے نہیں؟'' .... تب

سوچنا شروع ہوگا۔ یہ میری سوچ ہے۔ پتہ نہیں! وقت جیسے بنائے گا، ویسے ہوگا!''، میں کہتا ہوں۔

''وقت کو بنانے کی بات کرتے کرتے، وقت کے ذریعے بننے کی بات کرنے لگے۔''، سائرہ بولی۔

''ہاں!... ہاہاہا!!''

'' Jan Koum اور Briyan Acton نے ایک کارنامہ کیا ہے میرے لیے، پتہ ہے؟ شاید میں تمھیں ایک خبر دے رہی ہوں!''

''یان کوُام اور برائن آکٹون!... پتہ ہے...''

''ساری دنیا میں فری واٹس ایپ میسیجینگ! ہے نا! میں نے ڈاؤن لوڈ کر لیا ہے، تم بھی کر لو۔'' یہ کہہ کر سائرہ نے مجھے چونکا دیا

''واؤ! میڈیم اپ ٹو ڈیٹ!

''ارے تم لڑکے، ہم لڑکیوں کو صرف چولہے چوکے یا گھر سے دفتر تک کیوں سمجھتے ہو؟ ناسمجھ تو تم ہی ہو! اب مان بھی لو۔''، سائرہ نے ہلکے سے قہقہے سے مجھے شرمندہ کر دیا تھا۔ میرے احساس کو وہ بھی پا گئی۔ بات بدل کر بولی،

''چلو تمہارا ایشن شروع او کے!''

''او کے۔''

''تو چلو واٹس ایپ ڈاؤن لوڈ کر کے آن لائن آجاؤ۔''

واٹس ایپ

''چاہتے ہو، تمھاری شادی کے بعد ممی تم پر اپنا حق چھوڑ دیں۔'' واٹس ایپ شروع کرتے ہی سائرہ کا پیغام میرا سواگت کر رہا تھا۔

''وہ نہیں چھوڑیں گی تو میں اپنا ادھیکار چھوڑ دوں گا۔'' میں نے بھی جواب لکھ دیا۔

''سائرہ میں تمہیں کانفرنس پر مما کی آواز سناتا ہوں۔ او کے؟ فون پر آؤ۔''

''ٹھیک ہے۔''

''بولو ممی!''، میں دوسرے فون سے کال کانفرنس پر ڈال لیتا ہوں۔
''کھوپولی کے لیے نکل رہا ہوں۔ساحل کے ساتھ۔''
''گھر کب آ رہا ہے۔''
''کل سویرے نکلوں گا۔''
''ٹھیک ہے!''
مما کا فون بند ہو گیا۔
''کیسی لگی ممی کی آواز؟'' فون بند کر کے میں سائرہ سے پوچھتا ہوں اور کوئی جواب سنے بنا ہی شروع ہو جاتا ہوں۔
''ابھی بات کر رہی تھیں نا، آج مما نے فون کیا کیوں کہ وہ گھر پر ہیں۔ اب سیدھے کل شام کو ہی اگلا فون کریں گی! شاید کل شام کو بھی نہ کریں۔......ضروری نہیں کہ کریں گی ہی۔ جب آئیں گی، تب آئیں گی!''، میں کہتا ہوں۔
''..............''
''کہہ رہی تھیں صبح کھانا بنا کر جاؤں گی، کھا لینا۔' جب نہیں آتیں تو پوچھتی بھی نہیں، 'کہاں کھانا کھایا؟ کیا کھایا؟' اس چیز کی وجہ سے میں خود کو ایک ڈھرّے پر رکھ نہیں کر پاتا۔ شادی تب کروں گا جب ایسا گھر بنالوں گا جس میں مام ڈیڈ کا حصہ نہ ہو، 'نکل گھر سے!'....، 'ہم کہیں گے وہی کرنا ہوگا!'،...کوئی یہ نہ کہے!''
''..............''
''، پلیز آج مت آنا۔''
''مام، آج شام دوستوں کے ساتھ وقت گذارنا چاہتا ہوں۔''
''سوچنا چاہتا ہوں.. پلان بنانا چاہتا ہوں، جس میں کسی کا اثر نہ ہو!۔''
ایسا کچھ اگر میں مما سے کہوں برا نہ مانیں۔
''تو یہ کیسے بول سکتا ہے؟''، آج وہ فوراً بولنا شروع کر دیتی ہیں، ''ایسے کیا کہتا ہے؟ گھر میرا بھی ہے، تجھے سمجھ میں نہیں آتا کیا؟''

''......کتنی پارٹی کرتا ہے!''

''اور کیا کیا کرتا ہوں؟'' سوچتی ہیں، پیتا ہوں......

......ان کے تخیل کی وجہ سے میں تکلیف کیوں اٹھاؤں؟

''......................''

''آؤں کیا؟''، ......تب آنے دوں گا، جب وہ ایسے پوچھیں گی۔''

''وہ تمھاری ماں ہیں!''

''ہاں ہاں! بنا پوچھے بھی آئیں تو transparency والے رشتے میں آئیں۔ بالکل شفاف رشتے کے ساتھ... سوچیں کہ بیٹا اب بڑا ہو گیا ہے۔ .... کیوں کہ ایسا ہوگا، تبھی میں مام کو عزت دے پاؤں گا۔ میں امید کرتا ہوں، اپنا گھر ہو۔ یہاں سب کچھ تو کر رہا ہوں۔ ذمہ داری پوری میری! لائٹ بل بھرنا، کھانا بنانا یا نہ بنانا۔ مام کا اس میں لینا دینا کچھ نہ ہو۔ جو ہو صرف میری سوچ سے ہو۔ مگر ابھی پچاس فیصد گھر میرا ہے۔ ان کو کھانا بنانے یا آنے سے روک نہیں سکتا۔ اگر مما سے جھگڑا ہو جائے تو دور رہ کر سوچ سکوں، .... ایسا اب کہاں ہوتا ہے۔ کب ہوگا ابھی کہہ نہیں سکتا۔

تعجب ہوتا ہے جب سوچتا ہوں ..... مما کو بڑے بیٹے کی فکر نہیں، شاید لگا ہوگا کہ وہ تو میرا ہی ہے...... آخر میرے پاس ہے... یا پھر باپ کے پاس نہیں ہے۔ باپ سے محبت بھی نہیں.. شاید کچھ کچھ نفرت ہی ہے۔ پتہ نہیں!!!''

پہلے مما اسکول میں آتی تھیں، تب میں کماتا نہیں تھا۔ جب گھر چھوڑا اور کھار گھر کے کرائے کے گھر میں رہا۔ وہاں بھی ملنے آتی تھیں۔ جب جی چاہتا ہے چلی آتی ہیں۔ میں ضرور چاہوں گا کہ سوچیں کہ بیٹے کو کیا لگے گا۔ اگر یہ سوچ کر آئیں کہ اُن کو ضرورت ہے تو چلے گا۔ .... لیکن اگر یہ سوچیں کہ کیا کر رہا ہوگا، دیکھیں، تو نہیں چلے گا۔ چاہتا ہوں، شادی کے بعد تو کم سے کم سوچیں کہ بیٹے بہو کو ڈسٹرب تو نہیں ہوگا! کبھی کبھی لگتا ہے .... ابھی بھی میں چکنی مٹی کی طرح ہوں کوئی شیپ دے دے تو بننے کی کوشش کرتا ہوں، لگتا ہے...... اور وہ صحیح بھی ہے۔

''تم اُن کو معاف نہیں کرو گے!''

''میں دیکھتی ہوں تم اگر اُن کو معاف نہیں کرو گے تو یہ نفرت، یہ چڑھ تمھارے بیوی بچّوں میں منتقل ہوگی۔.....اور ماں کو انجانے میں ہی بدترین مستقبل ملے گا''، جو بات منہ پر نہیں کہہ سکتی، سائرہ اسے واٹس ایپ پر سنڈیش کر دیتی ہے۔

اِس ایک جملے سے میری سوچ کا زاویہ اپنا رُخ بدل دیتا ہے۔ میں اِنٹرنیٹ بند کر دیتا ہوں اور سوچنے لگتا ہوں۔

☆ اگلے دن

اگلے دن 'واٹس ایپ' پر سائرہ کا سوال لکھا ملا،

''جب مما بوڑھی ہو جائیں گی، اتنے سال کام کیا ہے، اتنی دنیا دیکھی، پیسے کمائے ....اپنے مستقبل کے بارے میں کچھ تو ضرور سوچا ہوگا۔ تمھارا یہ پنویل کا آدھا گھر، واشی جو ہوکی دوکان ان کے نام پر ہے...یعنی کچھ سوچ رکھا ہوگا نا!''

''ویسے بھی یہ وقت صحیح نہیں ہے بات کرنے کے لیے....کیوں کہ ہم خود اپنے پیروں پر ٹھیک سے کھڑے نہیں ہیں۔ مما کی آگے چل کر، ریٹائرڈ ہو کر کمائی تو جاری رہے گی، انھیں پینشن بھی ملے گی۔............ پھر بھی اگر انھیں، ہماری بھی ضرورت ہوگی، تب میں ان کی مدد ضرور کروں گا!''

''تم سوچتے ہو انھیں تمھارے پیسوں کی ضرورت پڑے گی، ذہنی سہارے کی نہیں؟''

''یہ بڑا پرابلم ہو جائے گا میرے لیے! شاید میں یہ دے نہیں پاؤں گا! نارمل آدمی تو یہی سوچے گا کہ میری ماں ہے، مجھ کو سپورٹ کرنا چاہیے!''، میں جواب ٹائپ کرتے ہوئے لاجواب سا ہوں۔

''مما رشتے بنانے میں زندگی بھر بھاگتی رہیں۔ چودھری کہیں نہ کہیں ہوگا، مام کی لائف میں ہے۔ چودھری کو سوچتا ہوں تو دماغ خراب ہو جاتا ہے۔ سوچ بلاک ہو جاتی ہے۔''

تبھی سائرہ آن لائن آجاتی ہے۔

''سوچ کبھی منجمد نہیں ہوتی، منفی ہو سکتی ہے۔''

''ہاں! سچ ہے میری سوچ اتنی نگیٹیو ہو سکتی ہے، اتنی فضول کہ چاہوں بھی تو سوچ نہیں پاتا کہ مما کو میرے جذبات کیوں سمجھ میں نہیں آتے!...... میں کیوں دوں سپورٹ مما کو؟ سپورٹ تو انھیں مجھے دینا چاہیے۔''

''ماں سے کبھی کھل کر بات چیت کی ہے کیا؟ ان کے دل کی بات بھی سوچنی چاہیے تھی نا! کن حالات میں کیا یہ!''

''بات تو کی تھی، مگر اسمیں بھی کہیں نہ کہیں غصے کی آگ، سختی اور کڑواہٹ اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ مام چپ ہو جاتی ہیں۔ تین چار بار ٹھنڈے دماغ سے بات کرنے گیا تو تھا ......مگر جھگڑے کے بعد۔ جب ان کو سمجھانے جاتا ہوں، پہلے جو غصہ دکھا چکا ہوتا ہوں، اس کی وجہ سے دوبارہ غلطی ہو جاتی ہے!''

''کیا تمھارے ساتھ گھر شیئر کرنا ان کی مجبوری تھی؟.....وہ بھی گھر تھا، چودھری کا، جہاں مما رہتی ہیں۔ کیا اِس موجودہ گھر کو شیئر کرنے کی ایک وجہ یہ تو نہیں کہ تمھارے ساتھ رہنا چاہتی ہیں!''

''ہاں! ہم اِس گھر میں رہ سکتے ہیں۔'' یہی اکثر کہتی ہیں، وہ کوشش کرتی ہیں کہ یہاں آئیں، وقت گذاریں، کھانا کھلائیں۔''

''ایک ماں کے لیے بچے، بچے ہوتے ہیں۔ وہ ان کی باتوں کو دل پر نہیں لیتی، جتنی کہ بچے لیتے ہیں۔ چودھری کے بچوں پر دھیان، شاید مجبوری میں دیتی ہوں!''

''میری ہی غلطی ہے...... آج سوچتا ہوں! میں نے کتنی ہی چیزوں کے لیے ضد کی ہوگی! چودھری کو چھوڑنے کے لیے کبھی اتنی ضد کی ہی نہیں۔ میں مام کو واپس لا سکتا تھا بلکہ لا سکتا ہوں۔ اب تک واپس لانے کی پوری کوشش کی ہی نہیں ...... شاید میرے اچھے سلوک سے وہ واپس آ جائیں!''

''چودھری کو ان کی زندگی سے کھینچ کر، نکال کر پھینکا، تو وہ ٹوٹ جائیں گی، جیسے مہک کو چھوڑ کر تم نے تکلیف اٹھائی اور اٹھا رہے ہو!''

"شاید مما کے معاملے میں میں بہت خود غرض بن کر سوچتا ہوں۔ سچ کہا تم نے کہ خود سے چھوڑیں گی تو چھوڑ دیں گی۔"

سائرہ ایک دم چپ ہو گئی۔ جیسے وہ یہی سننا چاہتی تھی۔ اب سوچتا ہوں، حقیقتاً اسے اس ماہرِ نفسیات کو مجھ سے گفتگو کا یہی نتیجہ چاہیے تھا۔

میں بھی خاموش تھا۔

☆ تنکے کا سہارا

اتوار کی رات مما کو اِڈلی کے لئے اُڑد کی دال اور چاول مکسی میں پیستے دیکھ کر میں دِل ہی دِل میں خوش ہوتا رہا۔ سائرہ کا خیال آیا۔ سوچا، خوشی بانٹ لوں۔

واٹس ایپ کیا۔

"مجھے نہیں لگتا کہ اب وہ انسان مما کی زندگی میں اُس طرح سے ہے۔ اب شاید اُس سے اتنی جذباتی طور پر وابستگی نہیں۔ اب انھیں پنویل کے ہمارے اِس گھر میں زیادہ اچھا لگتا ہے۔ جس طرح سے وہ دوڑتی ہوئی گھر آتی ہیں، بیٹھتی ہیں، بات کرتی ہیں...... سچ لگتا ہے۔"

سائرہ نے اشارہ دیا ہے، میں اپنے حالات کا جائزہ لیتا رہوں اور اسے واٹس ایپ کرتا رہوں! اُسے جب وقت ملے گا، جواب دیتی رہے گی۔

"پتہ ہے، سائرہ، مما نے کہا سب مل کر اکٹھے رہتے ہیں۔ یہ سوچ بھی میرے لیے کتنی مشکل ہے۔ سمجھوتہ کرتے ڈر لگتا ہے۔ ممی چاہتی ہیں...... کہ بکھری فیملی کو پھر سے جوڑ دیں......! 'بکھرنے کی ایک وجہ تو میں ہی ہوں'، ایسا سوچتی ہوں گی۔ یا پھر عورت کے سُبھاؤ میں ہی جوڑنا ہے؟............ تم بتاؤ!"

میں نے کروٹ بدل کر ریموٹ سے ٹی وی بند کر دیا۔ سائرہ کا جواب آنے میں دیر نہیں لگی،

"جیسی تمھاری نگیٹیو سوچ ہے چودھری کے لیے، ان بچوں کی بھی ویسی سوچ بنی

ہو سکتی ہے نا تمھاری مام کے لیے؟''

''ہوں...... ہوں...... پہلے بھی میں محسوس کرتا تھا۔''

'' ہو سکتا ہے اب ان کو وہاں سے ویسے جذباتی ردِ عمل نہیں مل رہے ہوں ،...... کیا مام اب بھی جا رہی ہیں؟''

''ہاں!''، میں کہتا ہوں۔

''اپنا خون بھرپور پیار دے گا تو باہر کی کیا ضرورت ہو گی بُڑ تیلا کا رڑی چا آدھار''، میں نے سوچتے ہوئے کہا، ''اِس کا مطلب سمجھتی ہو؟''

''ہاں، ڈوبتے کو تنکے کا سہارا''

''مما شاید اُس طرف اس لیے جھکی ہوں گی!'' مجھے سائرہ کے جواب کا انتظار نہیں ہے۔

''اِس جھکاؤ کے بہت سے پہلو ہوتے ہیں'' سائرہ فوراً موضوع پر آ جاتی ہے، ''کمزور آدمی ایسے قدم اٹھاتے ہیں۔ شوہر کو سزا دینے یا بدلہ لینے کے لیے بھی ہو سکتا ہے۔ تیسرا فیکٹر ہے سہارا!...شاید ممی کو اُس وقت سہارے کی ضرورت تھی اور شاید اُس وقت چودھری کے گھر میں بھی سہارے کی ضرورت تھی!''

میں کچھ دیر اِس میسج کو گھورتا رہتا ہوں پھر آف لائن ہو جاتا ہوں۔

☆ پراپرٹی

''ڈیڈ کی طرف تمھاری سوچ کیا ہے؟'' سائرہ واٹس ایپ پر موجود تھی۔

''تیری مما مجھے گالیاں دیتی ہیں، تو کیوں نہیں دے سکتا؟'' چھٹی ساتویں کے گیارہ بارہ سال کے بچے کے دل میں کڑواہٹ بھر دی۔ پیسے اور طاقت پر گھمنڈ ہونے پر بھی ان کے لیے میری سوچ منفی نہیں۔...... جی چاہتا ہے کہہ دوں، ''ڈیڈ! میں آپ کو اپنی زندگی میں ہی نہیں گنتا.. میں آپ سے دوگنی طاقت بٹور سکتا ہوں۔..... 'میرے پاس پیسہ، طاقت، اولاد............'' اسی طرح سے آپ بولتے رہے ہیں...... آپ کو دکھاؤں گا کہ پیسہ ہی سب کچھ نہیں! آپ سے بڑا بن کر دکھاؤں گا............ تاکہ آپ کو دھچکا دے سکوں!' پتہ

چلے .... سوچیں کہ اپنے اس بیٹے کا کیا کروں؟، آپ نے شادیاں کیں، تو ہمارے بارے میں نہیں سوچا!''، میں اپنے جواب میں دل کھول کر رکھ دیتا ہوں۔

''کیوں؟ تمھیں لگتا ہے کہ تمھارے ڈیڈی نے تمھاری ممی سے بدلہ لینے کو دو اور شادیاں کیں؟'' سائرہ پتہ نہیں کیا کیا پوچھتی رہتی ہے!

''پتہ نہیں، مگر میں نہیں چاہتا تھا رشتے! لیکن تھما دیے گئے، 'لے بھئی یہ لے تیرا بھائی......... تیری بہن......... مائیں......''

''تیرے نام پر پراپرٹی کر دیتا ہوں!'' ڈیڈ ہنسی ہنسی میں کبھی کبھی کہتے ہیں۔

''نہیں چاہیے۔ یہ سب میری گردن پر آئیں گے!''

''تجھے ہی سنبھالنا ہے!''

''کیوں؟''

''ہاں! تجھے ہی سنبھالنا ہے۔''

''آپ کو جو کرنا ہے وہ کیجیے، مجھے جو کرنا ہے کروں گا۔'' .... اس بدلے کے چکر میں اُن جیسا نہ بن پاؤں، یہ سوچ بھی دل میں ابھرتی ہے۔

''بدلے سے انسان کو کچھ نہیں ملتا! آخر میں کچھ حاصل نہیں ہوگا؟...... پوری فیملی کو توڑ دیا...... بکھر گئے......... ڈیڈ کو دکھانا چاہتا ہوں!''

''مگر یہ بدلے کے روپ میں نہیں ہونا چاہیے۔''

''شاید اس لیے لاء کر نہیں پایا.. یا اس میں دلچسپی پیدا نہیں کر پایا۔'' میں موبائل بند کر کے بائیں ہاتھ میں اسے دبوچ لیتا ہوں۔ ڈیڈ کی بات یاد آتی ہے...... ''تم وہ کرو گے جو میں کہوں گا۔''،

چاہتا ہوں، لوگ کہیں، باپ ایسا ہے لیکن بچے ایسے نہیں ہیں۔

''باپ ایسا ہے۔ بچے ایسے ہی تو ہوں گے؟''، پونا میں چاچا کے خاندان والے یہ کہتے تھے۔...... ماں باپ کی غلطیاں دہرائی نہ جائیں! ایک لمبی زندگی بھی آگے ہے۔.... وہی مماوالا قصہ نہ ہو۔ کہانی دوہرائی نہ جائے۔ ذہنی دباؤوں کو سہا ہے، کبھی نہیں چاہوں گا،

وہی رہے۔ ہمیشہ...مام کے اس رشتے کے کارن...........نہیں کہتا کہ وہ غلط ہیں......یا ان کا طریقہ غلط ہے! جو میرے جذبات تھے۔ مہک کے بارے میں، پھر بھی اسے زندگی میں رکھا، کیوں کہ میری زندگی میں جو ہوا تھا اسی سے مہک کو قبول کیا ہوگا!

☆ وہ ایک طویل سیشن!

نانی، چودھری کو لے کر مما کو بہت طعنے دیتی تھیں، اس لیے مما اکثر ان کے گھر نہیں جاتیں، دونوں میں بالکل نہیں بنتی تھی۔ نانی کا رویّہ کچھ اس طرح کا تھا کہ بیٹی ہماری نہیں۔ شادی ہوئی، شوہر سنبھالے۔ اگر نہیں سنبھالے اور لوٹ آؤ، تو خود سنبھل جاؤ۔ ہم کیوں سنبھالیں۔ بچّے نانی کے پاس تھے۔ شاید اس لیے مما آتی بھی تھیں۔ مما جو کرتی ہیں سو کرتی ہیں۔ اگر غلط کیا تو ان کے دونوں چھوٹے بھائی، جو بوریولی اور اندھیری میں رہتے ہیں، روکنے کی کوشش بھی نہیں کرتے۔ بس کہتے ہیں،'' دیدی، جو کچھ کر رہی ہو، سوچ کر کرنا۔'' شولہ پور میں بڑی بہن سے مما کا جھگڑا ہوا تھا، اب نہیں ملتے۔ سب کو پتہ ہے مگر کسی نے روکا ٹوکا ہی نہیں! میں نے واٹس ایپ پر اس کا اظہار کیا تو سائرہ نے اُسی طرح جواب دیا،

''مہک سمجھاتی تھی کہ مما غلط نہیں۔ جاتی بھی ہیں تو کیا غلط ہے اس میں!''...لیکن ماں ہیں...اور ماں کا تصور...!.تب پہلی بار سوچا مما چودھری سے شادی کر لیتیں تو کیا کہہ پاتا؟

کچھ نہیں نا! اپنے آپ مجھے چپ بیٹھنا پڑتا!......وہ صرف جاتی ہی نہیں، رشتہ میں ایماندار بھی ہیں! لیکن شادی نہیں کی، شاید سوچا ہوگا کہ 'بیٹے ہیں ان کا کیا ہوگا؟'

''..........

''مما اور ڈیڈی دونوں میں یہی ایٹی ٹیوڈ ہے۔ دونوں نے ایک دوسرے کو چیلنج کیا ہے،

'میرے بیٹے میرے پاس ہی آئیں گے!'

''ایسا کچھ نہیں ہونے والا۔''

..........اسپتال میں وہ دونوں جھگڑ رہے تھے نا اس دن، جب میں نے خود کو چھرا گھونپ لیا تھا... یاد ہے نا! دونوں کے دماغوں میں یہ بات آتی ہے۔ذہنی تناؤ کے بعد بھی.... اسی لیے تڑپتے رہتے ہیں۔ اگر اتنی ہی کڑواہٹ ہوتی تو ڈیڈ مام کے بارے میں نہیں سوچتے۔ اسی لیے کہتے ہوں گے، ''تیری ماں کو دیکھ ابھی بھی وہی کہہ رہی ہے۔...... ابھی بھی چودھری سے ملنے جاتی ہے!''

بچوں سے ملنے کا حق چھوٹ جائے گا، شاید یہی سوچ کر مما نے شادی نہیں کی ہوگی ....شاید سوچتی ہوں کہ، 'بیٹے ہی کام آئیں گے۔' 'لڑکے ہیں تو خود کو سنبھال سکتے ہیں۔' شاید یہ خیال بھی آیا ہو!

.........لیکن اس وقت لڑکے ہو کر بھی ہم چھوٹے تھے نا! اس لیے ہمارا سہارا مما کو نا کافی یا نا مکمل لگا ہو!!! ......سہارا دینے کی بجائے لینے لگیں!

شاید مام نے سوچا ہوگا، 'مجھ اکیلی کو سپورٹ کی ضرورت ہوگی۔ جب ہم بہت سے کام ایک ساتھ کرنے لگتے ہیں اور ایک کو شروع کرتے ہیں تو دوسرے بہت سے کام چھوٹ جاتے ہیں! ....ذہنی دباؤ سے کیسے اُبھریں! یہ پرابلم بھی ہوگا۔...... سہارا خود کے لیے لے لیا۔ 'ہم' کی جگہ 'میں' کر لیا۔ ہم کی ضرورت کو مجموعی طور پر سوچا ہی نہیں!''

''ایسا کون سوچتا ہے، جب میاں بیوی میں جھگڑے ہوتے ہیں تو وہ بچوں کی طرف سے سوچا نہیں کرتے......!''

''مجھے تکلیف کہاں ہوتی ہے؟ پتہ ہے؟...... کہ ہر چیز کی شروعات مجھے ہی کرنی پڑتی ہے۔...... میری چاہت کے معنی ہی نہیں ہیں... میں کیا چاہتا ہوں یا کیا چاہتا تھا، یا کیا چاہوں گا...... 'چاہت' لفظ ہے ہی نہیں، صرف سمجھوتہ، جو مجھ سے شروع ہوگا۔ چاہیں تو یہ بات مام ڈیڈ یا بھائی سے شروع ہو سکتی ہے نا!''

''............''

''سب کو اکٹھا ہونے کے بعد ہو سکتا ہے میں سمجھوتہ کرنے کو تیار ہو جاؤں ....سمجھوتہ اس لیے کہ ساتھ رہوں گا تو اکیلے پن کے یہ تین سال ضائع جائیں

گے!.........ان تین برسوں میں بہت سی چیزیں سیکھیں! سب ساتھ آئیں تو مینیج کرنا سیکھنا ہو گا! ورنہ اکیلے رہنے کے اپنے فائدے بھی تو ہوتے ہیں کہ میں independent ہوں۔ خود کفیل ہو کر اپنا آپ سنبھال رہا ہوں!

جوائنٹ فیملی میں بہت بار ایسا ہوتا ہے..... مما یا کوئی نہ کوئی کام کر لے گا۔ کپڑے پڑے ہیں تو دھو لے گا۔ کام چلاؤ رویہ ہو جاتا ہے۔ خوش ہوں اکیلے رہنے سے..... سوچتا ہوں اکیلے رہنے سے اپنے پیروں پر کھڑا رہ کر اچھے تعلقات بنا سکوں گا۔ ساتھ رہنے سے کشمکش ہو گی!..... شاید..... شاید..... شاید.....!

اکیلے رہتے ہوئے ستمبر میں کتنے سال ہو گئے! پانچویں کلاس میں جھگڑا، ساتویں میں ماں گئیں! بھائی گیا! کچھ وقت ڈیڈ سے الگ ہو کر مما کے ساتھ رہا! پھر چار سال دو بارہ ڈیڈ کے ساتھ رہا.......... اور اب اکیلے.. عجب زندگی!"

"ایک طرف تمھاری خواہش ہے کہ تم سب کو جوڑ دو گے، دوسری طرف تم ڈرتے ہو کہ خود مختار اور خود کفیل نہیں رہ پاؤ گے؟"

"شاید بات چیت کرنے سے ڈرتا ہوں!"

"ہر چیز کے فائدے اور نقصان ہوتے ہیں۔ دونوں کے ہیں، اکیلے رہنے کے بھی اور مشترکہ خاندان میں رہنے کے بھی۔ ہم کو عادت ہے گروپ میں رہنے کی... جانور بھی رہتے ہیں!"، سائرہ نے جھٹ سے کہا۔

"یہی تو ڈر ہے کہ اگر اکیلا رہتا رہا تو شادی کے بعد بھی اکیلا پن ہی بھائے گا۔ اس سے شادی پر بہت اثر ہو جائے گا۔ تب بھی بیوی کہے گی، 'ایسا کرنا کیسا ہوگا'، یا 'ویسے کرو'، کوئی سُجھاؤ مشورہ دے گی تو شاید سمجھ نہیں پاؤں گا!، جیسے مام سے بولتا ہوں، شاید ویسے ہی میں بھی کہوں گا، 'تمھیں کچھ نہیں پتہ! تم چپ بیٹھو!'.......... اور وہ کیوں سہے گی؟! ماں تھوڑی ہے میری!!"، میں کہتا ہوں۔

"تمھاری ماں۔ باپ کو ساتھ لانے کی جو سوچ ہے.........."، سائرہ جلدی سے بات بدلتی ہے۔

''کہہ نہیں سکتا ڈیڈی ایڈجسٹ کریں گے کہ نہیں! شاید وہ پہلے ہی سے ایڈجسٹ ہو چکے ہیں! ممی ہی ایڈجسٹ نہیں کر پائیں گی! آج کل ہفتے میں چار پانچ بار گھر آتی ہیں۔ پہلے ایک دو بار یا زیادہ سے زیادہ، تین بار سے زیادہ تو نہیں آتی تھیں۔''

''تمھاری مما تمھیں کبھی گلے لگاتی ہیں؟ پیار کرتی ہیں؟''

''نہیں، مگر بچپن میں بہت لاڈ کرتی تھیں۔ تب میں مما کے پیٹ پر پیر ڈال کر ہی سوتا تھا''، میں یادوں میں کھو جاتا ہوں۔ میٹھی مدھر یادیں!

''تمھیں چھوتی ہیں تمھاری مما؟'' سوچتا ہوں، آخر سائرہ مجھے جذباتی کرنے کی کوشش کیوں کر رہی ہے۔

''کال سینٹر کی نوکری...... سر، پیٹھ، پیر میں درد رہتا ہے۔ میرے کہے بغیر ہی مام میری پیٹھ دباتی ہیں، سر کی مالش کرتی ہیں۔ سو جاؤں تو رات کو تیل لگا کر جائیں گی...... میں نے زندگی میں کبھی صبح کو دودھ نہیں پیا ہے، لیکن نیند لگنے کے بعد دودھ میں شکر ہلاتی ہوئی چمچ کی آواز کرتی آتی ہیں۔ آواز لگاتی ہیں ''دودھ پی لو، جیتو!''، میں چڑ کر کہتا ہوں، ''مما، نیند خراب ہو جاتی ہے!''

''پچھتاتی ہوں گی۔''

''جب کئی دنوں کے لیے آتی ہیں...... اس وقت پہلے دن دکھی ہو جاتا ہوں کہ آج کیوں آئیں۔ دوسرے دن کم چڑ چڑا ہو جاتا ہوں۔ تیسرے دن چڑ نہیں رہتی۔ مجھے پتہ ہوتا جاتا ہے۔ دِل قبول کرنا چاہتا ہے۔ لگنے لگتا ہے وہ پانچ دن بعد بھی یہیں رک جائیں گی لیکن ایک شام وہ کام سے گھر نہیں لوٹتیں۔

''رہنا ہے تو ہمیشہ کے لیے آجاؤ، ورنہ مت آؤ!''، میں سختی سے کہتا ہوں، ''مجھے ضرورت نہیں تمھاری! نہیں چاہتا، آؤ تم ہمیشہ کے لیے میری زندگی سے نکل جاؤ گی، تو بھی کوئی بات نہیں!''، منفی جذبات بڑھ جاتے ہیں۔ لگتا ہے کہ ہمیشہ ایسے ہی چلتا رہے گا...... میں نے سب طریقے آزما کر دیکھ لیے ہیں مگر جانا نہیں چھوڑتیں!

''ہو سکتا ہے چاہتی ہوں تم ضمانت دو، یقین دہانی کرو۔ تم کھل کر بولو۔ قبول

کروانے کا ڈر ہوگا! وہاں سے رشتہ توڑ لیا اور تم نے بھی بھگا دیا؟ ....تو کیا ہوگا، اس کشمکش میں پھنسی ہوں گی وہ! بارہ سال کا رشتہ بھی تو ہے!''

''مام اگر اُس انسان کے بارے میں سوچنا چھوڑ دیں گی، تو میں بھی بدل جاؤں گا!''

''اس کے لیے بات کرنا چاہیے، پوچھنا چاہیے، کہ کیا تم لوٹنا چاہتی ہو؟''

''پرابلم یہ ہے کہ پوچھنا تو شروع کر دوں گا، مگر بیچ میں بحث شروع ہو جائے گا!''

'' اپنی دفاع میں کیا کیا بولتی ہیں! کہتی ہیں، 'میں نے بہت برے دن دیکھے ہیں ،تو نے تو کچھ بھی نہیں دیکھا ہے۔'' میری جگہ اگر تم ہوتے تو کیا کرتے؟؟..........مگر وہاں میں سوچ نہیں پاتا کیوں کہ اپنے ہی نکتہ پر چپکا رہتا ہوں۔ وہ تفصیل سے سمجھا کر نہیں بتاتیں۔ بس بات کو چھو کر چھوڑ دیتی ہیں۔''

''میں نے تمہارے لیے اتنا کچھ کیا ہے......!''، وہ فوراً موضوع بدلتی ہیں۔! مجھے لگتا ہے جتاتی ہیں وہ اپنے آج کے سلوک کے سلسلے میں کچھ نہیں کہتیں۔ جو کہتی ہیں وہ وجہ تو نہیں ہے، ڈیڈ اور ہم دونوں کے لیے الزام زیادہ لگتا ہے۔ انکی باتوں کا مطلب کچھ اور ہو سکتا ہے!''

کچھ دیر ٹھہر کر میں ٹائپ کرتا ہوں،

''ایک مزے کی بات بتاؤں!......اب بھی ڈیڈ مام کے کاؤنٹر پر جا کر پوسٹ کارڈ، لفافے خریدتے ہیں!''

سائرہ مجھے سمائلی بھیجتی ہے اور میں مسکرا دیتا ہوں۔

''......ڈیڈ senior executive ہیں! چودھری ڈیڈ کا دوست تھا۔ اب دشمن ہے۔ دونوں ایک ہی پلانٹ میں کام کرتے ہیں، بس شفٹ الگ الگ ہے۔''

''کیا وہ تمھارے گھر آتا جاتا تھا؟''

''گھر تو کبھی آیا نہیں تھا۔''

''کیا تم سوچ سکتے ہو کہ چودھری نے کیا ساتھ دیا ہوگا؟''

''جھگڑا ہوا تو ڈیڈ کو سمجھانے تین لوگ آئے تھے۔ یہ پولیس کمپلینٹ ہونے سے

پہلے کی بات ہوگی! ڈیڈ نے کہا ہوگا یا مام نے بتایا ہوگا...... واشی کی اس بلڈنگ میں سارے کمپنی والے تھے.......... کسی نے رپورٹ کی ہوگی۔ انھوں نے اس معاملہ میں زیادہ دلچسپی لی ہوگی۔ اتنا ہنگامہ بھی تو ہوا ہوگا، سمجھایا ہوگا۔.......... اب سوچتا ہوں، کتنا چالاک تھا چودھری! اُس وقت، اُس کے بچے چھوٹے تھے۔ بڑے کر لیے۔ شادی نہیں کی۔ قانونی بیوی نہیں۔ مما کا پراپرٹی میں حق نہیں۔ چودھری کے بچے نہیں دیں گے۔ پھر بھی ہوسکتا ہے، چودھری نے مما کی پیسوں سے مدد کی ہی ہوگی!"

سائرہ آف لائن ہوگئی اور میں آفس جانے کی تیاری میں جٹ گیا۔

☆ مسز چودھری

"مجھے پوسٹ آفس ڈراپ کردو۔" میں موٹر سائیکل پر آفس کے لئے نکل رہا تھا کہ مما آگئیں اور میرے جواب دینے سے پہلے بولیں،

"درمیان میں کاموٹھے میں ٹھہریں گے۔"

"کیوں؟"

"پتہ ہے، کھاڑی کو بھر کر بنایا گیا ہے، کاموٹھے!"، وہ بات گھمانے لگیں۔

"پتہ ہے۔ وہاں کام کیا ہے؟"

"کسی سے بھاڑا لینا ہے۔"

"کس سے؟"، مجھے ذرا تعجب ہوا۔

"چودھری کے کرایہ دار سے پیسے لینے ہیں۔"

"تم ہی بات کرو۔" مما نے مجھ سے کہا، میں نے گردن ہلا کر بالکل نہ والا اشارہ کیا۔ لیکن کاموٹھے میں بلڈنگ کے نیچے رکا رہا۔ سوچتا رہا، چودھری کے کرایہ دار مما کو پیسے کیسے دیتے ہیں؟ اپنے آپ کو چودھری کی وائف محسوس کرواتی ہوں گی؟ 'مسز چودھری'.. پتہ نہیں!"

"دوکان کس کے پیسے سے خریدی گئی؟" میں پوچھتا ہوں۔

''میرے پیسے سے!'' مما اور ڈیڈی دونوں کہتے ہیں۔ سوچتا ہوں، ممی ڈیڈی کی شادی کے بارہ سال بعد دوکان خریدی گئی...... تو مل کر ہی لی ہوگی۔

الگ ہونے کے بعد مما نے نیرول کے سی ووڈس کا گھر لیا۔ شاید زمین بھی لی تھی۔ شاید چودھری نے کچھ دیا بھی ہو گا! قانونی بیوی نہیں تو قانونا کچھ نہیں ملے گا۔ پتہ نہیں!..... کچھ کیا ہوگا!............''

''کبھی کبھی مجھے لگتا ہے، مام نے ہی چودھری کے لیے، بہت کچھ کیا ہوگا! ان کی فطرت ہے، سامنے والا مہربان ہے تو کچھ بھی کر دیں گی۔ مجھ میں بھی یہی عادت ہے۔ جانتا ہوں کہ اس کا فائدہ نہیں ہوگا، پھر بھی پھنس جاتا ہوں۔ مما بہت submissive ہیں۔ دوسروں کی بات سننا، مشورے لینا............ میں بھی کھلی کتاب ہوں!

میرا دل چاہنے لگتا ہے کہ مسز چودھری والی سوچ سائرہ سے شیئر کروں! ایک تکلیف دہ سوچ!...اور سائرہ!...وہ مسلسل میری زندگی میں دلچسپی لے رہی ہے! آفس پہنچتے ہی میں اسے واٹس ایپ کر دیتا ہوں،

''مما کے برتاؤ میں ایک ہی بات نظر آتی ہے۔ ڈیڈ نے ٹھکرا دیا تب بھی جی سکتی تھیں۔ ان کے دوست سے ہی رشتہ جوڑ لینے میں بدلے کا جذبہ لگتا ہے، جو ایک مزدور ہے۔ جب انھوں نے قدم اٹھایا ہوگا تو نتیجے کا نہیں سوچا ہوگا۔ سوچا ہوگا، سبق سکھاؤں گی۔ کچھ سال جو کرنا تھا سو کر لیا۔ اب دس بارہ سال کے بعد سوچ رہی ہوں گی کیا کیا!''

سامنے سے کوئی جواب نہیں آیا۔ میں جواب چاہتا بھی نہیں تھا لیکن گھر پہنچ کر واٹس ایپ چیک کیا تو سائرہ کا چونکا دینے والا سندیس میرا منتظر تھا!

''اگر تم نے قبول نہیں کیا تو ماں کی زندگی غیر محفوظ ہو جائے گی، بدتر ہو جائے گی، تمھاری بیوی قبول نہیں کرے گی، بچے عزت نہیں کریں گے۔''

''ہاں! دادا مما کو اتنا ساتھ نہیں دے گا شاید............ لگتا تو نہیں......۔''

''کیا تم مما کے اِس رشتے کو سمجھ سکتے ہو؟'' سائرہ آن لائن ہی تھی۔ اچانک پوچھ بیٹھی! میں سوچتا چلا گیا۔ میں نے بہت غلطی کی، جو لوگوں کو بہت کچھ بتاتا رہا۔ ان

لوگوں کو ایک طرح سے یہ حق مل جاتا ہے کہ میری فیملی کے بارے میں جو چاہیں کہیں۔ میں تڑپ کر رہ جاتا ہوں مگر پھر کچھ نہیں کہہ پاتا، جانتا ہوں کہ رشتوں کی جڑیں گہری ہوں تو چھوڑنا آسان نہیں ...... مما کو اگر آگے جانا تھا تو... یعنی ...... مما کو اُدھر کا ہونا تھا، تو ہو جاتیں۔..... جاتی ہیں، اور سچ بھی نہیں بولتیں، کہتی ہیں، ''نہیں جاتی!'' یہاں ہر کوئی جھولے میں ہے!...... پھپھی ملنے کے بعد میں نے کبھی مما سے پوچھا نہیں۔ لگتا، وہ اس سے ذہنی طور پر زیادہ جڑ گئی ہیں۔ اکیلی عورت... دردناک، تکلیف دہ حالت میں کہاں تک سہے گی؟...... کبھی سوچتا ہوں اس معاملے میں کھل کر بولنا چاہیے ...... کھل کر۔...... چھپا رہی ہیں!!...... اگر وہی چیز ہم کریں تو ہم کیوں نہ چھپائیں؟...... بس! شاید اسی بات پر دل معاف نہیں کر پایا۔ کوشش بھی کی مگر نہیں، جتنا کوشش کرتا ہوں اتنا سخت ہوتا جاتا ہوں، اپنے آپ!

......کچھ دیر بعد میں نے ٹائپ کیا،

''تم مام سے ملوگی؟ .... چاہتا ہوں کہ تم سامنے رہو اور ہماری بات ہو ورنہ بات چیت کم اور بحث زیادہ ہوگی!''

☆ گرم رویہ

کبھی کبھی خیال آتا ہے کہ مام اور ڈیڈ دونوں پہلے سے ہی گرم مزاج کے ہوں گے۔ ہاں مما کھل کر غصہ دکھا نہیں پاتی تھیں اور وہ ضبط کرنے کی پوری کوشش بھی کرتی تھیں۔ ڈیڈ کو بچپن میں کبھی مما پر ہاتھ اٹھاتے نہیں دیکھا تھا .... بچپن میں کبھی نہیں۔ مگر مینکا کے زندگی میں آنے کے بعد..... ہاں۔

☆ کمپیوٹر کہاں گیا!

جب میں کھار گھر کے اُس کرایے کے مکان میں رہنے لگا تھا، ایک دن مجھ سے ملنے مما آئیں.....اور ان کا آنا جانا شروع ہوگیا۔ مما کا آنا جانا بڑھتا گیا۔ مجھے ان کا آنا جانا پسند نہیں تھا کیوں کہ انھیں کی وجہ سے تو گھر سے باہر نکلا تھا .... ان کی وجہ سے؟ ڈیڈ

کے وجہ سے؟......

نانی بھی دوبار مما کے ساتھ آئیں۔

''واپس آجا'' مما مجھ سے کہتیں۔ مجھے اس بات سے چڑ آتی۔ اتنا سب کچھ کرنے کے بعد کوئی کیسے یہ کہہ سکتا ہے۔''

''واپس آنے کے لیے گھر نہیں چھوڑا، کچھ بننے کے لیے چھوڑا ہے۔'' جواب دیتے ہوئے خون میں کڑواہٹ گھل جاتی۔

''میرے لیے کھانا مت لایا کرو!''، میں مما سے کہتا۔

''کال نہ کیا کرو!''

''میرے بارے میں سوچا نہ کرو۔''

پھر بھی مما آتیں، کھانا لاتیں۔ جذبات آجاتے۔ یہ مجھ پر جذبات تھوپنے کی سراسر کوشش ہے۔ اِموشنل بلیک میل!

اُس دن مما مجھ سے ملنے نہیں آئی تھیں۔ میری دوپہر دو بجے سے رات ایک بجے تک شفٹ تھی۔ یہاں رہتے ہوئے ابھی ڈیڑھ مہینے ہی ہوا ہوگا! جی ٹی ایل میں rotation کی شفٹ تھی۔

صبح روم پارٹنر دنیش کا ایک دوست گھر آیا اور آنکھوں میں بڑی امید لیے بولا، ''میرے گھر میں جھگڑا ہو گیا...... پپا سے!.. یہاں دو تین دن رہ سکتا ہوں؟''

''دیکھ بھائی زیادہ سے زیادہ ایک دو دن...... اس سے زیادہ میں رکھ نہیں پاؤں گا''، میں نے بالکل صاف صاف بات کی، ''ہم یہاں کا کرایہ ادا کرتے ہیں۔ دوسرے ہماری لائف ڈسٹرب ہو جائے گی۔''

گھر میں زیادہ سامان نہیں تھا۔ پلنگ، گدا، کمپیوٹر، ریڈیو، تھوڑے سے برتن اور کپڑے رکھنے کے لیے سوٹ کیس تھے۔ میں کیش بینک میں رکھتا تھا۔

میرے پلنگ پر کپڑے پڑے تھے۔ کچھ کپڑے رسی پر پڑے سوکھ رہے تھے۔ بس بیچلر کا گھر تھا!

''یہ گھر کی چابی رکھ اپنے ساتھ۔ رات میں دِنیش آئے گا............اس کو دے دینا!''، اس کو چابی دے کر میں نکل گیا۔

رات کو ایک بجے گھر پہنچا۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ دنیش کا دوست شراب میں لُڑھکا ہوا تھا۔ کپڑے بکھرے ہوئے......اور کمپیوٹر غائب!

''نہیں یار بور ہو رہا تھا......پی لی......تھوڑی سی!''، دنیش کا دوست شرمندہ سا تھا۔

''کوئی آیا تھا؟''

''نہیں۔''

''دنیش آیا تھا؟''

''نہیں!''

کیا کرتا؟ وہ نشے میں تھا۔ کیا کر سکتا تھا؟ پولیس کمپلینٹ کی...مگر جواب ملا، 'کمپیوٹر ایک بار پُرزے الگ الگ کر دیے تو کہیں سے کہیں پہنچا دیتے ہیں.........پتہ نہیں چلتا!' ''

''کھار گھر میں نہیں رہنا!''، ٹھان لیا....

اُن دنوں میری ایک ہی سوچ ہوتی تھی۔

میں حالات کو نہیں چلا رہا ہوں جبکہ میرے اصول کے مطابق تو مجھے ہی چلانا چاہیے۔ چاہتا ہوں کہ سب کچھ الٹ جائے۔ میں حالات کو خود کنٹرول کروں، نہ کہ اُن سے کنٹرول ہو جاؤں مگر میں ایسا نہیں کر پایا تو لوگ ہمیشہ مجھے فوراً سمجھ لیں گے، جلدی سے اور اندازہ کر لیں گے کہ یہ کیا کرنے والا ہے....اور میری زندگی برباد کر دیں گے۔

اب میں مختصر کرتا ہوں۔ میں King of let go attitude ہوں! ست چیزیں میری زندگی کی ناکامیوں کی علامتیں ہیں۔ زندگی کے بارے میں مجھے صحیح معلومات نہیں ہے۔ پلان اور عمل میں نقصان ہوتا ہے۔ لوگوں سے گھل مل نہیں پاتا۔ میرے اندر inferiority اور superiority دونوں complexes ہیں کیوں کہ مجھے لگتا ہے کہ میرے

اندر self management کی کمی ہے۔ ہر بات کے لیے بہانے بنانے لگتا ہوں۔

Nerul Seawoods کھار گھر چھوڑ کر نیرول کے سی ووڈ میں کرایے پر ایک گھر لے لیا۔ یہاں آ کر میں نے جی ٹی ایل چھوڑ کر ایبڈ و جوائن کیا۔ سب اچھا چل رہا تھا۔ خرچ کم کرتا، کھاتا پیتا اور گھوم پھر کے بھی پانچ چھ ہزار روپے بچا لیتا تھا۔

☆ بائک

اسی دوران شاید زندگی کی سب سے بڑی غلطی کی ۔فلیٹ کا کرایہ ڈھائی ہزار روپیہ تھا۔کھانے کا خرچ تین ہزار۔ ساڑھے دس ہزار کی تنخواہ میں سے چار پانچ ہزار کی بچت تو ہو جاتی۔بائیک لے لوں تو قسطیں تو یقیناً بھر پاؤں گا.........سوچ کر مام سے کہا،

''بائیک کے لیے ڈاؤن پیمنٹ کرا دو، قسطیں بھر لوں گا!''، مما کو ایک بہانا ملا۔

اب جیسے ان کا قانوناً آنا جانا شروع ہوا۔! گاڑی دِلا دی.........ادھیکار بنا۔

''میں نے اتنا خرچا، پھر بھی ہمارے دشمنوں کا ساتھ دیتا ہے؟''،مما کے لیے ڈیڈی اور ڈیڈی کے لیے مما ہی تو دشمن تھے.....کال سینٹر میں کوئی کسی کے لیے نہیں سوچتا ہر ایک کو اپنا خیال ہوتا ہے.....اکثر مجھے احساس ہوتا، کیا یہ دنیا بھی ایک کال سینٹر ہے......؟

☆ ڈیڈ کی کمپنی

''بی پی سی ایل میں ریٹائرڈ اور برسرِ روزگار ملازموں کے بچوں کے لیے جاب آیا ہے، کرنا ہے تو ابھی عرضی کر دے۔ تیرا ایجوکیشن بارہویں پاس کا ہے۔مزدور کی پوسٹ ملے گی۔جب تک لاء کی پڑھائی پوری ہو جائے ،مزدور بن کر رہ لے!''، ڈیڈی کا فون آیا تھا، بڑے مذاقیہ انداز میں بول رہے تھے۔

ڈیڈ خود بارہویں پاس ہیں۔ ساتھ میں NCTVT کا کورس کیا ہے۔ پرانے اسامی ہیں، اس لیے آج سینئر ایکزیکٹیو ہیں۔ مما نے بی اے کیا ہے، پوسٹ آفس میں اسٹامپ وینڈر کی حیثیت سے وہ ڈیڈی سے الگ حیثیت رکھتی ہیں۔ چودھری کو ڈیڈ شاید

اسی وجہ سے بھول نہیں پاتے کہ وہ دونوں ایک ہی پلانٹ میں ہیں، پھر بھی...

☆ بچپن میں بھائی اور میں

''تمھاری وجہ سے ہی یہ جھیل رہا ہوں۔ معاف نہیں کروں گا''، ایک دن میں بڑا چڑچڑا ہو رہا تھا۔ گھر پر ہم دونوں ہی تھے۔ مما پر مجھے کبھی کبھی بے حد چڑ آ جاتی ہے جب میں انھیں حالات کا ذمہ دار ماننے لگتا ہوں۔ میں مما پر میں بہت چلایا تھا۔ تھوڑی دیر بعد بھائی کا فون آیا۔

''کیوں بے! مما کو کیا بولا تو؟''، وہ مجھ پر چلا رہا تھا۔ مما نے اس سے شکایت جو کی تھی۔

بھائی اور میری خاصی جمتی تھی۔ ہمارے رشتے مقناطیس کی طرح ہیں۔ دوری ہو تو کڑواہٹ نہیں ہوتی، قریب آئے تو اختلاف اور تناؤ.... کیوں کہ جن حالات سے ہم گزرے، ان میں ہلکا سا فرق ہے۔ نکھل دادا کو لگتا، اس نے دیکھا، وہی صحیح ہے۔ اور مجھے لگتا، میرا دیکھا غلط نہیں ہو سکتا۔ یعنی.... دھماکہ وہی، کھڑے رہنے کی جگہ الگ۔ آج کل میں، مما اور بھائی دونوں پر غصہ ہوتا ہوں۔

''پھر کیا کروں! میرے کھانے کا طے نہیں۔ آج بارہ بجے، کل دو بجے، پرسوں نہیں کھاؤں گا۔ آفس سے گھر آتا ہوں اور کسی ایک دن مما آ جاتی ہیں۔ کبھی تین چار دن نہیں آتیں۔ گڑبڑا ہو جاتا ہوں! شیڈول مینٹین نہیں کر پاتا۔ کوئی کام ایک وقت نہیں کر پاتا وہ کبھی بھی کھانا بناتی ہیں...... ڈھیر سا بناتی ہیں...... اگلی بار آ کر پھینکتی ہیں''، میں بھائی پر ایسے برستا ہوں، جیسے وہ مما ہوں۔

بھائی سے فون پر ڈانٹ کھانے کے بعد میں مما سے دوسرے طریقے سے بات کرنا شروع کرتا ہوں۔

''ایک کام کریں، آپ کھانا مت بنایا کریں''، کبھی کہتا۔ ''مجھ سے پوچھیں، کھاؤں گا کہ نہیں۔ آپ کی محنت کم ہو جائے گی، میں بھی بچ جاؤں گا''، میں کہتا رہتا ہوں۔

''فرج میں کھانا رکھا ہے، اوون میں گرم کر کے کھالو''، جواب میں وہ الٹے مجھے ہی کہتی ہیں اور چلی جاتی ہیں۔

''اب دو تین دن کوئی نہیں پوچھے گا! میری زندگی میں ٹھہراؤ نہیں۔'' میں گھر میں تنہا بیٹھا بڑبڑاتا رہ جاتا ہوں۔

☆ سی ووڈس نیرول کا کرایے کا گھر

''گھر آتی ہیں....تو، ایک کام کیا کریں، گھر صاف رکھا کریں۔''، میں گھر صاف کرتا ہوں۔ مما آفس سے آئیں گی، بہت سا سامان لائیں گی۔، نیوز پیپرس لائیں گی، ردی جمع کر کے گھر میں ردی خانہ بناتی ہیں۔

''میں اخبار نہیں پڑھتا، کیوں لاتی ہیں؟ آپ پڑھتی ہیں، آفس میں چھوڑ آیا کریں۔'' میں سی ووڈس نیرول کے کرایے کے گھر میں چڑ کر میں کہتا۔

'نیوز پیپر پڑھنا چاہیے۔''

''مجھے ضرورت ہوتی ہے تو لاتا ہوں نا۔ گھر میں کمپیوٹر ہے، انٹرنیٹ ہے۔ نیوز آن لائن پڑھ کر جان لیتا ہوں۔ اس کے لیے گھر گندا کرنے کی کیا ضرورت ہے؟....ہے کیا؟''

''مجھ سے نہیں ہوتا یہ سب کام۔ کیا کیا کروں؟ آفس کا کام کر کے گھر آنے کی وجہ سے یہ سب نہیں ہوتا۔ مجھے بھی آرام کی ضرورت ہے!'' مما کہتی ہیں۔

''سولہ سال ڈیڈ کے ساتھ تھیں، کیسے مینج کرتی تھیں، تب ڈر تھا یا ذمہ داری؟...... پریوار تھا۔''، میں کہنا چاہتا ہوں مگر کہتا ہوں، ''پہلے گھر اتنا صاف رکھتی تھیں۔ اکیلی سب کام تو کرتی تھیں۔ سنیچر اتوار ہماری بھی خوب محنت ہوتی۔

''کھڑکیوں کے گرِل صاف کرو!''، وہ ہر طرف دھیان دیا کرتی تھیں۔

''جالے نکالو!''، ڈیڈی اور ہم بچے کرتے تھے۔ آج بھی کرتا ہوں۔

بارہ سال میں ڈیڈی کا دباؤ نہیں رہا ہو، فیملی لیڈر غائب ہو گیا...... مما نے اچھا سنبھال بھی لیا مگر ماں کی ڈیوٹی میں کہیں قربانی کر بیٹھیں...... جانے انجانے میں...... پتہ

نہیں......ان میں انقلاب آیا...... کیوں کہ جو عورت اپنی سیلری شوہر کے ہاتھ میں دیتی ہو، اس کے ہاتھ میں اچانک اتنی تنخواہ آنے لگے تو!............ چوکنا ہو جائے گی۔ سمجھ میں نہیں آئے گا کیسے خرچ کرے۔ بزنس اُتنا سمجھ میں نہیں آئے گا شاید!......میں بھی کیسی پرانے زمانے کے مردوں والی سوچ رکھتا ہوں! لیکن مما نے اچھا سنبھالا ہی نہیں کیا، اچھا انتظام بھی کیا اور بچت بھی کی۔ نیرول میں گھر خریدا اور اب کرایے کے پیسے بھی پا رہی ہیں۔ نیرول کے مما ڈیڈ کے دوسرے مشترکہ فلیٹ پر ابھی بھی پراپرٹی کا کیس چل رہا ہے! عجیب قصے ہیں یہ سب!

ایسی باتوں پر کبھی کبھی جھگڑے ہو جاتے ہیں۔ مما سے مجھے ذاتی بغض نہیں ہے۔ کم چیزیں ہیں جو مجھے بہت کھٹکتی ہیں۔............اور ان کا گھر پر روزانہ نہ آنا......! مجھے اس کی وجہ سے سمجھوتے کرنے پڑتے ہیں۔ ایک دن مما کا ساتھ...دوسرے دن اکیلا۔

سوچتا ہوں کہ بچے جب گھر کے بارے میں سوچتے ہوں گے، تو ممی ڈیڈی کا دھیان آتا ہوگا،

''ممی کھانا بنا رہی ہوں گی، میرا انتظار کر رہی ہوں گی۔ بارہ بج گئے، اب گھر جانا چاہیے۔''

''یہ کیا تو ڈیڈی خوش ہوں گے یا ناراض!''

ویسا احساس مجھ میں بالکل نہیں ہے۔ میں جب گھر کے بارے میں سوچتا ہوں تو دھیان آتا ہے کہ،

''اکیلا رہتا ہوں!''

''گھر پر ٹی وی، کمپیوٹر، لیپ ٹاپ ہے۔''

......ممی ڈیڈی اس سوچ میں نہیں آتے۔ اس روزمرّہ میں مما اچانک آجاتی ہیں۔ تو پریشان ہو جاتا ہوں! کیوں کہ میرا کوئی آئندہ کا پلان نہیں ہوتا۔ گھر پہنچتا ہوں، لیپ ٹاپ پر اپنی پسند کا گیم لگا لیتا ہوں، ٹی وی چلا لیتا ہوں یا کمپیوٹر آن کر لیتا ہوں۔

''مجھے سونا ہے، جیتو!''

''رات کا وقت ہے سو جا۔''

''یہ کوئی ٹائم ہے کیا گیم کھیلنے کا؟...... کھیلنا ضروری ہے تو ہیڈ سیٹ لگا لے نا!''، مما کی آواز کھنکتی ہے۔

''ایسے کیسے بولتے ہو؟ میرا گھر ہے میں آؤں گی۔''

''میرے پاس طاقت ہے، پیسہ ہے، مجھے تیری ضرورت نہیں!''، آوازیں چاروں طرف سے گونجتی محسوس ہوتی ہیں۔ بے چین ہو جاتا ہوں۔ میرا دماغ پھٹنے لگتا ہے جب وہ منظر یاد آتا ہے......... جب ڈیڈ بولے تھے، ''نکل جاؤ میرے گھر سے، میری زندگی سے تمھارا نام و نشان بھی نہیں چاہیے مجھے!''، مجھے لگتا ہے، چڑچڑاہٹ سُن رہی ہے کہیں میرے اندر!

☆ چابی

چار دن ہوئے جھگڑا ہوا،...... ایسے ہی!

چابی لی اور دروازہ لاک کر کے چلا گیا۔ چابی مجھے سامنے والے گھر میں چھوڑنی تھی۔ دروازہ کھینچ کر نکلا۔ اندازہ تھا کہ مما نہیں آئیں گی۔ مما کو کال بھی نہیں کیا۔ ہماری ٹیم نے پنویل سے بیس کلومیٹر کی دوری پر چَوک گاؤں میں 'نشی لینڈ واٹر پارک' ریسورٹ میں پکنک کا پروگرام تھا۔ واپسی میں بہت تھکا ہوا تھا۔ نیند آ رہی تھی۔ بائیک چلائی نہیں جا رہی تھی۔ پھر بھی ہرل کو سی بی ڈی میں ڈراپ کیا۔ وہیں ساحل ملا۔

''چل 'بھگت تاراچند' چلتے ہیں کھانا کھانے۔ شاکاہاری... اوکے!''

''تُو اِس وقت گھر مت جا۔ تجھے نیند بہت آ رہی ہے...... میں بھی اکیلا ہوں، بور ہو جاؤں گا۔ آج رات میرے گھر رک جا!''، ساحل کہتا ہے۔

''چابی لے کر کیوں گیا؟ آ جا گھر جلدی۔ نانی بھی آئی ہیں۔''، مما کا فون تھا۔ میں ایسی بے چینی محسوس کر رہا تھا، جیسے بن بلائے مہمان آ گئے ہوں۔ میں نے انھیں بتایا نہیں کہ کہاں ہوں اور کس حال میں ہوں۔ بتا کر کیا فائدہ؟ آخر اتنی رات کو کہاں جاتیں وہ!

ان کی وجہ سے ساڑھے گیارہ بجے رات کو واشی سے نکلا۔ دل نہ چاہتے ہوئے بھی جانا پڑا۔ دونوں ایسے وقت میں آئیں کہ مجبوری میں یہ کرنا پڑا۔ ایسا مجبوری میں کرتا ہوں مگر نتیجے میرے لیے برے ہوئے ہیں۔ خود اذیت پسند ہو رہا ہوں! کہیں نہ کہیں جا کر یہ بھاری پڑ گیا!

گھر آیا، نانی کی ایک سہیلی بھی آئی تھیں، وہ مجھے اچھی لگتی ہیں۔ پڑوسن کے گھر کا دروازہ کھلا تھا۔ باتوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ لگا، کچھ میرے ہی بارے میں بات ہو رہی ہے۔ باہر دیوار سے لگ کر کھڑا ہو گیا کہ کیا کہہ رہی ہیں! کیوں کہ اُن کی امیدوں کے مطابق مجھ سے 'اچھا انسان بنے گا' ایسا وہ سوچ ہی نہیں سکتی ہوں گی۔ وہ میری سنے گا، یہی چاہتی ہوں گی!...... ایسی سوچ دل میں آئی کہ پتہ تو کروں، میرا اندازہ صحیح ہے یا نہیں۔

''ہمارے بارے میں سوچنا چاہیے نا! پاگل ہے؟ چابی لے کر چلا گیا ہے!'' مما کی آواز تھی۔ مجھے لگا یہ میری طرف انگلی دکھانا ہے کہ یہی تو ہے! لوگوں کو لگے ماں محنتی اور یہ گھٹیا انسان ہے۔ راستے کے آوارہ کتے جیسا گھومتا ہے...... اتنے سخت شبد نہیں تھے مام کے...... لیکن مجھے تو یہی محسوس ہوا۔ سن کر پانی پانی ہونے لگا۔

''یہ کبھی نہیں بدلے گا!'' مام بتا رہی تھیں، ''کسی کے لیے بدلنا چاہیے نا! میرے لیے تو......؟''، اچانک میں اندر آ گیا۔ بات چیت بند ہو گئی، سناٹا چھا گیا۔ میرے منہ سے نکل گیا،

''تم مر جاؤ گی نا...... تو بھی میں تمھارے لیے نہیں بدلنے والا!''

شاید...... جتنی تکلیف مجھے ہوتی ہے، میں ان کو بھی محسوس کرانا چاہتا ہوں! مجھے تکلیف ہو رہی ہے، ان کو نہیں! دل دکھانے کی کوشش کر رہا ہوں۔

''زیادہ بول رہا ہے! تو اس طرح کیسے بول سکتا ہے، اپنی ماں سے؟'' مما بڑبڑانے کرنے لگیں۔

''میں کچھ بھی بول سکتا ہوں! بہت سہہ لیا، اب سہنے کی طاقت نہیں بچی!''...... نانی اور پڑوسن بیٹھی سُن رہی تھیں۔ میں نے ان کی شکل تک نہیں دیکھی، موڈ خراب تھا۔

''بس انتظار کرنا کہ چینج ہوتا ہوں کہ نہیں!......ایک بات یاد رکھنا، جان بوجھ کر تو کبھی نہیں چینج ہوؤں گا۔ تمھارے شبد زندہ رکھنے ہیں ابھی!''

سچ میں وہ لفظ زندہ ہیں جو مما نے کہے تھے......

☆ بدعا

یاد آتا ہے....ماں کو چھوڑ کر ڈیڈ کے پاس جا رہا تھا! میں نے بی پی سی ایل کے ورکر کوارٹر میں اپنا سامان پیک کر لیا تھا۔

''جا رہا ہوں۔''

''کیا؟'' مما کا منہ کھلا رہ گیا۔

''......''

''ڈیڈی کے پاس......؟ ایک بار نظر گھما کر دیکھ لے! یہ سب میں نے تیرے لیے کیا ہے!'' وہ اپنی گردن کو جھٹکے دے رہی تھیں۔

''............''

پھر وہ کچھ دیر چپ رہیں۔

''......تو کبھی کامیاب نہیں ہوگا!............ کہیں بھی جا، کچھ بھی کر، ہمیشہ سڑتا رہے گا............ کتے کی طرح گھومتا رہے گا...... کامیاب نہیں ہوگا!''

یہ شبد مجھے لکھ لینے چاہیے تھے............ کہ

''آج میری حالت جو بھی ہو رہی ہے نا! تمھاری دعا کی وجہ سے ہو رہی ہے!''

پتہ نہیں کون سی دشمنی نکال رہے ہیں یہ لوگ!

☆ باندرا کرلا کامپلیکس

''پنویل کے گھر کا چیک لینے جانا ہے...... باندرہ کرلا کامپلیکس میں ایس بی آئی کے مین برانچ سے!......مما نے کہا ہے!''

''میں جا تو رہا ہوں مگر اپنے حساب سے جاؤں گا...نائٹ کر کے آیا ہوں، سوؤں گا، پھر جاؤں گا!'' صبح سے مما کے دو کال آ گئے۔

''جا رہا ہوں مما!''، میں نے ہر بار کہا۔

''تُو بول، میری سنتا نہیں!'' مما نے فون کر کے بھائی سے کہا۔

''کیا رے تیرے میں اتنی بھی عقل نہیں کیا!'' بھائی نے فون کیا، اُن دنوں وہ کبھی کبھی فون بھی کر لیتا۔

''تو کون ہوتا ہے سکھانے والا؟ تجھ میں عقل ہے، تو تُو جانا! خود ذمہ دار ہوا اور دوسرے کو بتائے.........تو بات ہے۔'' میں نے بات بڑھائی،

''دیکھ ہم نے بہت سی غلطیاں کیں اور کرتے رہیں گے! ہم ویسے نہیں، جیسے عام لوگ ہوتے ہیں! عام پریوار ساتھ رہ کر مسئلوں کے حل ڈھونڈتے ہیں۔ ہم چار کونے کبھی ایک ساتھ نہیں آ سکتے!''

''دیکھ ہر کسی کو اپنے نظریے سے خوش رہنا چاہیے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ دوسرے کے بارے میں نہ سوچیں۔ اگر کوئی تم پر انحصار کرنا چاہے تو کرنے دو!'' بھائی کبھی کبھی اچھی طرح سمجھاتا ہے اور کبھی کبھی بچوں جیسی باتیں کرتا ہے! اس کی ایک ہی کمزوری ہے۔ اس نے اکیلے رہ کر دن نہیں کاٹے! شاید یہ فائدہ ضرور ہے میرے ساتھ! میں جس نظریے سے چیزوں کو دیکھ پاتا ہوں، وہ نہیں دیکھ پاتا! بھائی کو برتاؤ کا، دنیا داری کا پتہ نہیں۔ میں جس دور سے گذرا وہ بھی اسی دور سے گذرا، 'کوئی تو ہو' میں سوچتا.........اس کے لیے مما تھیں، نانی تھیں......!''

بائیک پر دھاراوی سے نکلتے ہوئے لگ رہا تھا کہ کہاں مرنے جا رہا ہوں! کیسا علاقہ ہے! باندرہ کے قریب اس کامپلیکس میں اسٹیٹ بینک آف انڈیا کی بلڈنگ میں پہنچ کر سانس لی! ہاں! دھاراوی، ایشیا کی سب سے بڑی جھونپڑپٹی سے گذر کر آنے والا یہ علاقہ بڑا اپاش ہے! خوبصورت عمارتیں ہیں۔

☆ دبّو کہیں کا!

اگر کوئی نکھل کے پاس جاتا ہے، میری باتیں سناتا ہے تو وہ اس پر آنکھیں بند کر کے بھروسہ کرتا ہے! مگر میں اتنا مدہوش نہیں ہوتا کہ سامنے والا مجھے برباد کر کے رکھ دے۔ وہ اتنا بھروسہ کر لیتا ہے۔ میں سامنے والے کو سب کچھ بتا دوں تو بھی مجھے نتیجے معلوم ہوتے ہیں! میں سوچتا ہوں کہ کتنا جائز ہے۔ سامنے والا اس کا کیسا استعمال کرے گا، ایسے بتاؤں، تو یوں پیش آئے گا............ تو ویسے بتاؤں گا! مگر بھائی نکھل ایسا نہیں، کوئی تھوڑا بھی سہارا ملے تو سب کچھ کر دے گا بہت دبّو ہے۔ ہتھیار ڈالنے والا! اسی لیے ٹھوکر لگتی ہے!

میں اپنے آپ کو بیچارہ دبّو دکھاتا ہوں، کیوں کہ پھر لوگ دیکھتے ہیں!............ میں بتاتا ہوں مگر میرا اصلی مقصد بھی مجھے پتہ ہی نہیں! وجہ ہیں مما اور ڈیڈ!

''یہ کرنا ہے!'' مما کہتیں!

''وہ کرنا ہے'' ڈیڈ بتاتے!

کبھی میرے دماغ میں بھی تھا۔ اب خیال گم گیا۔ راستے دھندلے ہو گئے۔ راستہ ڈھونڈ رہا ہوں............ جی جان سے!...... مجھے مراٹھی کا قول یاد آتا ہے!

'ایک نا دھڑ بھارا بھر چندیا' یعنی ایک نہیں کام کی، ڈھیر ساری چندیاں،... ایک چیز ٹھیک سے نہیں کر سکتا مگر ہزار پلان کرتا ہوں! جیسے پہننا تو ہے ایک کپڑا مگر کتنے سارے چیتھڑے جمع کر لیے ہیں!............ بھائی کو بھی شاید مما سے اتنا لگاؤ نہیں ہے۔ سوچتا ہوں، 'وہ بھی کہیں نہ کہیں میرے بارے میں اسی طرح سوچتا ہوگا!' مگر اسے اس کی عادت ہے۔ وہ مما کا سلوک یا غیر حاضری سہہ سکتا ہے۔ اس میں اور مجھ میں سب سے بڑا فرق یہ ہے کہ وہ فٹ بال کی طرح نہیں ہے! ہمیشہ مما کے ساتھ لگا رہا۔ ماں کا اثر لینا، ان کی حمایت کرنا ضروری تھا!............ ڈیڈ سے تو وہ نفرت کرتا ہے۔ ان باپ بیٹے کا آمنے سامنے آنا مشکل ہے۔ ایک دوسرے کو غصے بھری نظر سے دیکھتے ہیں۔

''تو ممی سے ایسا سلوک کیوں کرتا ہے؟'' میری پڑوسن روزی چلاتی ہے۔ چلاتی

ہے، کیوں کہ اسے چلانا آتا ہے۔ لگتا ہے کہ وہ بھی مما کی طرح الگ حالات میں ہے۔ ہر انسان ایک ہی نکتہ پر کھڑا نہیں ہوسکتا نا! میں دوسرے پوائنٹ پر کھڑا ہوں۔

نکھل دادا گھر جلدی نہیں آتا۔ رات کے بارہ ایک دو بجے آتا ہے۔ اس کی نوکری دن کی ہے۔ دیر تک سوتا ہے۔ دس بجے اسے کام پر جانا ہوتا ہے۔ صبح ساڑھے نو بجے تک نیند سے جاگتا ہے۔ آدھے گھنٹے میں نہا کر تیار ہو جاتا ہے۔ کسی نے فون کیا تو بات کر لیتا ہے۔ رات آٹھ بجے تک کام کرتا ہے۔ پھر دوستوں کے ساتھ گھومنا، فلم دیکھنا، مٹر گشتی کرنا اور بس!

مجھے لگتا ہے مما خاص طور پر مجھے پکڑتی ہیں۔ شاید سوچتی ہوں گی یہ بندہ اکیلا ہے! ...... یا...... خلاء بھرنا چاہتی ہوں گی!...... بچپن سے اب تک کا خلاء!............ بھرتے بھرتے تھک جائیں گی، مگر کر نہیں پائیں گی۔ نکھل دادا تو شروع سے ہی ان کے ساتھ ہے۔

''یہ میرے بچے ہیں، میرے پاس ہی آئیں گے، تمھارے پاس نہیں جائیں گے!''

...... میں اسپتال میں تھا، ڈیڈ ملنے آئے تھے! مجھے تھوڑا سا ہوش تھا۔ مما بھی وہیں تھیں۔ مما نے اس دن چیلنج کے ساتھ کہا تھا۔ شاید انھوں نے اِسے سنجیدگی سے لیا تھا، چاہے بچے بے حال کیوں نہ ہو جائیں۔ .... شاید عورت کو کسی مرد کا تحفظ چاہیے! کیا مرد کو تحفظ کی ضرورت نہیں؟ ...... کم سے کم مجھے تو لگتی ہے۔ ڈھونڈ ڈھونڈ کر پریشان ہو گیا ہوں۔

☆ مار مَلا

نکھل دادا مجھ سے تین سال بڑا ہے۔ بچپن میں میرا اور اس کا الگ فرینڈ سرکل تھا، جیسے بھائیوں کا عام طور پر ہوتا ہے۔ جھگڑے میں وہ مجھے مارتا۔ واشی کے ہمارے گھر میں ماسٹر بیڈروم، ہم بھائیوں کا تھا، اور مام ڈیڈ کا چھوٹا کمرہ۔ جس دن دادا مجھے مارتا، اس رات میں انتظار کرتا۔ ڈیڈ نائٹ شفٹ کر کے آتے۔ مام ڈیڈ اور بھائی کے سو جانے کے بعد اسے کھلونا، لکڑی، جھاڑو، چپل یا جو بھی ملتا، لے کر مارتا اور دوسرے کمرے میں جا کر مما کے

بستر میں گھس جاتا......'ٹام اینڈ جیری' کارٹون کے جیری کی طرح!

''باہر آ تجھے بتاتا ہوں!''، دادا دروازہ کھولتا اور دھیمی آواز میں غصے سے کہتا۔ دادا مجھے بہت مارتا تھا۔ دونوں میں بڑے جھگڑے ہوتے۔

وہ مجھے مارتا، پھر پچھتاتا، پھر کہتا۔ ''ساری......اَتا تُو مار مَلا..مار مَلا (اب تُو مار مجھے، مار مجھے)۔''، اُس کے یوں کہتے ہی میں اس کو مارتا، غصے سے مارتا۔ مگر بعد میں اُس میں کچھ بدلاؤ تو آئے۔

☆ کوکر کا ہینڈل

میرا نکھل دادا سے آخری جھگڑا دادر میں ہوا۔ مما کے ساتھ بیٹھا تھا۔ 'شُور سکسیس کلاسیس' میں بارہ ہزار روپے فیس بھری تھی، مگر اوب جاتا تھا۔ دماغی طور پر پریشان بھی رہتا۔ دادر میں نانی کے گھر رہنے کی الگ پریشانی تھی۔ نکھل دادا خاموش سا ہو گیا تھا۔ وہ اپنی دنیا میں مگن رہتا۔

اس دن کلاس کا وقت ہو گیا تھا۔ میں سو رہا تھا۔

''تو میرے پیسے برباد کر دے گا!''، مما بولیں۔ میں بات نہ سنوں تو وہ نکھل کو بتا دیتیں۔ انھیں لگتا، اس کی مانوں گا۔ مگر میں نے کبھی اس کی بات نہیں مانی۔ اس نے صحیح طرح سے کوشش بھی نہیں کی۔ کبھی کوشش کرتا تو سنتا......مگر ضروری نہیں کہ مانوں۔

''اٹھ چل کلاس جانا ہے۔'' وہ رعب جتانے لگا۔

''میری طبیعت ٹھیک نہیں۔''، میں نے نیند میں دادا کو جواب دیا۔

''اٹھ، جا! بہت تماشے کر رہا ہے۔''

''نہیں اٹھا تو کیا کرلے گا رے! خود کو تو دیکھ۔ بارہویں پاس نہیں ہوا۔ خود کبھی روزانہ کلاس گیا؟ خود تو بنک کیا......!''

وہ مارنے آیا۔ میں نے پاس پڑے کُوکر کے ڈھکن کو ہینڈل سے پکڑا اور اٹھا کر اس کے سر پر ماردیا۔ زندگی میں پہلی بار کسی پر اس طرح جنگلی پن سے میرا ہاتھ اٹھا تھا۔ جتنا

زور تھا، اتنا لگا کر مارا تھا۔ دادا کے سر کے پچھلے حصے میں پانچ ٹانکے لگے تھے۔ پتہ نہیں کیسی جھنجھلاہٹ تھی۔ .... سولہویں سال تک وہ مجھے بری طرح مارتا تھا۔ اس حالت میں بھی دادا نے مجھے دو گھونسے جما دیے! میری بائیں آنکھ کالی ہوگئی۔ تین مہینوں تک کالا پن رہا۔

''کیا ہوا رے!'' لوگ پوچھتے۔

''باکسنگ پریکٹس کرنے گیا تھا...... کلب میں۔''، میں بہانہ بنا لیتا۔

دوسرے دن سے ہم دونوں بھائی ایسے بول سن رہے تھے، جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔

دادا میرے بعد بارہویں پاس ہوا۔ تعلیم کو اس نے سنجیدگی سے نہیں لیا۔ چاہتا تو کر سکتا تھا...... مجھ پر بھی بیتی، اس پر بھی۔

☆ میروُآنا گراس

میں اُتنا نہیں بہکا۔ کال سینٹر جوائن کرنے سے پہلے ہی سگریٹ پینا سیکھ چکا تھا۔ بس اب خوراک بڑھ گئی ہے۔ ہاں ایک بار گراس لی تھی۔ صرف ایک کوشش تھی۔ چھوڑ دیا، پھر ہاتھ نہیں لگایا۔ grass کی ڈھنکی میں سوچ رہا تھا، ''ماں جو کرتی ہیں، کرتی رہیں گی؟''

مشکل سے سولہ سال کا تھا۔ ہولی کے دن تھے۔ دوستوں کے ساتھ بیٹھا تھا۔ تُربھے کی کسی جگہ سے کسی کے ذریعے سے منگوایا تھا۔ دوست کے دوست کا دوست گراس یعنی میروُآنا گراس لایا تھا۔ بڑا بھدا تجربہ رہا۔ اس کے بعد کبھی چاہ نہیں ہوئی ...... ہاں موقعے سے ...... شراب پی لیتا، دل سے نہیں پیتا۔ ماحول ہی بن جاتا ہے۔ پیتے ہی ایک مایوسی اور بے بسی چھانے لگتی ہے! کچھ لوگوں کی تو چاہ ہوتی ہے۔ ٹیبل پر ایک گلاس نہیں ہو، تو لگتا ہے کہ کچھ کمی رہ گئی۔

شرط لگتی ہے کہ ''منھ کو لگایا تو پورا ختم ہونے تک چھوڑنا نہیں ہے۔'' ایک محفل میں ایک لڑکا شرط میں بارہ بوتل پی کر ہی اٹھا اور اٹھتے ہی اُلٹی کر دی۔ .... یہی سب کریں گے، گندگی مچائیں گے، سنکیوں جیسے ...... پتہ نہیں ...... کہاں سے آ رہا ہے ...... جھولتا جا رہا

ہے۔ ......وہ میں نہیں ...... پتہ تو چلے، کیا کر رہے ہو۔ میرے ساتھ یہ ایک ہی بار ہوا، جب مجھے پتہ نہیں چلا۔ جب میں نے خود کو چھرا گھونپ لیا تھا۔

☆ خواب!

میں چاہتا ہوں کہ کچھ حاصل کروں! کری اَر بنانا ہے۔ بڑی عجیب سی بات ہے کہ زندگی میں اب تک کچھ صحیح نہیں ہے۔ ہاں چاہتا ہوں کچھ تو بڑا بنوں۔ اس کے لیے اصول ضروری ہیں، وہی غائب ہیں! مجھ میں طاقت ہے، صلاحیت ہے، مگر اصول ہی نہیں ہوں تو کیا ہو سکتا ہے؟

بہت دن پہلے ایک خواب دیکھا تھا.......... سامنے دو راستے ہیں۔ ایک بہت بڑا پتھریلا لمبا چوڑا راستہ مگر پیچ دار ہے، اس لیے آگے اندھیرا دکھائی دیتا ہے۔ معلوم نہیں یہ راستہ کہاں جاتا ہے۔

دوسرا راستہ ایک تنگ گلی ہے۔ اس کے ایک سرے سے دوسرا سرا دکھائی دیتا ہے۔ گلی کے اندر جانے سے پہلے کوئی گیٹ جیسی چیز ہے۔ ایک بڑی بھیڑ اس تنگ گلی کے اندر جانے کی کوشش میں ہے۔ کیوں کہ یہاں سے دوسرا سرا نظر آ رہا ہے۔ صرف میں اکیلا بڑے پتھریلے لمبے چوڑے راستے سے اندر جا رہا ہوں۔ اندر کوئی نہیں ہے۔ کوئی ٹوکنے والا نہیں ہے۔ لگا، چیلنج میرے اندر ہے اور سب سے زیادہ چیلنج مجھے خود پیدا کرنے ہیں۔ اس لیے سوچا عام طور پر جو لوگ کرتے ہیں، وہ نہیں کروں گا!

کبھی کبھی مجھے لگتا ہے، گھومنے جانا چاہیے مگر کال سینٹر میں کوئی سماجی زندگی نہیں تھی۔ ہم نے آفس میں ہی سماجی ماحول بنا لیا تھا۔ نظریہ الٹا ہو جاتا ہے۔ لوگوں کے بارے میں سوچنا بند ہو چکا تھا۔ سماج کے معنی نہیں رہے۔ ہم نائٹ شفٹ کرنے والوں کو دن میں فرصت ہی کہاں ہوتی ہے! کال سینٹر میں ہی رشتے بن جاتے ہیں۔ جو محسوس ہوتا ہے، کھلے پن سے اس کا اظہار کرنے کی کوشش کر دیتے ہیں۔ وہی ہمارا نارمل برتاؤ ہو جاتا ہے۔

رات میں کوئی دیکھنے والا نہیں ہوتا۔ دن میں بھی ویسے ہی رہتے ہیں۔ بہت کم لوگ الگ قسم کے ہیں۔ سشما ان میں سے ایک ہے۔ وہ خاندانی قدروں کے بارے میں سوچتی ہے، ورنہ یہ قدریں کال سینٹر جوائن کرنے کے ایک مہینے تک ہی ٹکتی ہیں۔ بعد میں غائب ہو جاتی ہیں۔ 'ہم کریں سو قاعدہ'، والا اصول ہے۔

اب کال سینٹر میں ڈریس کوڈ لاگو ہو گئے تھے۔ اسکرٹ گھٹنے کے اوپر نہ جائے۔ بغیر آستین والا لباس منع ہو گیا، مگر فرق نہیں پڑتا۔ عقل پریشان ہے۔ لڑکیاں ایسے کپڑے پہنتی ہیں کہ سامنے والا دیکھتا رہے۔ جہاں کام کرنے جاتے ہیں، شاید وہاں کے لوگوں جیسا بننے کی کوشش کرنا ضروری لگتا ہو۔ سوچتا ہوں، ایک سڑا ہوا آم باقی کو سڑا دیتا ہے!

پارٹی میں لوگ ایسے جاتے ہیں کہ پہچان نہیں پائیں گے۔ جو طے کر کے آئے کہ کبھی نہیں پیے گا، وہ بھی جھک جاتا ہے۔

''ٹرائی کر کے دیکھ، کچھ نہیں ہوتا!''، کوئی کہہ رہا ہے۔

زیادہ تر سوشلا ئزنگ اور میل جول 'اسموکنگ زون'، ٹیرس کینٹے ٹیریا اور ایکزٹ ایریا میں ہوتا ہے۔ یہاں سگریٹ نہ پینے والا بھی پیتا ہے۔ کام کے بیچ نو گھنٹے کی شفٹ میں آپس میں ملنے کو وقت بہت کم ملتا ہے۔ جب ٹیبل پر ہیں، تب ایجنٹ کال لے رہے ہوتے ہیں۔ ٹیم لیڈر رپورٹ بناتا یا کال کا جائزہ لے رہا ہوتا ہے۔ یا پھر اپنے سینئر کو مسکہ لگاتا یا جونیئر کو ہٹا کر پوسٹ شفٹنگ یا پری شفٹنگ کر رہا ہوتا ہے یعنی شفٹ کے اوقات بدلوا رہا ہوتا۔ چونکہ زیادہ تر اسٹاف نوجوان ہے۔ نوجوانی کے دور کی شروعات والے لڑکے لڑکیاں............ جن کو...... آرام سے بہکایا جا سکتا ہے۔ دس لوگ شراب سگریٹ پی رہے ہوتے ہیں، تو دس لوگ کنٹرول میں رہتے ہیں مگر عارضی گندی عادتیں، شراب، سگریٹ عام ہیں۔ کون کتنا پھسلتا ہے، اس کا مقابلہ ہوتا ہو جیسے!...... رِجھانے کو تیار۔ صاف ہونے کے بعد لگے گا باہر نہ جایئے، میلے ہیں تو اور میلے ہو جائیں............ کیا فرق پڑتا ہے...... یہی سوچ رہتی ہے۔ مجھے آسانی سے قائل کیا جا سکتا ہے!

☆ بے پروا

''تجھے آنا ہے تو آورنہ بھول جا مجھے...!'' اُس دن میں نے ساحل کو بُری طرح جھڑکا تھا، ''ساحل آج کل تو مجھ سے دور کیوں ہو رہا ہے؟''

وہ فوراً مجھ سے ملنے آ گیا، ''تیرا چڑ چڑا پن بڑھ گیا ہے یار!'' ساحل نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔

''کال سینٹر کے برے اثرات سے میں بھی بچ نہیں سکا ہوں یار!'' میں شرمندہ سا تھا۔

''جیون سائیکل بدل گیا ہے تیرا۔''

''تھوڑی بہت جو سماجی زندگی تھی، ختم ہو گئی تھی۔ جن کو چاہتا ہوں کہ میرے ساتھ رہیں، نہیں مل پائے۔ میرے حساب کے دوست نہیں ملے۔ مجبوری میں، جو مل جائیں انھیں کے ساتھ رہنا پڑتا ہے۔''

''تُو زندگی کے بارے میں تھوڑا لاپروا ہو گیا ہے۔'' وہ بولا۔

''ہاں یار! 'لیڈ' جانے سے پہلے سوچ میں دھار تھی۔ مجھے ڈیڈی کو ثابت کرنا تھا کہ کچھ ہوں۔ وہ شدت کم ہو گئی۔ اب لگتا، وہ اپنی زندگی جی رہے ہیں۔ میں بھی کما رہا ہوں۔''

''پھر اب کیوں پیسے سے آنکھوں کو ڈھک رہے ہو؟ اپنی ذمہ داری بھول رہے ہو؟'' ساحل مجھے گھور رہا تھا۔

''ذمہ داری؟''، میں نے پوچھا۔

''ڈگری کے لئے کوشش....لوگوں سے اچھی طرح پیش آنا، یہ سب اپنی ذمہ داریاں ہی تو ہیں............!''

ہاں! انھیں ہی بھول رہا ہوں۔ پیسوں کی چمک دمک سے اپنے آپ میں گم ہوں۔ پہلے دوسروں کے بارے میں سوچا کرتا تھا کہ سامنے والا کیا سوچتا ہوگا!......مگر اب لگتا ہے کہ سامنے والے کو جو بھی لگے، مجھے کیا؟......ایسا رویہ ہوتا جا رہا ہے، لگتا ہے کہ یہ غلط

رویّہ ہے۔

ایک طرح کی لاپرواہی آ گئی ہے۔ مجھے پتہ ہے کہ کام نہیں کروں گا تو نتیجہ کیا ہوگا ۔ پھر بھی آخری منٹ تک انتظار کرتا ہوں کہ دلی دور ہے۔ پہلے بھی کچھ ایسا تھا لیکن اب یہ زیادہ بڑھ گیا ہے۔............ میں سوچوں کے سمندر میں غرق ہو جاتا ہوں۔ وہ میرے کندھے پر ہاتھ رکھ دیتا ہے۔

☆ مما

مما اتنی چیزوں میں خود جوڑ لیتی ہیں کہ جو کرنا چاہیے، نہیں کر پاتیں۔ میں کبھی اتنا زیادہ فعال ہو جاتا ہوں کہ کیا کہوں! نہیں کرنے والی چیز کر ڈالتا ہوں! ڈیڈی ذہنی طور پر منظم آدمی ہیں۔ انھیں پتہ ہوتا ہے آگے کیا کرنا ہے۔ وہ ہر کام منصوبے کے ساتھ کرتے ہیں۔ ان کے پاس مما کی لچک نہیں ہے۔ میں نے ان سے سگریٹ کی لت سیکھ لی............ کبھی کبھی لگتا ہے کہیں اپنے ڈیڈی جیسا نہ بن جاؤں۔ اِس پر بھی مما کی کمزوریاں زیادہ بتا سکتا ہوں کیوں کہ ان سے زیادہ جڑا ہوا ہوں، بھلے ہی زیادہ چڑ تا ہوں............ ڈیڈ سے بھی قریب ہوں۔ مگر مما کو زیادہ ہی قریب سے دیکھا ہے۔

ڈر ہے کہ ویسی زندگی نہ بن جائے!

☆ انا

میرے لیے کال سینٹر اچھی چیز رہی۔ آس پاس کے لوگوں سے میں کال سینٹر میں بھی بات نہیں کرتا، لیکن لوگوں سے اچھی طرح بات کرنا وہیں سے سیکھا۔

''ونیتیش کیسا ہے؟'' میرے ٹیم لیڈر سے کوئی پوچھے تو کہتا ہے،

''ایک نمبر فلرٹ! اپنی باتوں میں الجھانے، گھمانے کی کوشش کرتا ہے! بات کو عین موقع پر موڑنا جانتا ہے۔ باتوں کا استاد!'' میرے لیے کال سینٹر کبھی برا نہیں ہو سکتا! یہاں میں، میں بنا! اپنے پیروں پر کھڑا ہوا۔ لوگوں کا الگ تجربہ ہوگا! کیسے کہوں برا ہے۔

برے لوگ ہوتے ہیں نا! کال سینٹر کیوں برا ہے؟ یہاں اچھے برے ملے جلے لوگ ہیں۔

''سمجھ میں نہیں آتا، نوجوان کال سینٹر ہی کیوں جانا چاہتے ہیں؟''، ڈیڈ پوچھتے ہیں۔

''جب تمھارے پاس یہی آخری راستہ ہو تبھی! عارضی نوکری تھوڑے دن کرنے کے لیے، جیب خرچ کمانے کے لیے ٹھیک ہے نا!'' میں کہتا ہوں۔

''کیا کال سینٹر میں کام کرتا ہے، تو؟ وہاں لائف نہیں ہے۔ رات پالی کون کرتا ہے، پتہ ہے تجھے؟''، ڈیڈ کہتے ہیں، ''نائٹ شفٹ کرنے والے کبھی خوش نہیں رہتے!''، ڈیڈ آج بھی بولتے ہیں، ''بی پی سی ایل جوائن کر۔ سینٹرل گورنمنٹ کا کام ہے۔''

''پرابلم کام نہیں، تیرا ego ہے!''، مما بھی اس بات کو نہیں مانتیں۔ میری انا کو میرا مسئلہ کہتی ہیں...!

☆ میرا اپنا پنویل کا گھر

سنیچر کو ABDO سے صبح تین بجے چھوٹ کر ہم پونہ جاتے ہیں۔...... وہی پکنک وغیرہ......۔ ماحول ویسا ہی بنا رہتا تھا۔ ٹائم پاس کرنے کے لیے کوئی نہ کوئی ہو۔ لڑکیوں کو پٹانا، گھمانا، پھر ایک دن چھوڑ دینا۔ بس وقت گزاری کے لیے۔

''لڑکیاں بھی ایسی ہی ہو جاتی ہیں۔ بس دکھانے کو جذباتی ہیں... 'ساتھ میں' رہے تو ''تو میرا''، الگ ہوئے تو، 'تو کون، میں کون؟''

''کال سینٹر والے کسی بھی انسان پر بھروسہ کرنا ناممکن ہے!''، کوئی کہہ گئی۔

''سامنے والا گھر بکنے آیا ہے!''، روزی کا کال تھا۔ مما کو لے کر گیا۔ پسند آیا۔ بلڈر کا پتہ لے کر اسے ایک ہزار روپے ٹوکن دے کر بکنگ کر لی۔ روزی اب ہماری پڑوسن ہو گئی ہے۔ وہ شادی شدہ ہے، ایک بیٹا ہے۔ طلاق ہو چکا ہے مگر ہرش یہ سب سوچنا نہیں چاہتا۔

''ہرش تو اتنی بڑی عورت کے ساتھ کیسے افیئر رکھ سکتا ہے، وہ بھی ٹائم پاس!''، ایک بار میں نے پوچھ ہی لیا تھا۔ ہرش کا خاندان اچھا ہے، پھر بھی ہوس میں کسی بھی حد تک

جایا جا سکتا ہے...... کچھ بھی کر سکتے ہیں......

یہ قصہ پورے 'ایبڈ' کو پتہ تھا۔ اب وہ ہرش کے ہی دوست سے شادی کر رہی ہے۔....

اب ورون نے روزی سے شادی کر لی ہے۔ دونوں نے کم بدمعاشیاں نہیں کی تھیں۔ ورون تو اب بھروسے کے لائق ہو گیا ہے.......... شادی جو ہو گئی!.......... ان کی ہوئی، مگر کچھ لوگ رشتے بناتے ہیں، مزہ کرنے اور چھوڑ دینے کے لیے! جذباتی نہیں ہوتے! مجھے تو لگا کہ یہاں لڑکیاں زیادہ سے زیادہ پریکٹکل اور ہوشیار ہیں۔

☆ پندرہ ہزار

پنویل کا یہ گھر پچاس فیصد میرے نام پر ہے۔ مما کے ساتھ حصے داری ہے۔ میں نے بھاگ دوڑ کر کے رجسٹریشن کروایا۔ میں نے ساٹھ ہزار روپے کی بائیک خریدی۔ مما نے سترہ ہزار ڈاؤن پیمنٹ بھرا۔ بھاری قسطیں میں نے خود ادا کیں۔ ڈاؤن پیمنٹ بھی دھیرے دھیرے انھیں لوٹا دیا۔ مگر کہتی ہیں،

''میں نے دیے!'' انھوں نے کمپیوٹر کے لیے پندرہ ہزار دیے۔ وہ بھی دھیرے دھیرے چکا دیے۔

''کچھ غلط کیا میں نے؟ بائیک کمپیوٹر دلایا!...مگر سنتا نہیں۔'' مما کی شکایت رہتی۔

''میں نے لوٹا تو دیے نا!'' میں اکثر جھگڑتا۔

''ہاں تو!.......... دیے تو میں نے ہی نا!...ورنہ تُو لے سکتا تھا؟''

اسی کو ذہنی اذیت کہتے ہیں۔ بار بار یہ یاد دلاتے رہو، تو اپنے آپ ٹارچر ہوتا ہے۔.......ٹوٹ چکا ہوں، ایسی باتیں سوچ سوچ کر!

''کوئی راستہ ڈھونڈوں ...... کہاں جاؤں .... اکیلا بیٹھوں ...... سکون چاہیے۔'' بس کہہ دیتا ہوں۔ مما آئیں تو میں، گھر میں نہیں رہنا چاہتا۔

☆ رِنگ بابا

اُن دنوں ہم نے نیا نیا بنویل کا گھر خریدا تھا۔ اکیلے پن سے اکتا کر دروازے پر بیٹھ کر سوچ رہا تھا۔ تبھی ایک سادھو کو دیکھا۔ .... بھگوے رنگ کا کرتا...... دھوتی اور بھگوے رنگ کی پوٹلی! گلے میں رُدراکش کی لمبی مالا، بڑی عمر کا، مگر تنی ہوئی جلد والے چہرے کے ماتھے پر بھسم اور لال کم کم کا ٹیکا لگائے ہوئے میری طرف بڑھ رہا تھا۔

"معاف کرو بابا! میرا دھرم میں وشواش نہیں۔"، میں اسے بھگانے کی کوشش کرنے لگا۔

"نہیں بیٹا، میری بات سن لو! مجھے پیسے ویسے کی ضرورت نہیں۔ میں تمھیں ایک وستو دے رہا ہوں، جس سے تمھارا جیون پریورتت ہو جائے گا۔"

"کیا ہے؟"

سادھو نے مجھے سونے کی انگوٹھی دی۔ میں سمجھ گیا، پھانسنے کے چکر میں ہے۔ پیسہ بہت مانگے گا............ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اتنے میں وہ بولا۔

"مت سوچنا کہ پھانسنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ مجھے تم سے کچھ نہیں چاہیے۔ میں تم سے پیسہ اینٹھنے کے چکر میں نہیں ہوں۔ تم مفت میں لے لو یہ انگوٹھی۔"

"نہیں...... نہیں...... نہیں......" میں پریشان ہو اٹھا، اسے کیسے پتہ چلا، کیا سوچ رہا ہوں؟

"لے لو مجھ سے۔" اس نے بڑے پرسکون لہجے میں کہا۔ "تھوڑے دن بعد آؤں گا تب تک تمھارے جیون میں کچھ فرق آیا...... تو بولنا۔"

"تم اتنی مہنگی انگوٹھی مجھے دے رہے ہو! کچھ نہ کچھ تو تمہیں چاہیے ہوگا نا؟"

"نہیں! یہ میں کیسے لے سکتا ہوں؟"

"'نا'، مت کہنا!"، اس کی خود اعتمادی نے مجھے مروّت کرنے پر مجبور کیا۔ میں نے کہا۔

"کم سے کم اس رِنگ کی قیمت لے لو!"

''نہیں۔''

''پھر رہنے دو۔''

''ٹھیک ہے۔ یہ انگوٹھی رکھ لو! مجھے اس کے پیسے دے دو!''

''کتنی قیمت ہے اس کی؟''

''سات سو روپے!''

میں چپ ہو گیا۔ اتنی پتلی پترے جیسی انگوٹھی کے سات سو روپے! میں نے سوچا۔

''اگلی بار آؤں گا، اگر فرق لگے تو پیسہ لوں گا دے دینا، نہیں تو یہ انگوٹھی مجھے لوٹا دینا!''، وہ مجھے مفت میں انگوٹھی دے گیا۔

دو گُروار بعد وہ پھر لوٹا تب تک میں نے سنار کے پاس پتہ کرا لیا تھا۔ قیمت بھی اتنی ہی تھی۔

''کچھ لگ رہا ہے، کچھ فرق تو ہے۔''، مجھے لگا، زندگی سدھر رہی ہے۔

''ابھی مت بتانا۔ آج سے ٹھیک ایک سال بعد آؤں گا تب بتانا۔''

میں نے سادھو بابا کے پیر چھو کر سات سو روپے دے دیے۔

''تیرے ساتھ سب برا ہوتا آیا ہے۔...... جیوتش وِدیا کہتی ہے، اگلے سال تیرا جیون بدل چکا ہوگا۔''

☆ کیرئر ماں باپ

''تجھے ڈیڈی کی یاد نہیں آتی۔''، ڈیڈ فون کرتے ہیں، بلا لیتے ہیں۔

''آ جا گھر پر کچھ کام ہے۔ آ رہا ہے کہ نہیں، بتا۔''، ڈیڈ سے مجھے پرابلم نہیں ہے۔ انھیں پتہ ہے، غلطی ہوئی ہے، مام کے برخلاف.................. ان کے ساتھ میری بحث چلتی رہتی ہے۔ مگر جب مما کہتی ہیں،

''اٹھ کر یہ کھا، وہ کھا، ایسا کر، ویسا کر!''

"مجھے مت سمجھاؤ کیا کھانا ہے اور کیا نہیں کھانا، اور کب کھانا ہے۔"

جیسے مجھے اپنی پرواہ نہیں ہے۔ شاید کسی ماں کے لیے یہ ایک عام سی بات ہے! لیکن الگ رہنے والے بچے کے لیے نہیں۔ وہ ہفتہ بھر یہاں نہیں تھیں، تب کیا میں جیا نہیں.. مگر سمجھتی نہیں۔ صحیح دوری بنائے رکھیں تو رہوں نا!

☆ ان سُلجھی

میری زندگی میں کچھ باتیں اَن سلجھی ہیں...... سوالیہ نشان لگی ہوئی!

"تیری حیثیت نہیں!"، نیوی جانا چاہتا تھا۔ ڈیڈ نے کہہ دیا تھا۔ بتایا نہیں، کیوں نہیں جانا ہے۔ اسی طرح کے کچھ معمولی سے سوال ہیں، جن کے کبھی جواب نہیں ملے۔ مراٹھی کے ایک جملے میں تعارف کراؤں تو 'کلتا پن وَلت ناہی' یعنی جانتا تو ہے مگر عمل نہیں ہے!

☆ شادی کرلوں!

"سوچتا ہوں وہی وہی زندگی ہے! کچھ بڑا قدم اٹھالوں، جس سے ایک ایسا موڑ آجائے زندگی میں! جس سے میری زندگی سدھر جائے! شاید بیوی آجائے گی تو زندگی سدھر جائے گی۔ لوگ ایسا ہی کہتے ہیں نا!"

"بیوی بچے آجائیں تو آدمی سدھر جاتا ہے!"...... آدمی اس مقصد کو لے کر شادی کر لیتا ہے۔ مگر اس سکے کا دوسرا رخ!... بچے ہوں گے مالی پرابلم ہوں گی۔ وہ نہیں سوچتا کہ شادی ذمہ داری ہے۔"

شاید اُس وقت سائرہ مصروف تھی۔ ایک جملہ لکھ کر وہ واٹس ایپ سے غائب ہو گئی۔ وہ مجھے خود سے باتیں کرنے کے لئے چھوڑ گئی تھی۔

آج جب سوچتا ہوں کہ میری زندگی اچھی نہیں ہے تو مجھے صرف منفی ہی دکھائی دیتا ہے!...... مگر میری زندگی میں پازیٹیو بھی تو بہت کچھ ہے۔ دوست ساتھ دیتے ہیں۔ آدھی رات کو کبھی فون کیا تو میری بڑبڑ سنتے ہیں۔ سور نجن تو دیتے ہی ہیں۔ مجھے آزادی ہے، جب

جو جی چاہے، سو کروں۔ کوئی بندھن نہیں، ذمہ داری نہیں۔

آج کے زمانے کے چوبیس پچیس سال کے لڑکے گھومتے پھرتے، موج مناتے ہیں۔

میں نے کم عمر سے ہی خود کو سنبھالا ہے، کم عمر سے اپنے پیروں پر کھڑا ہوں۔ کسی کے ساتھ شیئر نہیں کرتا۔ اپنا اُڑاتا ہوں، سگریٹ، شراب.......... کمپیوٹر کی قسطیں بھرتا ہوں۔ اپنی شاپنگ، پکچر جانا، دوستوں کا منورنجن کرنا.......... مگر کہیں سُدھار کی طرف میں دھیان نہیں دیتا، کہ 'میری بیوی آئے گی تو مما کے ساتھ رشتے سُدھار لے گی!'، بس یہی سوچتا ہوں، 'زندگی ڈھرّے پر آجائے گی!'

جب الگ رہتا تھا تب تھوڑے ہی سوچتا تھا کہ گھر والوں کے ساتھ کبھی مل کر رہوں گا۔ گھر لینے کی وجہ سے ماں کے ساتھ رہنا پڑتا ہے..........

ڈیڈ کو میری پرواہے! مجھے لگتا۔

''سموک کرتا ہے!'' مما پوچھتی ہیں۔

''ہاں کرتا ہوں!''

''یہ ٹھیک نہیں ہے، جیتو!''

''.......''

''یہ دیکھ کیا لکھا ہے، 'لوک ستا' میں!'' کبھی کبھی وہ مراٹھی نیوز پیپر لا کر دکھاتی ہیں۔ جس میں کینسر زدہ چہروں کی بھیانک تصویریں ہیں۔

ڈیڈ اتنا چلاتے نہیں، ابھی پندرہ دن ہوئے ہوں گے۔ ڈیڈ کے ساتھ گاڑی کی سروسنگ کرانے گیا تھا۔ انھوں نے فون کر کے بلایا تھا۔ پیسے کم پڑ رہے تھے۔

''ڈیڑھ ہزار روپے دے دے!'' انھوں نے پوچھا تھا، میں نے دیے۔

☆ گرل فرینڈ

''تم سوچتے ہو گے، الگ رہوں گا۔ ماں سے جو stability چاہیے، وہ شاید بیوی سے مل جائے گی۔ ماں سے دوری ہو جاتی ہے نا!''، جب پریشان ہوتا ہوں سائرہ کو فون کر لیتا ہوں۔ وہ میری سوچ کو صحیح پکڑتی ہے۔ کہتی ہے،

''بیوی رہے گی تو پوچھے گی نا............ 'کہاں ہو؟ آ جاؤ کھانے کا وقت ہوا ہے!''

''سُشما کے پیچھے تم یوں ہو کہ گرل فرینڈ رہے گی، تو stability مل جائے گی!......مگر گرل فرینڈ سے زندگی میں ٹھہراؤ نہیں، ٹھہراؤ بیوی سے ہی مل سکتا ہے!''

''وہ کیسے؟''

''کیا گرل فرینڈ کے ماں باپ نہیں ہوں گے؟ کیا آ جائے گی آدھی رات کو تم سے بات کرنے؟''، سائرہ میری دُوِدھا کا جواب دیتی ہے۔

''کوئی تو ہو!......میرا......بالکل میرا......''، میں اندر ہی اندر چھٹپٹاتا ہوں۔

''سمجھ لو، تم ایسا سوچ کر شادی کر لیتے ہو......ڈھونڈ پھنسا کر، تو ذمہ داری نہیں پڑے گی کیا؟''

''بیوی اسٹرانگ ہو۔ میری بات سمجھے نہیں، تو کم سے کم مجھے سنے تو، اتنا بھی کافی ہوگا!''، میں بات بدلنے لگتا ہوں،''.....جیسا انسان بننے کا سوچا تھا، اس کا الٹ ہی بنتا جا رہا ہوں!''

''تمھیں ورکنگ وائف کی خواہش ہے نا! تم جیسا سوچتے ہو کہ ٹائم دے گی یا ساتھ دے گی............جاب نہیں کر پائی تو............؟ بچہ ہو گیا اور تم نے اپنے باپ ہی کی طرح برتاؤ کیا......تو......؟''

''کیا کر رہا ہوں؟......اپنے ڈیڈی کی ہی طرح تو...'' میں تصور میں بکھر جاتا ہوں، ''جسٹ لائیک مائی فادر؟......''

میں ایک ہاتھ میں موبائیل اور دوسرے ہاتھ سے سر پکڑ کر بیٹھ جاتا ہوں، ''کبھی

ایسانہیں کروں گا!"

"اِس وقت تم کہتے ہو، بیوی ہو گی تو اس کے آگے پیچھے گھومتا رہوں گا۔ خیال کروں گا، لاڈ کروں گا!"

بہت کچھ سوچتے ہو مگر لائف تو ویسی نہیں ہوتی نا! جیسے تم سوچتے ہو......!" سائرہ رک کر کہتی ہے، "......کیا وہ بچہ نہیں چاہے گی؟ تمھارا دل چاہے، اُتنا وقت دے پائے گی!......ہاتھ اٹھادو گے...کہ نہیں ہوسکتا!"

"آئی ایم ساری، میری امی! معافی مانگتا ہوں! اب رکھوں فون؟ کمپنی جانا ہے!" میں گھبرا کر ہار مان لیتا ہوں۔

"ایک بات اور سن لو! تم شادی نہ کر کے گرل فرینڈ کے ساتھ stability لانا چاہتے ہو۔ میاں بیوی کے جھگڑے جھگڑوے سے بچنا چاہتے ہو! بی کیئر فل"

"بالکل صحیح ہے، میری امی!"

گھر ملنے کے بعد گھر...جس دن سے....

جب گھر کی بات ہوئی تو مام بولیں،

"اونر شپ کے اس فلیٹ کے لیے پرائمری اپلیکینٹ تو ہو گا، سیکنڈری اپلیکینٹ میں رہوں گی!" مگر جب پیپر ورک کرا رہے تھے تو انھوں نے مجھے ثانوی عرضی گذار بنا دیا اور پرائمری خود بن گئیں!

جب بارہ سال کا تھا، چلی گئیں! ضرورت نہیں تھی کیا مجھے ماں کی؟ گئیں تو زندگی میں تب واپس حق جتانے آگئیں، جب بات سننے کی عادت نہیں رہی کہ وہ کچھ بولیں اور ہم سنیں،

"یہ کر۔"

"وہ کر۔"

"میری باتیں......اب تجھے کِٹ کِٹ لگتی ہیں، جیتو!......"

"تم مجھے بچہ سمجھتی ہو!"

☆ اپنے گھر کا آئیڈیا

''اپنا خود کا گھر لینا چاہیے نا!''، مام نے کہا تھا۔ مجھے لگتا اب کمانے لگا تو آ گئیں کہ گھر لوں!''

''تمھارے ساتھ گھر نہیں لے سکتا۔ رہ ہی نہیں سکتا! جب طاقت ہو گی تب لوں گا!'' کہنا چاہا، کہہ نہ پایا۔

اپنا گھر لینا میری طاقت سے باہر تھا۔ کال سینٹر میں سیلری زیادہ تھی۔ مگر اب ڈاؤن پیمنٹ کہاں سے لاؤں! میں رات کی نوکری کرتا ہوں، پھر بھی فلیٹ ڈھونڈنے کے لیے، لون کا پیپر ورک کرنے کے لیے مام مجھ سے بھاگ دوڑ کرواتی ہیں ....

☆ مجھ کو عادت نہیں!

جب مام کو آفر کیا، مجھے لگا، فیملی ہے میری! اب مجھے گھٹن سی لگتی ہے!

اب اکیلے رہنے کی کچھ ایسی عادت ہو گئی ہے کہ روم میٹ کے ساتھ بھی کرایے کا گھر لے کر نہیں رہ سکتا۔

☆ مہک کی شادی کی بات

''آج کل میری شادی کی بات چل رہی ہے!''، مہک نے مجھے فون کر کے بتایا۔ یہ پچھلے دنوں کی بات ہے۔ میں نے کچھ نہیں کیا۔ کر ہی نہیں پاتا۔ پلٹ کر بولتا بھی نہیں کہ، ''تم غلط کر رہی ہو!''

جب بھی کال کرتا ہوں فون بزی آتا ہے۔

''کس سے بات کر رہی تھیں! کب سے فون لگا رہا ہوں!'' آخر بات ہوئی تو میں نے ناراضگی دکھائی۔

''اُس نلیش کے بچے سے!'' مجھے غصہ آ جاتا ہے۔

''سالی بلی.. گھٹیا............!''، میں اسے گندی گالیاں سناتا ہوں، ''اب کبھی واپس مت آنا میری لائف میں!''، وہ کچھ نہیں کہتی، بس بات کرنا بند کر دیتی ہے۔

ایک مہینہ ہوگیا مہک کو دیکھے، اس سے بات کیے ہوئے۔ میں اس کے گھر کے نیچے دو گھنٹوں تک بس کھڑا رہا اور لوٹ آیا۔ نہ بات کی نہ ملنے کی کوشش!

ایک دن میں ڈیوٹی سے صبح تین بجے گھر لوٹا کہ مہک کا کال آیا میں نے رُکھائی سے ہی تو کہا تھا، ''کیا کہتی ہو؟''

''کچھ نہیں! یاد آئی اس لیے فون کیا!'' مہک نے شاید میرے لہجے کا اثر نہیں لیا تھا۔

''او کے!'' میں ٹھنڈے ڈھنگ سے بولا۔

''میرا برتھ ڈے آرہا ہے.......... یاد ہے نا؟''

بڑے بڑے ہوٹلوں 'شکارا'، 'تُنگا'، 'بھگت تاراچند' وغیرہ ہوٹلوں میں کھانے اور گفٹ پانے کا شوق یاد آیا ہے شاید!...... جانے کیوں مجھے اب بھی لگتا ہے، مہک سے شادی کروں۔ وہی میری پتنی ہو!

''بڑی سیدھی سادی، غریب بھولی بھالی لڑکی ہے!''، مہک جب پہلی بار ملی تھی تو اسے دیکھتے ہی میرے دل نے کہا تھا۔ سفید رنگ کی شلوار قمیض پہنے ہوئی تھی۔ لگتا تھا کبھی کچھ کر ہی نہیں سکتی! میں نے موبائل سے اس کی کتنی ہی تصویریں لی تھیں۔.......... پانچ سال اُس سے تعلق رہا۔

☆ قانونی طلاق

مما نے متوازی لائن سے بات سن لی تھی۔ آخر ثبوت مل گیا کہ ڈیڈ کا مینکا سے چکر تھا۔ وہیں سے شاید ڈیڈی کی پلاننگ شروع ہوئی تھی، کیسے گھر سے مام کو نکالیں اور دوسری شادی کریں۔

شادی کے سولہ سال بعد مام ڈیڈ الگ ہوئے تھے۔ نکھل دادا پندرہ سال کا تھا اور

میں بارہ سال کا............ میں سب دیکھتا، مگر چپ رہتا۔

کیس فائل ہوا۔ نتیجہ آنے میں آٹھ دس سال لگے۔ پولیس بار بار ڈیڈ کو پولیس اسٹیشن بلاتی۔ آخر اُن کا ڈر ہی چلا گیا۔

''چلو!'' پولیس آتی تو ڈیڈ کہتے۔

''پاور آف اٹارنی پر سائن کرو۔''، ایک بار ڈیڈ نے مما کو چھری دکھا کر کہا تھا، کیوں کہ وہ گھر میں مام کی ساجھے داری ختم کرنا چاہتے تھے۔ ساین کورٹ میں مما نے یہ بات بتادی اور پاور آف اٹارنی باطل ہوگئی!

ابھی قانونی طلاق نہیں ہوئی تھی کہ ڈیڈ نے مینکا سے شادی بھی کرلی، پھر اس کو بھی چھوڑ دیا۔ اور اب مینا ان کی تیسری پتنی ہے۔

جھگڑا بچوں کی تحویل کا تھا۔ بڑا انکھل ماں کی custody میں تھا اور چھوٹا میں، باپ کی۔ ڈیڈی ہر بیوی سے جھگڑتے تھے۔

☆ تاریخ

بچپن سے ہی مجھے اتہاس مضمون اچھا لگتا ہے۔ چوتھے درجہ تک نہیں لگتا تھا مگر پھر ایسے ٹیچر ملے اور اتنے اچھے ڈھنگ سے پڑھایا کہ سوشیل سائنس سب سے زیادہ پڑھنے لگا۔ سر اتنی تفصیل سے، زندہ دلی سے، مزے دار بنا کر اتہاس پڑھاتے کہ اس واقعے کے ماحول میں چلا جاتا۔ اس کے بارے میں سوچتا۔ اتہاس میں ہی مجھے سیاست کو جاننے کا موقع ملا۔ پہلی جنگِ عظیم، تحریک آزادی....اور تبھی میں نے اسکولی کتاب کے بابوں کو اور زیادہ سمجھنے کے لیے ریفرینس بکس پڑھنا شروع کیا۔

''اور جانوں ......وہاں سے آگے جاننے کی چاہت، اور دلچسپی پیدا ہوئی۔ سیاست کے بارے میں، ہٹلر کے بارے میں، سر کتنا مزے لے کر سمجھاتے تھے۔

جب ہم واشی میں رہتے تھے۔ مما مجھے اپنے کسی جان پہچان والوں کے گھر لے گئی تھیں۔ وہاں مجھے ان کا بیٹا منوج ملا، جو ایم بی بی ایس پڑھ رہا تھا۔ میں نے اس کے بیڈ

روم میں کافی ساری کتابیں دیکھیں۔

''ہٹلر کی کتاب ہے؟ پڑھ سکتا ہوں؟ دے سکتے ہو؟''

''لے لو!''

میں نے پاگلوں کی طرح کتاب کے چالیس باب پڑھ ڈالے۔زندگی میں پہلی بار ہی اس طرح پڑھا۔ بعد میں بھی سات آٹھ بار وہ کتاب پڑھی۔تب سے آج تک ہٹلر کے بارے میں پڑھتا ہوں۔ 'چرچل' اور' گاندھی' کو بھی بہت پڑھا ہے۔شوق تبھی سے شروع ہوا۔ دادر میں جیسی زندگی تھی ، پوری رات جاگتا۔ہم چال میں رہتے تھے۔ میں دھیرے سے باہر چالی کے برآمدے میں آجاتا۔ گھر پر مالیہ تھا، وہاں میں اور بھائی سوتے تھے، وہاں پڑھتا۔روشنی سے بھائی کو فرق نہیں پڑتا تھا۔ بڑی گہری نیند تھی اس کی۔

پہلی بار میں سوچنے لگا تھا، اپنے آس پاس کیا ہو رہا ہے؟ کیا اچھا ہے کیا غلط؟ اپنے دیش کے لیے کچھ ایسا کرنا چاہیے کہ سب خوش رہیں۔لوگ ایک دوسرے کے بارے میں سوچتے کیوں نہیں ؟ پولیٹکس میں جاؤں!...... الیکشن لڑوں ...... ! کیا ہو گا ؟ لوگ سپورٹ کریں گے ؟ گجرات دنگوں کے بارے میں دوستوں میں بحث کرتا۔ الگ الگ موضوع نکالتا۔ دکھ ظاہر کرتا۔ اس وقت میں نویں میں تھا۔

''اگر وہ سوچتی ہیں کہ برابر ہیں،تو آئیں!''،عورتوں کے ۳۳ فیصد ریزرویشن پر بات ہوتی تو میں کہتا،''سارا کا سارا کوٹہ انھیں کے ہاتھ میں ہے۔ مرد تھوڑے ہی ایسا کہتے ہیں کہ ہمیں ریزرویشن چاہیے!''

''ٹھیک ہے سوسائٹی مرداساس ہے،تو کیا! ریزرویشن کے دم پر آئیں گی۔بے کار بحث ہے! شروعات کہیں نہ کہیں ہو! امریکہ میں ایسا تھوڑے ہی ہوتا ہے۔یہ ایک عورت کے ذریعے لایا ہوا انقلاب تو ہوگا ہی نا! دھیرے دھیرے بہت ساری عورتیں سامنے آئیں گی۔''

''ریزرویشن کا فائدہ تم خود بھی تو اٹھاتے ہو!'' ....دوست کہتے ہیں۔

''میں نہیں چاہتا اٹھانا، چاہتا ہوں جتنی میری طاقت ہو اتنا ہی پاؤں۔ اگر اس

کے دم پر بڑھنا ہے، تو بے کار ہے! اگر مجھ میں صلاحیت ہے تو کر دکھاؤں گا۔ جو سچ مچ غریب ہیں۔ ان کو ملنا چاہیے۔ بس اپاہجوں کے لیے .... جن کو سچ مچ ضرورت ہو، ایسے۔ اس کے لیے کوئی پیمانہ تو ہو .... نہیں چاہتا لینا مگر ملتا ہے تو لے لیتا ہوں۔ .... کیا کروں؟"

ABDO میں جانے کے بعد یہ فلسفہ اور گہرا ہوتا گیا۔ خیالات زیادہ پختہ ہو گئے۔ collective thoughts بنے!

☆ دیوالی

مما چپاتی بھاجی یا کبھی کبھی دال چاول بناتی ہیں۔ کبھی کبھی دال چاول کے ساتھ پاپڑ، آم یا کیلا وغیرہ رکھتی ہیں۔ باقاعدہ کھانا کبھی نہیں بنتا۔ پہلے جب ہم ساتھ رہتے تھے، چپاتی، بھاجی، دال چاول، رائیتا دہی سب ہوتا تھا کھانے میں! ...... تیوہار کے دن خاص طور پر ہولی کے دن پورن پولی، تیکھی آمٹی یا پورن پوری کے لیے اُبلی چنے کی دال کے بچے پانی سے بنی سبزی، نارلی پوری، مودک اور دودھ میں گڑ ملا کر گُروَنی بناتیں .... جس میں الائچی مسالہ ڈالتیں۔ الگ سا میٹھا مزہ ہوتا۔ بھجیا پاپڑ، گرڈئی جیسی تلی ہوئی چیزیں کھاتے۔

دیوالی میں ممی فرال، انارس، کرنجی گُجیا یعنی ناریل کی میٹھی پوری، بیسن، روا اور ڈِنگ یعنی گوند کے لڈو، چکلی، شنکر پالی بناتیں۔ اپواس کے لیے صابودانے کی کھچڑی، صابو دانہ وڑا، ستو ملتا۔ .... اب کچھ نہیں بنتا۔ جیون میں تیوہار کا نشان نہیں رہا۔ اب مما سیدھا سادا کھانا بناتی ہیں، جو ان سے بن پاتا ہے .... اور اتنا سارا۔ شاید چاہتی ہوں گی، جب اکیلا رہوں گا، تب کچھ دن کھاؤں .... میں نہیں کھاتا۔ وہ خود جب گھر آتی ہیں، فرج میں سے نکال کر پھینک دیتی ہیں۔ ان کو پتہ ہے، سب پتہ ہے، پھر بھی اتنا سارا کھانا کیوں بناتی ہیں! سمجھ میں نہیں آتا! ہو سکتا ہے چودھری کے گھر میں بہت سارے

لوگوں کے لیے کھانا بناتے ہوئے عادت پڑ گئی ہو!..........نہیں جانتا، بالکل اندازہ نہیں ہے۔ مجھ سے کبھی پیسے بھی نہیں مانگے ۔شاید اتنے دنوں کا ازالہ کر رہی ہیں۔شاید میں کندھے اچکانے لگا ہوں!

دیپاولی میں ہم کسی کے گھر زیادہ نہیں جاتے تھے۔ دیے جلانا، پوجا کرنا، صبح جلدی اٹھ کر نہانا..........مجھے سب یاد ہے۔ پہلا ابھینگ اسنان اہم ہوتا ہے۔ہم صبح اٹھ کر اُٹنا یعنی ابٹن سے نہاتے۔ چراٹا نام کے پھل کو پیروں تلے کچلنے کی ہمارے یہاں رسم ہے۔ چراٹا کو 'نرکاسُر راکش' مانتے ہیں، جس کا قتل شری کرشن نے کیا تھا۔

دیوالی کے دن جلدی اٹھا کر مما ہماری مالش کرتی تھیں۔
''جلدی چراٹا لاؤ، جلدی لاؤ مجھے پیر رکھنا ہے!''، ہم چراٹا پھل پر پیر رکھنے کے لیے مرے جاتے تھے۔ پوری ریتی رواجوں کے ساتھ جیے۔ ہمیں سب پتہ تھا کیا ہو رہا ہے، کیسے ہو رہا ہے؟ صرف وجہ پتہ نہیں تھی۔

☆ قلعہ

دیوالی سے دو ہفتہ پہلے ہم لال مٹی اور گیرو لاتے، اینٹ رکھ کر اس پر مٹی لگاتے اور اسے ہو بہو کسی قلعے جیسی شکل دیتے، جس میں سیڑھیاں بھی ہوتیں۔ اس پر ہم چھوٹے چھوٹے کھلونے رکھتے اور جگہ جگہ گھاس لگاتے۔قریب قریب بارہ تیرہ سال کی عمر تک بڑی دیوانگی سے 'قلعہ قلعہ' کھیلتے رہے۔مما کے جانے کے بعد یہ سب بھول گیا۔ اِسی دیوانگی کا مزہ اب ویڈیو گیم کھیلنے میں ملتا ہے۔ ڈوب جانے کا، خود کو بھول کر کھیل کا ایک اتہاس بن جانے کا مزہ!

راکھی پورنیما کے دن ہی رکھشا بندھن ہے۔اس موقع پر بہنیں اپنے مائیکے جاتی ہیں اور بھائی کو راکھی باندھتی ہیں......اور اگر وہ نہیں آسکتیں ہیں تو بھائی، بہن کے گھر جاتا

ہے۔بہنیں آرتی کی تھالی میں رکھا ہوا سونا بھائی کے آنکھوں یا ماتھے پر لگا کر گھی کے دیے کی آرتی کرتی ہیں۔ ماتھے پر کُم کُم کا تلک لگا کر اس پر چاول لگاتی ہیں۔ پھر بھائی کو مٹھائی کھلاتی ہیں۔آرتی کی تھالی میں بھائی تحفے میں زیور یا ساڑی رکھتے ہیں۔

ہماری کزن گھر آتی ہیں۔مما جو پیسے دیتی ہیں، ہم اپنے کزن کے ہاتھ میں رکھ دیتے ہیں۔ورنہ کہاں سے لاتے!

ساتھ تھے، تب تک تیوہاروں میں حصہ لیتا تھا مگر اب کسی سے ملنا جلنا ہی نہیں۔ گنپتی کے دنوں میں گنپتی درشن کے لیے چھوٹے ماما بلاتے ہیں۔ مگر اب بھی ہولی کی مٹھائیاں، پورن پولی اور بچپن کی ہوائی دباؤ والی پچکاریاں یاد ضرور آتی ہیں۔

نوراتر یا اماوس کے دوسرے دن سے نوراتر کی شروعات ہوتی ہے۔ ماما اور آجی ان دنوں میں اپواس کرتے۔صرف پھل اور دودھ پر رہتے۔ نکھل اور مجھے اپواس برت سہن نہیں ہوتا۔ہم صابو دانے کی کھچڑی، ورئی یا بھگر کے چاول کی کھچڑی بنوا کر کھاتے۔ ہمارے علاقے میں گربا کھیلا جاتا۔ہم دونوں بھائی نئے نئے کپڑے پہن کر لکڑی کی خوبصورت سی ڈانڈیا خرید کر وہاں جاتے۔

تھال میں سات یا نو اناج جیسے چاول، چنا، مونگ، گیہوں، جوار، باجرہ، مکئی، وغیرہ مٹی میں ملا کر تھال میں پھیلا دیا جاتا۔چورنگ یعنی لکڑی کی چوکی پر لال یا ہرا کپڑا رکھ کر، مما اس پر یہ تھال رکھ دیتیں۔ وہ تھال کے بیچوں بیچ مٹی یا تانبے کا کلش یا لوٹا رکھ دیتیں۔لوٹے میں آم کے پتوں پر ایک ناریل رکھ دیتیں اور اس کی نو دنوں تک پوجا کرتیں اور شام کو آرتی کرتیں۔''یہ کون سی پوجا کرتی ہو؟'' میں پوچھتا۔''اسے تلجا بھوانی پوجا کہتے ہیں۔'' مما کہتیں۔''اور ہاں اسے درگا پوجا بھی کہتے ہیں۔''

نویں دن تھال میں چھوٹے چھوٹے پودے سر اٹھائے مسکراتے دکھائی دیتے۔ ماں پاس پڑوس کی نو چھوٹی چھوٹی بچیوں کو گھر بلاتیں۔ان سب کے پیر دھلا کر ان کی پوجا کرتیں۔ پھر وہ انھیں کھانا کھلا کر کبھی رومال، کبھی نیپکن اور پانچ پانچ روپے دیتیں۔ میں غصہ ہوتا ہوں۔

''پہلے مجھے کھانا دو نا!'' مگر مما نہیں سنتیں۔ بارہ بجے ساری لڑکیاں جب اپنے اپنے گھر چلی جاتیں، تب ہی کھانا ملتا۔

دسویں دن دسہرا ہوتا۔ دیوی کیلیئے پورن پولی بنائی جاتی۔ مما پہلے ہی دن سے کچھ نہ کچھ دیوی کے 'نَے وید یہ' یا پرساد کے لیے نئی نئی چیزیں بنا کر رکھتیں۔ دیوی کے سامنے تھالی میں اسے رکھ کر دیوی ہی کے لوٹے سے پانی لے کر اسے تھالی کے اطراف تھوڑا تھوڑا چھڑکتیں۔ دسویں دن ڈیڈی کلینڈر پر پوجا کے لیے مہورت کا وقت دیکھتے مگر مما کو اپنے آفس کے برہمن ساتھی سے پوچھے بغیر چین نہیں پڑتا۔ مما انھیں پوجا کے لیے بھی بلانا چاہتیں مگر ڈیڈ کہتے،

''خود پوجا کریں گے، برہمن کے پیچھے نہیں لگیں گے۔'' دسہرے کے ایک مہینے کے بعد دیوالی آتی ہے۔ ایک اماوسیا سے دوسری اماوسیا کے بیچ ایک مہینے کا فاصلہ ہوتا ہے۔ اماوس سے دو دن پہلے سے ہی دیوالی کا تیوہار شروع ہو جاتا ہے۔ پہلے دن کٹوری میں، ہم دھان رکھ کر تھال میں رکھتے۔ اس کٹوری میں سونا رکھ کر اور چار پانچ چھوٹی چھوٹی پلیٹ میں کرنجی یعنی کھویا بھری پوریاں بھی بھگوان کی پوجا کے لیے رکھی جاتیں۔ اگلے دن نرک چتر دشی کے دن مما صبح چار بجے اٹھا کر نہلاتیں اور صبح چھ بجے آرتی کے بعد ہمیں مٹھائی وغیرہ کھانے کو دیتیں۔

تیسرے دن اماوسیا میں شام کو چھ سات بجے لکشمی پوجا ہوتی ہے۔ چورنگ یعنی لکڑی کی چوکی پر گھر کی پوتھیاں، اور لکشمی کا فوٹو رکھ کر پوجا کی جاتی۔ ڈیڈ بینک سے نئے نئے نوٹ بھی لا کر دیوی کے سامنے رکھ دیتے۔ اس دن ہَون بھی ہوتا۔ چوتھے دن دیپاولی، 'گُڑی پاڑوا' یا 'بلی پرتی پدا' کا ہوتا۔ ہمیں لکڑی کے پاٹوں پر بٹھا کر مما ابٹن لگاتیں۔ کان میں گنگنا تیل ڈالتیں۔ گیلری میں کھاٹ ڈال کر ہم سب اس پر بیٹھ جاتے۔ اور کھاٹ کے چاروں کناروں پر چار کنک یعنی آٹے کے دیے اور کہیں پاس میں ایک دیا یعنی کُل پانچ دیے رکھے جاتے ہیں۔ ہم دیے سے فاصلہ رکھ کر بیٹھتے تاکہ دیا شانت نہ ہو جائے۔ زیادہ لوگ ہوتے تو دو گروپ میں ایک کے بعد ایک بیٹھتے۔ عورتیں ان کو صابن لگا کر نہلاتیں۔

آدھا نہانا ہو جاتا، تب ماتھے پر کم کم لگاتے، آرتی کرتے۔ عورتیں مٹھی میں آٹا لے کر اس کے 'مُٹھکے' بناتیں اور ہمارے اوپر پانچ بار وار کر ہماری نظر اتار کر پانچ سمتوں میں پھینک دیتیں۔ پھر ہمیں پانی ڈال کر نہلایا اور چہرے کو صابن لگا کر صاف کیا جاتا۔

"بہو نہیں نہلائیں گی۔ آجی یا کاکی نہلائیں گی۔ سسرال کی بہوئیں یعنی سائسر واسی نہیں نہلاتی ہیں۔ پتنی پتی کو نہلا سکتی ہے۔ پھر ہم لوگ تولیہ سے خود کو پونچھ کر کپڑے بدل لیتے۔ ڈیڈ کی تسلی نہیں ہوتی۔ وہ پھر سے باتھ روم میں نہاتے ہیں۔

اب سب لکڑی کے پاٹ پر بٹھائے جاتے۔ بہن آرتی اتارتی۔ ہماری بہن نہیں ہے، اس لیے پڑوسی کی لڑکی یا گھر خاندان کی ساری لڑکیاں اپنی اپنی تھال میں لال رنگ کا چار پرت والا آدھے میٹر کا ڈورا، جسے 'کردوڑا' کہتے ہیں، جس کے ایک طرف موٹی گانٹھ بنی ہے۔ مردوں کے کمر میں باندھتی ہیں اور پیشانی پر کم کم لگا کر سونے کی انگوٹھی ان کے ماتھے اور آنکھوں پر لگاتی ہیں اور پھر چمچہ بھر شکر کھانے کو دیتی ہیں اور دوبارہ آرتی کرتیں۔ مرد انھیں پیسے دیتے۔ کردوڑا باندھ کر پہلے سیویوّں کی کھیر کھلاتے۔ اس کے بعد ہی دال چاول ملتا۔ نکھل اور میں سیویوّں کی کھیر نہیں کھانا چاہتے لیکن ایک چمچہ تو زبردستی کھلایا ہی جاتا۔ "شگن ہے بھائی!"

"مما تم کیا کرو گی؟"، میں ماں کا پلّو پکڑ کر پوچھتا۔

"ماں، بیٹی یا بہن کا حق رہتا ہے کردوڑا باندھنے کا۔ میرا تیوہار نہیں ہے۔ میں تو اپنے مائیکے میں ہی یہ کر سکتی ہوں۔"، مما ہنس کر جواب دیتیں، "میں پوسٹ سے بھائی کے گھر بھیجتی ہوں۔"

پانچویں دن بھاؤ بیج ہے۔ کوکن میں بہن بھائی کو کپڑے یا کوئی تحفہ دیتی ہے۔ بھائی ساڑی یا زیور دیتا ہے۔ بھائی بہن کے گھر جاتا ہے اگر کسی مجبوری سے نہیں جا پاتا تو بہن ملنے آتی ہے۔ ہمارے گاؤں میں یہ نہیں کرتے۔ رواج یہ ہے کہ بھائی دے۔ بھائی جتنا بھی دے، وہ کم ہے! اس لیے کچھ دیتے ہی نہیں۔ ایک دن پہلے ہی دے جو دیا ہے۔

☆ ماں باپ کا گھر

ہمارے واشی کے دو بیڈ روم ہال کچن کے فلیٹ میں بھگوان کے لیے ایک چھوٹا سا کمرہ تھا، جس میں دیوار پر گنپتی اور سرسوتی کے فوٹو لگے تھے اور چھوٹے سے مندر میں شری کرشن کی چھوٹی سی پیتل کی مورتی اور چھوٹا سا شیو لنگ رکھا ہوا تھا۔ مما سویرے اور رات ساڑھے چھ۔ سات بجے اگر بتی جلاتیں، دیا روشن کرتیں اور ہم سب سے بھی یہ کام کرواتیں۔ واشی کا گھر چھوٹا تب سے یہ سب کچھ نہیں.........

اب مام بھگوان کا فوٹو والا کلینڈر بھی لاتی ہیں تو لپیٹ کر رکھ دیتا ہوں۔ پرسوں ہی وہ ایک 'دیوار' لائیں۔ چھوٹا سا مندر کچن میں رکھا ہے۔ سنگِ مرمر کا ہے۔ نانی وٹھل رکمنی اور سنت ایکناتھ کو مانتی ہیں۔ میں اب کسی کو نہیں مانتا۔ قدرت میری ماں ہے۔ مما۔ ڈیڈ بس دنیا میں لانے کا وسیلہ لگتے ہیں، اور کچھ نہیں!

☆ سالگرہ کی پارٹی

ساحل مجھے گوشت آرڈر کرنے کو کہتا ہے۔

''مٹن مجھے سخت لگتا ہے۔ جیسے ربر چبا رہا ہوں!......... مجھے زیادہ سے زیادہ انڈے پسند ہیں!''

''انڈے کی پارٹی نہیں چاہیے بھائی!''، ساحل میری سالگرہ کی تگڑی دعوت چاہتا ہے۔

''چکن چل جاتا ہے، وہی آرڈر کر لیتے ہیں؟''

''چکن چل جاتا ہے؟ ہائے! کس شاکاہاری سے پالا پڑا ہے!''

☆ کلچر۔ تبدیلی۔ اختلاف

سنسکرتی میں ہونے والے پریورتن کے بارے میں کبھی کبھی بتاتی ہیں مگر لادتی نہیں کہ ایسا ہی کرو! اس معاملے میں مما بہت ماڈرن اور حالات کے مطابق ڈھلنے والی ہیں، مگر ''یہ ہونا چاہیے!''

"وہ ہونا چاہیے!" اس طرح کے جملے کہتی ضرور ہیں۔

☆ گنپتی چھوٹے ماما کے گھر

۹۵ء میں چھوٹے ماما الگ رہنے لگے تھے۔ ممبئی کے مضافات میں بوریولی میں، چھوٹے ماما کے گھر گنپتی بٹھایا جاتا ہے۔ ہر سال ہم سب وہاں جاتے۔ ماما کے یہاں گنپتی ڈیڑھ دن کا ہوتا ہے۔ کچھ لوگ اکیس دن تک رکھتے ہیں تو کوئی کوئی 'انت چتر دشی' کو دسویں دن مورتی وِسرجن کر دیتے ہیں۔ اس کی تیاری پندرہ بیس دن پہلے سے ہی شروع ہو جاتی ہے۔ تھرماکول کے مندر بناتے یا بازار سے خرید کر لاتے ہیں۔ مٹھائیاں لاتے ہیں۔ گاتے،

پنگا گے پنگا بائی پنگا
پنگا گے پنگا بائی پنگا
پنگا گے پنگا بائی پنگا
پنگا گے......
اُوکھا دھانگڑ دِھنگا گے
نکو کھالو پنگا
تمہی رام رنگی، تمہی رام رنگی، تمہی رام رنگی

گنپتی کا مکھر یعنی تھرماکول کا چوکور ٹکڑا جس پر مورتی کو بٹھایا جاتا ہے، بناتے، مندر بناتے، گنپتی کی مورتی کے سر کے پیچھے چکر بناتے۔ گنیش چترتھی کے دن گھر میں گنیش جی کی مورتی کی استھاپنا کی جاتی۔ گھر میں مودک، پیڑے لڈو اور پنچ پکوان بنتے۔ ممّا بھی ماما کے گھر مدد کرنے جاتیں۔ بھائی اور نانی بھی جاتے۔ میں تو ڈیڈ کے ساتھ رہ گیا تھا نا!

جب ہم ساتھ تھے تو کالونی میں گنیش اتسو مناتے تھے۔ دو بلڈنگوں کی سوسائٹی مل کر چندہ جمع کرتی۔ مورتی لاتے، اسٹیج پر الگ الگ theme پر سجاوٹ ہوتی۔ اس بار وشنو دیوی کی گپھا بنائی گئی تھی۔ بالکل اصلی جیسی جموں کٹرہ والی۔ ہمالیہ پربت کو بھی دکھایا گیا تھا۔ اسٹیج پر بنی لمبی گپھا میں ایک طرف سے جاتے اور دوسری طرف سے گنپتی جی کا درشن کر کے

لوگ باہر آتے۔ رقص کے لیے ایک الگ اسٹیج بنایا جاتا۔ دن بھر لاؤڈ اسپیکر پر بھگتی گیت چلتے اور رات میں کلچرل پروگرام۔ فلم، ناچ کا مقابلہ، فیشن شو یا تقریری مقابلے جیسے پروگرام ہوتے۔ کچھ ہی برسوں میں بہت کچھ بدل گیا ہے۔ اب وہاں اتنا سب کچھ نہیں ہوتا۔

☆ نیلامبری مہک اُف!!!

"اپنا کوئی فیوچر نہیں۔"، دوستی کے ڈیڑھ سال بعد مہک نے کہا تھا۔ میں نے اپنے آپ کو سمجھانے کی بڑی کوشش کی تھی، لگتا بھی کہ چھوڑ دوں۔ جب اپنا فیوچر نہیں تو کیوں ساتھ رہیں؟ خیالوں میں ڈوبا رہتا۔ انھیں دنوں واشی میں ایک دوست نے نیلامبری سے ملایا۔ اس کے ایک ہفتہ بعد ساحل نے فون کر کے بتایا۔

"یہ لڑکی تجھے بہت پسند کرتی ہے۔"

"پاگل ہو گئے ہو! سترہ سال کی وہ بچی............ اسکول جانے والی...... اسے کیا پتہ، دنیا کیا ہے، کیا نہیں؟"

"لیکن وہ ضد کرتی ہے۔"

"میں کیا کروں؟"

"......سن تو! وہ میرے پیچھے پڑی ہے کہ تجھ سے تعارف کراؤں!"

"صرف کشش ہے۔ اس کا پرپوزل کیوں سویکار کروں؟"

"ایک کام کر، آجا واشی۔"

"کیوں یار ایسا کیوں کر رہے ہو؟ تجھے بھی کارن مل جائے گا مہک سے دور ہونے کا۔" ساحل دھیرے سے بولا، 'یہ لڑکی چھوٹی ہے اگر تو سنبھال لے گا تو وہ سنبھل جائے گی۔ تو اس کی سوچ کو بدل سکتا ہے۔ 'نا'، کہا تو کسی اور کے پاس جائے گی۔ کوئی بُرا لڑکا مل گیا تو!"

"تمھیں پیار کا مطلب پتہ نہیں!" ریسٹورنٹ میں چائے کا بڑا سا گرم گھونٹ حلق سے اتارتے ہوئے میں نے نیلامبری کو سمجھانے کی کوشش کی، "یہ صرف یکطرفہ کشش ہے،

صرف کشش!''

''Please be with me!''

''دیکھ تو ابھی چھوٹی ہے!''

''اور تو کتنا بڑا ہے مجھ سے............؟ تین چار سال۔'' وہ سیدھے تو پر اتر آئی۔

''ہاں تین چار سال!'' میں چونکا،'' وہ بھی معنی رکھتے ہیں۔ تم میری عمر کی ہو جاؤ گی تب میری طرح سوچو گی۔.....میں تمھاری عمر سے گذر چکا ہوں۔''

''سنگت جیسی اثر بھی ویسا ہی ہوگا نا!''، نیلامبری کو کہہ کر چلا آیا۔

''جانتا تھا آج بول رہی ہو...'میں کسی اور کو پسند کرتی ہوں'، چار سال بعد یہی تو کہو گی!''، میں زور سے بولا تھا لیکن نیلامبری اُس وقت نظروں سے اوجھل ہو چکی تھی۔

نیلامبری کالے فریم کا چشمہ لگائے............ پڑھا کو دکھائی دینے والی پیاری پیاری سی لڑکی ہے۔ پتہ نہیں آج کل ہائی اسکول کے لڑکوں لڑکیوں کے لیے بھی یہ ضروری کیوں ہو گیا ہے۔ ساتویں آٹھویں میں گئے نہیں کہ جذبات آجاتے ہیں۔ سب ماحول کا اثر ہے۔ ٹی وی اور فلمیں کیا کم تھیں کہ موبائیل اور کمپیوٹر، لیپ ٹاپ کلچر بھی آگیا؟ وہی کیا کم تھا کہ واٹس اپ...!

☆ سائرہ چیٹ

چیٹ میں جی ٹاک اور یاہو میسینجر آن کر کے بیٹھا تھا،

''پچھلی بار بات ہوئی تھی۔ اس وقت تم نے کہا تھا مہک کو بھلانے کے لیے گرل فرینڈ چاہیے۔'' سائرہ آن لائن آنے اور G talk، فیس بک میں مجھ سے چیٹ کرنے لگی تھی۔

''تو نے کہا تھا مجھے سپورٹ چاہیے............ stability آئے گی............ اور اب تو کہتا ہے سُشما کو پرپوز کر چکا ہوں!''

''سچ میں، میں اس کو پسند کرتا ہوں، سیریس ہوں اس کے بارے میں۔ میں نے

بات بدلی؛ ''میں نے سُشما کا فوٹو بھیجا ہے۔ دیکھا؟''

''ہاں دیکھا، کھلا چانس دے رہی ہے۔''

''اس کے ماں باپ راضی ہو جائیں، میں کچھ بن جاؤں تو اس سے شادی کرلوں گا۔''

''تو تو پیوش سے الگ کیا کہہ رہا ہے؟...... وہ بھی تو یہی کہتا تھا!...... سُشما پیوش سے پریشان ہو کر تیرا دامن تھام لے!...... مجھے مت بول یہ سب۔ اپنی گڈ آئیڈیا تو اپنے ساتھ رکھ......... اس بارے میں مجھے بات نہیں کرنا۔''

''تمھارے الفاظ بہت اہم ہوا کرتے ہیں میرے لیے۔ بہت اثر ہوتا ہے۔''

''مجھے لگتا ہے، میرے الفاظ ضائع ہو رہے ہیں۔'' اُس کی آواز بہت دھیمی تھی۔

''سائرہ، تمھاری فیملی سے مل کر بدل گیا ہوں۔''

''ہاں نظر انداز کرنا سیکھ گیا ہے۔''

''ہی ہی بتاؤ غلط کر رہا ہوں کہ صحیح کر رہا ہوں۔''

''ابھی میرا موڈ کچھ اور ہے! ملیں گے تو بتاؤں گی۔''

''جولی موڈ میں ہوں نا؟ اس موڈ میں ہی جاننا چاہتا ہوں۔''

''تو سن، تیری سوچ ایک بڑی گئی گزری ہے۔ میں سمجھاتی ہوں، You are confused تمھیں اپنا ذہن، اپنی زندگی، کیریئر، پڑھائی پر مرکوز کرنا چاہیے۔

You have so many relationships to handle! تو اپنی زندگی میں اور رشتے کیوں باندھ لینا چاہتا ہے۔ ماں باپ بھائی کتنے رشتے ہیں نبھانے کے لیے! تیری غلطی ہوگی، اگر تو نے لائف اور کیریئر کسی اور کے ہاتھ میں دے دی۔ خود غلطی کر کے سیکھیں تو سہی بات، مگر جو دوسروں کی غلطی سے سیکھے وہی زیادہ اسمارٹ ہے!

زندگی کے اس موڑ پر تم کسی اور کے ہاتھ میں اپنی لائف کیسے دینے بیٹھے ہو؟ جب کہ ایک بار بھگت چکے ہو۔ میں نہیں کہتی کہ سشما بری ہے، مگر کیا گارنٹی کہ وہ اچھی وائف یا ساتھی بھی ثابت ہو سکتی تھی۔ کوئی کسی کی گارنٹی نہیں دے سکتا۔''

''میگی کھاؤ گی؟''

''یہ کیا بات؟''

''دوستوں نے بنایا ہے۔ کھانے جا رہا ہوں۔...... بولو، بولتی رہو۔ سن رہا ہوں ....اچھا رکو، کھا کر آتا ہوں۔''

''ٹھیک ہے جاؤ۔''

LOGOUT کر کے میں نے کمپیوٹر آف کر دیا۔

☆ چودھری کا فون

مما کا فون بجا۔ میں نے دو تین بار انھیں آواز دی۔ شاید وہ باہر جا چکی تھیں۔ دو تین بار فون بج بج کر بند ہو گیا۔ اگلی بار میں نے اٹھا لیا۔

''کون بول رہا ہے؟''

''چودھری سے بات کرنا تھا۔''، میں سمجھ گیا، یہ فون چودھری کے لیے تھا۔

''ہاں ہاں ں ں'' میں ہکلانے لگا، ''میں بولتا ہوں میڈم کو، وہ آئیں گی تو ....آپ کو فون کریں گی۔'' فون رکھ دیا گیا۔ پانچ منٹ بعد مما آئیں۔

''مما! چودھری کے کرایے دار کا فون تھا۔'' میں نے انھیں اطلاع دی۔

''.............''

''ارے مجھے اس کی آواز بالکل پسند نہیں آئی۔'' میں بھڑکا، ''کون تھا وہ؟...... بات کر لو اس سے۔''

چھوٹا تھا تو میں ان کی ہر بات مانتا تھا۔ آج مما کے منھ سے نکلا ہوا ہر ایک لفظ مجھے اپنے خلاف سازش لگتا ہے۔ ڈیڈ کی باتوں پر پتہ نہیں کیوں، یقین کر لیتا ہوں۔

☆ ریپلیس منٹ

''تو مہک کا نعم البدل ڈھونڈتا ہے۔ کتنی غلط بات ہے۔''، سائرہ کہتی ہے، ''جبکہ سُشما سے تجھے نہ محبت ہے نا کشش، نہ وہ تجھے ایسی پسند ہی ہے۔............ مہک تیری

بیوی تھوڑے ہی تھی ، جو بچے پالنے کے لیے سُشما کے روپ میں دوسری عورت ڈھونڈ رہا ہے! مہک تجھے کیا دیتی تھی، جو اس کی جگہ بھرنے کو تجھے کوئی اور چاہیے؟''

'' اس طرح تم اپنا خیال بنتا رہے ہو۔ زندگی کا کوئی مقصد بنا رکھا ہے، تو Focussed رہنا چاہیے۔ فالتو چیزوں کے لیے کیوں ادھر ادھر بھاگ رہا ہے؟ ان چیزوں میں پڑے گا تو ترقی تھوڑی ہی کرنے والا ہے۔''، سائرہ کچھ نرمی کے ساتھ کہتی ہے،

'' دوسروں کی زندگی بھی خراب کرے گا اور خود کی بھی۔ فائدہ کیا ہے؟............ ہوسکتا ہے، سُشما اپنے بہت ہی قریبی دوست 'پیوش' کو چاہتی ہو۔ اُس لڑکے کے دل میں بھی اس کے لیے ویسے ہی جذبات ہوں......شاید!''

'' شادی کی نیت سے تو لڑکی نہیں ڈھونڈ رہے ہو! صرف اپنی ضرورت کو پوری کرنے کے لیے ایسا کر رہا ہے۔ میرے حساب سے تمھاری اتنی ضرورتیں اس لیے جاگتی ہیں کیوں کہ تمھارے پاس فری ٹائم ہے۔ اتنے سارے لیول پر تم غلط ہو رہے ہو۔ شاید اس لیے کہ اگر تمھاری زندگی میں کچھ غلط ہوتا ہے تو کوئی ہو، کہ جس کو تم الزام دے سکو۔ اب تیری زندگی میں جو پریشانیاں ہیں، اس کی ذمہ داری تو خود کب لے گا؟ ابھی مہک پر الزام ڈالتا ہے، کہ وہ کہتی تھی، اس لیے ایسا ہوا۔''

اتنی ساری سطحوں پر تجھے دوستی کیوں چاہییں؟

سائرہ! تم مجھ سے بات کرتی ہو۔ میری خوش نصیبی۔ مگر تم کو بھلا میری زندگی میں کیا ملے گا، چٹ پٹی باتیں نہیں ہیں۔ شاید اسی لیے تم میری باتوں سے پریشان بھی ہوتی رہتی ہو!''

''تم دور دور بھاگتے ہو مگر شکایت بھی کرتے ہو! دوانتہا ہیں.. پتہ نہیں کیوں؟''، اس نے اَن سُنی کرتے ہوئے کہا۔

''سچ یہ ہے کہ اسے قبول تو کرلوں گا لیکن پرانا پیار نہیں پاؤں گا، جو اچھی چیز ہے اُسے سویکار کروں گا،... برا کیا ہے؟''، میں بھی اپنی بات اس کے سامنے قبول کرنے میں ذرا نہیں جھجکتا۔

☆ نیا رشتہ!

انٹرنیٹ پر Bharat Matrimonial کی ویب سائٹ پر بھائی نے اپنا پروفائل لگایا ہے۔ساتھ ہی expectations لکھی ہیں۔..........ریکارڈ کیا ہوا میسج آیا کہ۔
"آپ کی امیدوں کے مطابق ایک لڑکی ہے،نام ہے مادھوی!"
ہم پونہ گئے۔مادھوی کافی پڑھی لکھی ہے۔پولیٹیکل سائنس میں ایم اے کر رہی ہے۔خاندان کی اچھی پراپرٹی ہے۔ڈیہو روڈ پر ان کا بڑا سا گھر ہے۔اس کی ایک چھوٹی بہن بھی ہے۔اس کی ماں کو نکھل پسند آ گیا۔
"بعد میں بتاتے ہیں"،مادھوی کے گھر سے نکلتے ہوئے ان لوگوں سے ممانے کہا۔
ہم بس میں بیٹھے ہی تھے کہ مما کے موبائل پر مادھوی کا ایس ایم ایس آیا۔
"مجھے لگتا ہے کہ آپ کو یہ رشتہ پسند نہیں آیا۔کوئی بات نہیں all the best for your future"
"ارے نکھل،کیا کہہ دیا تو نے؟"ممانے گھبرا کر بھائی سے پوچھا۔
"نہیں تو!"،نکھل ہڑبڑایا۔
"کوئی حرج نہیں!مادھوی نے مجھ سے کہا تھا،اسے سیدھی سادی فیملی چاہیے۔پیسے نہیں،لوگ اچھے ہوں۔لگتا ہے کہ ہم اسے پسند آ گئے۔"ممانے بات کو سمجھ کر سمجھایا اور مطمئن ہو گئیں۔
"چار لوگ ہیں،چاروں نیو بامبے میں رہتے ہیں۔حقیقت میں نکھل نے کچھ اس طرح کا پروفائل بنایا تھا۔اپنے بارے میں اس نے لکھا تھا،"ایمان دار،محنتی،فلور مینیجر۔"ساتھ ہی میرے بارے میں بھی لکھا تھا،"چھوٹا بھائی لاء پڑھ رہا ہے،ساتھ ہی سافٹ ویر کمپنی میں کام بھی کرتا ہے۔"میں نے اپنا حصہ ایڈٹ کر کے نکال دیا تھا۔
"تیرا بھی پروفائل بنائیں ساتھ میں،کیا کہتا ہے؟"
"نہیں،کوئی ضرورت نہیں!شادی کی ضرورت ہوگی،تب دیکھیں گے۔"،میں

صاف منع کر دیتا ہوں۔

"بس مجھ سے پہلے پوچھا جائے، اتنی شرط ہے!" مما کہتی ہیں۔"ذات پات یا لو میرج کے بارے میں کوئی سمسیا نہیں۔"، ہو بھی کیسے سکتی ہے!............ میں بھی سوچتا ہوں، گھر والوں کو پتہ ہو، تو بھی اچھا ہی ہے۔

اب میری سوچ کہیں نہ کہیں بدلی ہے۔ مثبت سوچ رہا ہوں، مما کے ساتھ بھی میرا اسلوک بہتر ہوا ہے۔ آج کل وہ مطمئن دکھائی دیتی ہیں۔

سوچتا ہوں جلدی سے جلدی لاء پورا ہو۔ اِس وقت بھی شروع کروں، تو تین سال اور لگیں گے۔ ابھی سکینڈ ائیر میں ہوں۔ ایک خیال آتا ہے، ستائیس سال میں اگر گریجویٹ ہو جاتا ہوں تو .... اُس وقت میرے ساتھ پاس ہونے والے اسٹوڈنٹس اکیس بائیس کے ہوں گے۔ میں لیٹ ہو چکا، لیکن خوش نصیب ہوں کہ چھوٹا دکھائی دیتا ہوں۔ کمزور ہوں، اس لیے کوئی کہے گا بھی نہیں کہ چوبیس کا ہوں۔ انیس بیس سال کا ہی لگتا ہوں۔ پانچ فٹ چھ انچ کے قد پر پچاس کلو وزن ہے۔ عمر کے حساب سے کم سے کم باسٹھ کلو وزن ہونا چاہیے۔

ڈیڈ مما سے بہت بڑے لگتے ہیں۔ وہ سینتالیس کی ہو گئی ہیں، لیکن پینتیس سے زیادہ لگتی نہیں ہوں گی۔ مما قد میں چھوٹی ہیں اور ڈیڈ لگ بھگ چھ فٹ .... میں ممی جیسا ہوں نا!

☆ نئے گھر میں

مام اپنے حساب سے سوچتی ہیں، کرتی ہیں۔ اس دن کپڑے سکھانے کی رسی لے آئیں۔

"کہاں لگائیں؟" مجھ سے مشورہ کرنا چاہیے تھا۔ .... لیکن پڑوسن روزی کے ڈیڈی کو بلا کر پوچھا۔ وہ ڈرل مشین لے کر آ گئے۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ دیواروں میں سوراخ ہوں۔ کپڑے سکھانے کا اسٹینڈ رکھنا چاہتا تھا۔

مما نے مجھے گھر کے رنگوں کو پسند کرنے کے لیے کہا۔ میں نے صبح بتایا، شام کو آ کر دیکھا دوسرے ہی رنگ لگے ہوئے تھے۔ کہا تھا، میرا پسندیدہ رنگ ہلکا بینگنی ہال میں لگائیں اور ہلکا میرون بیڈروم میں۔ گھر میں دو اوپن ٹیرس ہیں، اس لیے دونوں کمروں میں اجالا بہت آتا ہے،! مگر لگا ہوا تھا ہال میں کریم اور بیڈروم میں ہلکا ہرا۔ اچھا لگ رہا ہے ....لیکن جو چاہیے وہ تو نہیں!

اندر والے کمرے کا کام مما نے کروالیا ہے۔

''دیوار بنوالو''، بلڈنگ والے پڑوسی کلکرنی کی سن کر ابھی کام ایسا کروا دیا ہے کہ بازو سے کھلا ہے۔ اوپر کا پی او پی کیا ہوا ہے۔ ممکن ہے، پانی ٹپکے۔

''دیواروں کے کونے بنواؤ، گرل اور سلائیڈنگ لگواؤ۔'' مگر وہ میری کہاں سنتی ہیں!

''تو ابھی چھوٹا ہے۔'' میری بات سن کر مما کہتی ہیں۔

جو سوچتا ہوں ویسا نہیں ہوتا! مما کی عادت ہے، میری بات کو اہمیت نہیں دیتیں۔ اب عادت ڈالنے کی کوشش کرتا ہوں کہ ان کی طرح سوچوں۔ جو کہوں، سنیں گی ضرور مگر اپنا خیال کبھی نہیں بتاتیں۔

''کال سینٹر کی لائف مجھے بالکل پسند نہیں۔ اس لیے جیتو کو وہاں سے چھڑا دیا!''، مما روزی سے کہہ رہی تھیں۔ کب کہا انھوں نے مجھ سے؟ کال سینٹر چھوڑنے کی بات کب کی ہے؟.. ہاں یاد آیا۔ ایک بار کہا تو تھا، لیکن جملہ ''چھوڑ دے۔'' کبھی نہیں کہا تھا۔ کمال ہے!

پہلی تنخواہ آئی۔ نہ مام سے کہا اور نہ ہی ڈیڈ سے۔ کوئی دعا دینے والا نہ خوش ہونے والا! مہک کو کال کیا اس نے کہا، ''بھگوان کے سامنے رکھ دے۔''

☆ شادی کی بات

بھائی اب مام کا زیادہ خیال رکھتا ہے۔ شاید اس لیے کہ اس کی شادی کی بات چل رہی ہے۔ شادی کے بعد وہ اسی گھر میں رہے گا۔ وہ نانی سے قریب ہے لیکن ''دادر کا گھر نانی کا ہے اور ان کے بعد ان کے بیٹوں کا!''، اب وہ سوچتا ہی نہیں کہتا بھی ہے۔

"سب اکٹھا رہیں!"

مگر میں نہیں چاہتا۔ یہ تو چاہتا ہوں کہ سب کو ملا لوں مگر ادھورا خاندان نہیں چاہتا، 'آنا ہے تو اکٹھے آؤ، تین لوگ مت آؤ'، جی چاہتا ہے کہہ دوں۔ مگر کہہ کر وبال کون مول لے!

"ہمارے ساتھ رہ کر اُس سے مل رہا ہے۔ ہمارے بارے میں جاسوسی کرتا ہے؟"، ڈیڈ کا کال آئے گا تو یہ دونوں کہیں گے۔ اور کہتے بھی ہیں۔

ڈیڈی سے مجھے پیار بھی ملا اور تکلیف بھی۔ ڈیڈ سے ہونے والی تکلیف سے بھائی بھاگ گیا۔ اس کے لیے ڈیڈ کچھ ہیں ہی نہیں۔ اسے کبھی ڈیڈ کے پاس جانے یا بات کرنے کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔

یہ گھر بیچ دے

"یہ گھر بیچ دے"

کچھ دن پہلے کی بات ہے، بھائی کی شادی کے دنوں کی!......

"جیتو! تو یہ گھر بیچ دے!"

"کیا؟؟ یہ گھر بیچ دیں؟"، میں چونک جاتا ہوں۔

"مجھے لگتا ہے...... تو اور بڑا گھر لے لے، قرض لے کر..."

"کیوں؟" میرے چہرے پر سوال بکھرتے ہیں۔

"نکھل کی شادی ہوئی تو اس کو کس گھر میں رکھیں گے؟ بس تو یہ گھر بیچ دے۔ میں نیرول کا گھر بیچ دیتی ہوں..........."

شاید مجھے محسوس ہوتا ہے مما نے کچھ نہیں سوچا میرے لیے! اس لیے زیادہ ڈیپینڈ کیا کرتا تھا مہک پر۔

☆ اسموکنگ زون

زبانوں میں میری دلچسپی بچپن سے ہی تھی۔ گھر والے اور دوست مراٹھی ہی بولتے تھے۔ ہاں مراٹھی کے ساتھ ساتھ ہندی فلمیں بھی دیکھتے۔ پانچویں میں ہندی کا مضمون

پڑھایا جانا شروع ہوا تھا۔ دھیرے دھیرے میں نے ہندی بولنا شروع کر دیا۔ مجھے لگتا ہے کال سینٹر کا مجھ پر خاص اثر نہیں پڑا، پھر بھی میں نے یہاں سے، بہت سی باتیں سیکھیں۔ نیا جنون تھا۔

''کچھ خاص کرنا نہیں ہے۔ فون پر بات کرنا ہے۔ بات کرنے کے پیسے ملتے۔ لگتا آسان جاب ہے۔'' دوستوں سے سنا تھا لیکن جیسے جیسے کال سینٹر کی زندگی میں ڈھلتا گیا، دباؤ تناؤ بڑھتا گیا اور اسے ہٹانے کے لیے لوگ کیسے کیسے راستے اپناتے ہیں، دیکھتا ہوں۔

عام طور پر میں ٹیم آؤٹنگ کے لیے نہیں جاتا۔

''شراب پینا، مستی کرنا، ناچنا، ایک دوسرے کا مذاق اڑانا، فالتو جوک سُنانا، بس ٹائم پاس کرنا ہوتا ہے!'' میں صاف صاف کہتا اور سیدھے انکار کر دیتا۔

ساتھی اے ایچ ٹی کا اپنا پرفارمینس ٹارگٹ پورا کرتے، افیئر کرتے۔ یہاں لوگ بہت کھلے ماحول میں ہوتے ہیں۔ کوئی بندھن نہیں، پروفیشنل لوگ ٹینشن دور کرنے کے لیے لڑکیوں کو دیکھنے والے لوگ! میں نے یہاں اتنے سارے رشتے اچانک بنتے دیکھے اور اتنے ہی رشتے اچانک ٹوٹتے بھی! آج ایک کے ساتھ، کل دوسرے کے ساتھ۔ سب پوچھو تو یہی ہے کہ رشتے نبھانے کے لیے کوئی کوشش نہیں لیتا۔ ساتھ چھوڑنے یا رہنے کے لیے معمولی سی وجہ کافی ہے! ٹی یا لنچ بریک ہوا، اسموکنگ زون میں لڑکی کھڑی دیکھی۔

''کون سی کلاس میں ہو؟''

''کون سی ٹیم کی ہو؟''، پوچھا کہ رجھانا شروع ہوا! معمولی باتیں ہیں یہ۔ جب مجھے پتہ چلتا کہ رشتے بنے یا ٹوٹے تو اس موضوع سے ہٹ جاتا۔ اس کے آگے جا کر کبھی سوچا ہی نہیں! ہمیشہ چھوڑ دیا۔

☆ ماں کی اپنی ماں کے ساتھ لڑائی

میں نے مما کو اپنی ماں کے ساتھ لڑتے دیکھا ہے۔ بہت چلاتی ہیں۔ لڑائی کے بعد مما انھیں ''ساری، ساری'' کہتی ہیں۔ میرا بھی ان سے بہت بار جھگڑا ہوا ہے۔ جانتی ہیں ....کچھ کر لیں، فیصلہ کر لیا تو کسی کی نہیں سنتا۔ میرے ساتھ جھگڑا ہوتا ہے تو مام جھگڑے

کے بعد چپ بیٹھی رہتی ہیں، ورنہ عام طور پر تو گھر پہنچتے ہی شروع ہو جاتی ہیں۔

"کھالے!"

"برش کرلے!"

"دودھ پی لے!"

"ٹی وی بند کر!"

"لیٹ جا!"

"سونے کی کوشش کر!"

میں نے دروازے کی گھنٹی بجائی۔ مما نیند سے اٹھیں۔ دروازہ کھول کر انھوں نے واش بیسن میں منہ دھویا اور کچن میں جا کر کچھ بنانا شروع کر دیا۔ میں کپڑے بدل کر بستر پر لیٹ جاتا ہوں۔ نیند لگنے لگتی ہے۔ وہ ناشتہ لاتی ہیں۔ پوہا، کڑک پوری، روٹی یا پراٹھا، چائے کے ساتھ یا کبھی آملیٹ... گھر میں جو ہوگا، بنا کر لاتی ہیں۔

"باہر سے کھا کر تو نہیں آیا ہے؟"

"بھوک لگی ہے کہ نہیں؟"، وہ پوچھتی ہی نہیں۔

"بس میں نے بنایا ہے تو کھا۔" بس یہی سوچ ہے یہی طریقہ ہے۔

میں نیند سے اٹھ کر چلاّ تا ہوں،

"کس کو پوچھ کر بنایا؟"

"کس نے کہا تھا بنانے کو؟"

ناشتہ میرے قریب رکھ کر چلی جاتی ہیں، اسے دیکھ کر پیٹ بھر جاتا ہے۔

☆ نیوز پیپر

"آج کا نیوز پیپر پڑھا، تیرے سرہانے ہی رکھا تھا"، میں اسموک کرتا ہوں یہ جان کر مام نیوز پیپر یا میگزین میں اس طرح کے آرٹیکل کا صفحہ کھول کر سوتے وقت سرہانے رکھ کر چلی جاتی ہیں۔ بعد میں فون کر کے پوچھتی ہیں،

''پڑھا؟''

''ایسے کیوں کرتی ہو، اگر اچھا نہیں لگتا تو بولو نا!'' مجھے غصہ آتا ہے۔ ماں کسی پوائنٹ کو سیدھے نہیں پوچھتیں۔ شاید لگتا ہوگا کہ میں غصہ ہو جاؤں گا یا الٹا جواب دوں گا۔

☆ ٹیم آؤٹنگ

ایک دن ہم پونا گئے تھے۔ ہماری ٹیم نے ٹیم آؤٹنگ کا پلان بنایا۔ ایک رات وہاں گذارنے کا پلان تھا۔ سنیچر، اتوار سونا ہی ہے، آفس کے لوگوں کے ساتھ مزہ کیوں نہ کریں! رات کی ڈیوٹی نے ہمیں سوشیل لائف سے دور کر دیا ہے۔ پرانے دوستوں سے ہم بہت کم بنائے رکھتے ہیں۔ اپنی ٹیم کے ممبروں کو خوش رکھنے اور ان سے اور اچھا کام لینے کے لیے کمپنی ٹیم لیڈر کو پیسے دیتی ہے۔ پکنک یا پارٹی سے لوٹ کر کمپنی کو بل داخل کرنے ہوتے ہیں، جسے وہ چیک کرتی ہے۔ شراب پر خرچ کیے ہوئے پیسے نہیں ملتے۔ کھانے، رہنے اور سفر کے پیسے مل جاتے ہیں۔ میں ٹیم لیڈر کے لیے شارٹ لسٹ ہوا تھا، لیکن بن نہیں پایا۔ لوگوں میں گھل مل نہیں پاتا نا! زیادہ لوگ مجھے جانتے نہیں۔

میرے ٹیم لیڈر کو مجھ سے پتہ نہیں کیا پرابلم تھی! میں اپنی شرطوں پر کام کرتا۔ پیسے کٹیں اس کی پرواہ نہیں۔ یو ایل ڈبلیو پی(Unapproved Leave without Pay) لگے گا ہی اور آج لگے تو چھ مہینے تک پرموشن نہیں ہوگا .... یہ جانتے ہوئے بھی میں بے دھڑک چھٹی کر دیتا۔

'' It's Your duty to tell me''، شانتنو کی ٹیم میں، پہلی بار جب میں نے چھٹی کر دی، تو اس نے کہا تھا۔

''اکیلا تھا، بیمار تھا، سو رہا تھا!''، میں نے ذرا سا کندھے اچکا کر، دونوں ہتھیلیاں اٹھائیں۔

''پتہ نہیں!'' وہ مجھ پر سے نظر ہٹا کر کمپیوٹر سیکشن کی قطار کو دیکھنے لگا۔ میں سمجھ گیا اسے میری بات بری لگی بلکہ اس کا یقین بھی نہیں آیا۔

اس دن کے بعد میں نے اس سے کبھی چھٹی نہیں مانگی۔ لگتا، اسے جھوٹ ہی لگے گا ۔ہمیں مہینے کے ڈھائی ہزار روپے اِن سین ٹیو کے ملتے ہیں۔ 'ٹن تنو' نے اس ایک دن کی چھٹی کے آٹھ سو روپے کٹوا دیئے۔ ایک دن کے اِن سین ٹیو کے پانچ سو روپے اور باقی تنخواہ میں سے!.......... ہمارا کام کتنا آسان لگتا ہے.......... مگر ایک غلطی اور آپ کا پیسہ غائب!

☆ دبلا

مجھے لوگ دبلا کہہ کر چڑاتے ہیں، لیکن دبلا بھی اسٹرانگ ہو سکتا ہے۔ اچھے پہلوان کو مار سکتا ہے سہنے کی طاقت کی الگ اہمیت ہے! 'بروسلی' کبھی مجھے طاقتور دکھائی نہیں دیتا تھا؟ ایک اور مثال پیوش کی ہے، وہ اپنی باتوں میں کسی کو بھی الجھا سکتا ہے۔ اسے جیت سکتا ہے، جیسے ہرل کو جیتا۔

مما گئیں جب جون ۹۶ء کی چھٹی اور ساتویں کلاس کی درمیان کی چھٹی چل رہی تھی۔ میں کراٹے میں ریڈ بیلٹ حاصل کر چکا تھا۔ آئی سی ایل اسکول واشی میں ایک شخص Taane -kwon 0do کے کلاسیس چلایا کرتا تھا۔ میں وہیں جاتا تھا۔ ڈھائی سال سے کراٹے سیکھ رہا تھا۔ تین تین مہینے کے کورس کر کے وائٹ، یلو، گرین، بلو، براؤن بیلٹ اور اب ریڈ بیلٹ ہو گیا تھا۔ کچھ دن اور رہتا تو بلیک بیلٹ ہو جاتا مگر اس کی وجہ سے مجھ میں لچک آئی اور صبر کا مادّہ پیدا ہوا۔ ہمارے فادر آگنل اسکول میں پی ٹی کلاس میں آلتی، پالتی مار کر یوگا کروایا جاتا تھا۔ بایاں پیر دائیں ران پر اور دایاں پیر بائیں جانگھ پر رکھ کر پیچھے سے ہاتھ لے کر دوسری طرف کے پنجوں کو پکڑے رکھنے والی کثرت میں بڑی آسانی سے کر لیتا ہوں۔

☆ بچپن کے سنسکار

بچپن میں ہم تھوڑے بہت سنسکاروں کے ساتھ تو ضرور پلے تھے۔ صبح جلدی اٹھنا، نہانے کے بعد بھگوان کے آگے ہاتھ جوڑ کر پرارتھنا کرنا.......... جیسے قاعدے تھے۔

''چلو شمبھو کرو!''، نہانے جاتے تو مما کہتیں۔ دونوں ہاتھوں سے اٹھا کر وہ مجھے

باتھ روم میں لے جاتیں اور نل کے نیچے نہلاتیں۔ لڑکیوں کی طرح بال لپیٹ کر گردن کے پیچھے مجھے تولیا باندھتیں۔ دیوارا میں جا کر ہم ہاتھ جوڑ کر کھڑے رہتے۔ وہ اگربتی سلگاتیں، دیا جلاتیں، پھول چڑھاتیں۔ نانی نے واشی کے ہمارے اس گھر کے باہر پاریجات کا پیڑ لگایا تھا۔ نارنگی رنگ کی ڈنٹھل اور آس پاس آف وائٹ رنگ کی پنکھڑیاں، بھینی بھینی خوشبو والے وہ پھول!

"جاؤ باہر سے پھول لے کر آؤ"، مما کے کہتے ہی ہم دوڑ کر کسی پلیٹ یا تھیلی میں پھول لاتے اور پوجا کرتے۔ ہر صبح مما بھگوان کی مورتی کو دھوتیں، پھر پوجا کرتیں۔ تامن یعنی تانبے کی پلیٹ میں مورتیوں کو رکھتیں، پھر تانبے کے لوٹے میں ہی پانی لے کر مورتیوں پر پانی ڈال کر، انھیں اسنان کرواتیں۔ کالے پتھر کے شیولنگ سے لپٹے ہوئے پیتل کے ناگ اور چھوٹی سی گنپتی کی مورتی کے سر پر یا اس کے چرنوں میں ہم پھول چڑھاتے، چندن اور ہلدی، کم کم لگاتے۔ پھر بھگوان کو نئے ویدیہ یعنی بھوگ چڑھاتے۔ بھوگ میں وہ پھل یا سوکھے میوے رکھتیں۔ اس بھوگ کو ہم پرساد کے روپ میں سب کو بانٹتے کبھی ہم خود ہی کھا لیتے۔ مورتیوں کے سامنے چھوٹی سی پلیٹ میں چھوٹے سے کھلونوں جیسے دو تین انچ کے گلاس میں پانی ہوتا۔

"بھوگ کا پرساد کھانے کے بعد بھگوان جی پانی تو پئیں گے ہی۔" ماں بتاتیں۔......... مما کے جانے کے بعد ہم بھوگ بھی چٹ کر جاتے اور پانی بھی۔

تیوہار کے دن پہلا نوالہ، مما ان مورتیوں کے سامنے رکھتیں۔ چھوٹی سی چپاتی پر تھوڑا سا چاول اور تھوڑی سی دال، گھی اور شکر ڈال کر، ان کے سامنے شام تک رکھے جاتے۔ شام کو ہم ساڑھے چھ بجے اسکول سے لوٹتے اور باہر کھیلنے جاتے......... تب مما ہمیں کیلے کے پتے میں رکھی ہوئی یہ ڈش گائے کو کھلانے کو کہتیں۔

"شبھم کروتی کلیانم، آروگیہ دھن سمپدا"، پڑھتے ہوئے مما دھیرے دھیرے اس کے معنی بھی بولتیں، "سنسار میں ہمیشہ سب کو اچھا کرنے سب کو صحت، دولت، بدھی دینے والے اوویکی بدھی اور دشمنی کے بھاؤ کا وناش کرنے والے اور پریرنا دینے والے

دیے کو نمسکار۔''

ایک گھنٹے بعد وہ بلانے آتیں۔ گھر آتے ہی وہ حکم دیتیں،

''ہاتھ پیر دھو کر دیوارے میں دیے کی پرارتھنا کرنا ہے، یاد ہے نا!''

صبح ہم پوجا میں گائتری منتر پڑھتے،

''اوم بھُھور روسوہ تتسو وِترُ ورَنیم، بھرگو دیوسیہ دِھیم ہی دِھیوہ۔ یونہ پرچودیات''

☆ ....اور اسکول کی پرارتھنا بھی میں کیسے بھول سکتا ہوں،

''وندے ماترم، وندے ماترم
سُجلام، سُفلام، دُرم دُل بھتام''

☆ ٹِفن

پوسٹ آفس میں سب کو پتہ ہے کہ مما کو کورٹ میں جانا ہوتا ہے، تو چھٹی لیتی ہیں۔ چودھری آفس میں ملنے اور ٹفن دینے آتا ہے۔ مجھے لگتا ہے، اس کے گھر کھانا مما ہی بناتی تھیں!

ایک دن صبح دس بجے کے آس پاس میں مام کے آفس گیا تھا۔ میں مما کے کیبن کے پڑوس والے کیبن میں بیٹھا تھا۔ دیکھا، چودھری آیا اور ٹفن دے کر چلا گیا...... سوچا نہیں یہ کیا ہے؟ کیوں کہ تکلیف ہوتی ہے۔ اس دن اسے دھیان سے دیکھا تھا۔ وہ چھوٹے قد کا مخصوص بہاریوں والے انداز میں پان سے رنگے ہونٹوں والا آدمی!!!...... شاید شراب بھی پیتا ہے۔ بدیسی بدبو آرہی تھی۔ 'مزدور کی اوقات ہوگی بھی کتنی!'، میں سوچتا ہوں۔

☆ نکھل۔ ورشالی منگنی

''تمھارے ڈیڈ کو بالکل بلانا نہیں ہے!''، نکھل دادا کو ڈیڈ سے لگاؤ ہے ہی نہیں۔ اُن کو پتہ نہیں چلا مگر منگنی سے ایک دن پہلے دادا نے فون کر کے ڈیڈ سے بات کی۔ منگنی کے

بارے میں کچھ نہیں بتایا۔ '' کیسے ہو؟''

'' کیا ہے؟'' بس یہی کچھ پوچھا۔

چودھری پوجا میں بیٹھا تو مجھے بہت برا لگا۔ مگر میں کچھ نہیں بولا۔

'' تو باپ کی طرف سے بولتا ہے؟'' اگر کچھ کہتا ہوں تو مما یہی کہتیں، جانتا تھا۔

بھائی کی منگنی کے دن اسے دیکھ کر کھوپڑی سنک گئی تھی۔ ہال میں سب کے ساتھ بیٹھا تھا۔ سگائی لڑکی کے گھر ہوئی تھی۔ مما نے نہ مجھے، اور نہ ہی بھائی کو بتایا تھا۔ اسے وہاں دیکھ کر سب ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ نکھل دادا کی منگنی میں باپ کی جگہ ماں نے چودھری کو پوجا میں بٹھایا۔ بڑے ماما نے میرا منھ دیکھا۔

'' جانے دے۔ جو ہوا، سو ہوا۔ اس آدمی نے کبھی نہ کبھی تیری ماں کو سپورٹ کیا ہوگا .... تو بدل نہیں سکتا ...... جو چیز بدل نہیں سکتا .... اس کے لیے زیادہ پریشان مت ہو............!'' انھوں نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

دونوں مامیاں سامنے نہیں بولتیں، پیچھے کا پتہ نہیں۔ آج تک تو سنائی نہیں دیا۔ چھوٹی کیسر مامی کی محبت کی شادی ہے۔ ۹۴ کا جھگڑا چھوٹے ماما سے ہی تو تھا۔

'' آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ کہیں تو اپنے بیٹے کے بارے میں سوچنا چاہیے تھا''، اس دن بہو کے گھر والوں کے یہاں چودھری کو دیکھ کر چھوٹی کیسر مامی، مما کو جا دھرتی ہیں۔

'' آؤ کیسر۔ گجرے کی لڑیاں کاٹ کر مہمانوں کو بانٹ دو'' مما تیزی سے نکل جاتی ہیں۔ مما بات کرنے میں اتنی تیز ہیں نا، کہ بس۔ ایک کارن کو ڈھونڈنے کے لیے دوسری وجہ تیار رہتی ہے۔

'' تیری ماں ایسا کیوں کر رہی ہے۔ ان کو پتہ نہیں کیا؟''، کیسر مامی کے من کی بات ادھوری رہ گئی تھی۔ مجھے دھر لیا، '' تیری آئی کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا!''

☆ ڈیڈ الیکشن

ڈیڈ الیکشن کے لیے کھڑے تھے۔ چھوٹے ماما سے انھوں نے بیس ہزار روپے لیے تھے۔ ماما نے نیا نیا گریجویشن پورا کیا تھا۔ نئی شادی تھی، دو مہینوں کی بیٹی تھی، نئی جاب تھی، نیا جوش تھا۔

''الیکشن سے نام واپس لے لیا ہے۔ اپنے بھائی کو مت بتانا''، جب کہ مما نے پہلے ہی بھائی سے یہ بات کہہ دی تھی۔

''ہاں میری بیوی ہے گھر میں.... ابھی بات نہیں کرتے ہیں۔''، متوازی فون لائن سے مما نے سن لیا۔ یہ مینکا تھی، جس سے ڈیڈی دھیرے دھیرے بات کر رہے تھے۔

مینکا بہت چالاک اور ضدی عورت تھی۔ دس جگہ گھوم چکی تھی۔ تجربہ کار تھی۔ مام ڈیڈ کے نیرول والے فلیٹ کے کچھ پیپر سائن کرنے تھے۔ مما اور ڈیڈی دونوں کو وہاں جانا تھا۔ ڈیڈی کے ساتھ مینکا بھی گئی تھی۔ خوب جھگڑا ہوا۔ دونوں عورتوں کی ہاتھا پائی ہوئی ......سڑک پر! میں ڈیڈ کے ساتھ رہتا تھا۔ مما نے کھانے کا ڈبہ پھینک کر مینکا کو مارا تھا۔ مینکا نے کچھ نہیں کیا۔ بات کافی آگے بڑھ گئی تھی۔

''یہ عورت میرے آدمی کو قابو میں کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔''، مما نئی ممبئی کے سابق میئر گنیش نائک تک پہنچیں۔ انھوں نے شکایت کی۔

یہ سب مجھے صرف مینکا کی باتوں سے پتہ چلا۔ میں سین میں نہیں تھا، ''اس کی ماں تھی وہاں۔ ایسے جتا رہی تھی جیسے گنیش نائک اسے جانتے ہوں۔ اُس کو پتہ نہیں میں کیا چیز ہوں۔''، مینکا اپنی سہیلی کو بتا رہی تھی، جو اس کے پاس وقت گزاری کے لیے آئی تھی۔

آج جب یہ باتیں سوچتا ہوں تو ہنسی آتی ہے کہ آدمی خود کو کتنا بڑا اور طاقت ور سمجھتا ہے، مگر ہوتا نہیں۔ ہر کسی کو لگ سکتا ہے، 'ہمارے پاس طاقت ہے، پیسہ ہے، جو چاہیں، کر سکتے ہیں۔ مانا کہ کر سکتے ہیں مگر کسی اور کی زندگی کے بارے میں کچھ نہیں کر سکتے نا! جو کچھ کر سکتے ہیں، اپنی زندگی کے ساتھ کر سکتے ہیں۔ دوسروں کو کم ثابت کرنے میں کتنا

مزہ آتا ہے،' وہ ہے کیا؟ اس کے پاس کچھ نہیں، میرے پاس سب کچھ ہے۔' ہنسی آتی ہے ایسی سوچ پر! اپنی طاقت پر کوئی اتنا فخر کیسے کر سکتا ہے! میں کچھ بول نہیں پاتا۔

''وہ مام کے بارے میں یہ سب کیسے بولتی ہے؟''، میں نے شروع شروع میں ایک دوبار ڈیڈی سے کہا بھی۔

''تیری ماں نے ایسا ہی کیا میرے ساتھ۔ مجھے اتنی تکلیف دی ہے۔ مینکا جو کچھ بھی کہتی ہے، صحیح ہے۔'' ڈیڈ نے مینکا کی ہی حمایت کی۔

میں ڈیڈی کے لئے صرف ملکیت تھا۔

☆ ملکیت

مما کے گھر چھوڑنے کے بعد نکھل دادا ایک دن اچانک نکل گیا تھا۔ پوچھا تک نہیں۔ یہ چناؤ کی بات نہیں تھی۔ اس کے دل میں خوف ہو گیا تھا۔ میں بچوں میں چھوٹا تھا، مما ڈیڈی دونوں کا لاڈلا تھا۔ اُتنی مار نہیں کھاتا تھا مگر اُتنا لاڈلا بھی نہیں تھا۔ میرے بارے میں دونوں ہی مجھے اپنی ملکیت سمجھتے ہیں۔ دونوں نے اپنے جھگڑوں میں بیچ میں مجھے گھسیٹا۔ دونوں کو لگتا کہ جیتو میرے ساتھ ہو!''

☆ بھائی اور میں

دونوں جانتے ہیں، بھائی سے زیادہ میں باصلاحیت قابل ہوں! وہ ہوشیار ہے، تو دو ہاتھ میں آگے ہوں۔ کچھ باتوں میں وہ آگے ہے جیسے اسپورٹس، شرافت اور اپنی صحت کی دیکھ بھال، کسرت، اچھا کھانا، اچھے کپڑے پہننے میں۔ پھر بھی مجھے لگتا ہے، میری طرح وہ بھی بےچین ہے، ٹوٹا ہوا سا ہے۔ ٹوٹا ہوا بھائی....

جُدا جُدا، مما ڈیڈی کا جھگڑا

ایک رشتے دار کی شادی میں ہم بھنڈار درا گئے تھے۔ یہ ناسک روڈ پر کسارا کے پاس واقع ہے۔ ڈیڈ واشی ہی میں تھے۔ ہم تینوں، دونوں چچا اور ماسی کے پریوار کے سب

لوگوں ساتھ ہی واپس لوٹے۔ اس رات سب ہمارے گھر ہی رکے تھے۔

''مجھے کچھ اور پیسے چاہئیں!'' ڈیڈ نے مما سے کہا، ''تیرے بھائی کو بلالا۔''

''الیکشن سے تو ہٹ گئے ہونا!...اور وہ پچھلے پیسوں کا کیا ہوا؟''، مما نے جواب میں پوچھا۔

تھوڑی دیر ہال سے باتیں کرنے کی آوازیں آتی رہیں۔ ہم بچے بیڈروم میں سو رہے تھے کہ شور کی آواز آئی۔ اچانک ڈیڈی اور چھوٹے ماما میں ہاتھا پائی شروع ہوگئی۔ شاید پہلے ڈیڈی نے مارا تھا! دونوں لہولہان ہورہے تھے۔

''میں آپ کی بیوی نہیں کہ مار کھالوں!''، ڈیڈی دیوار کے پاس پڑی ہوئی ٹیوب لائٹ لے کر آئے۔ ماما باہر پڑی ہوئی لکڑی لے آیا۔ مَوسا جی بھی وہیں تھے۔ انھوں نے بیچ بچاؤ کروایا۔ موسی اور مما نے چھوٹے ماما کو پکڑا اور انھیں کھینچ کر باہر لے گئیں۔ موسا جی نے ڈیڈی کو پکڑا۔ بات بہت بگڑ گئی تھی۔ وہ سب اسی وقت دادر کے لیے نکل گئے۔

جیسے ہی وہ دروازے سے نکلے، ڈیڈی نے مما کے پیٹ میں زور سے لات جمائی تھی۔

''تو اپنے بھائی کو سپورٹ کرتی ہے۔ تم لوگوں نے مجھے پکڑ رکھا تھا اور تیرا بھائی مجھے مار رہا تھا!''

ج سوچتا ہوں تو دِل میں نفرت آتی ہے۔ ڈیڈی کیسے مار سکتے ہیں؟ ایک عورت کو کوئی کیسے مار سکتا ہے؟ ایسا تو میں اپنے دشمن کو بھی نہ ماروں۔

اتنا جھگڑا ہم نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ بچوں کے سامنے مام ڈیڈ زیادہ تر نہیں جھگڑتے تھے۔ مینکا کا قصہ شروع ہونے سے پہلے بھی جھگڑے ہوتے تھے مگر ہمارے سامنے نہیں۔ ہاں ڈیڈ مما کو ہمارے سامنے چلاتے ضرور تھے۔

''کھانا ٹھیک نہیں بنا۔''

''موڈ ٹھیک نہیں ہے۔''

یا آنے والے مہمان آگ لگاتے، ''......ایسے کہا!''

''......ویسے کہا!''

چنگاری بھڑکی، مینکا کی بات شاید یہ سب ہونے کے بعد پتہ چلی تھی۔

مما میرے لئے پریہ درشنی تھیں... میری آنکھوں کی ٹھنڈک..

پریہ درشنی

چیمبور میں 'پریہ درشنی' نام کی خوبصورت عمارت ہے۔ یہاں آر سی ایف کا کارپوریٹ یا ایڈمنسٹیریٹیو آفس ہے، اسی سے لگا ہوا اس کا ایک پروڈکشن پلانٹ ہے۔ پلانٹ سے لگی ہوئی IPCL کمپنی ہے۔ دونوں کمپنیوں کے سامنے سڑک کے اس پار ان کے ملازموں کے کوارٹرس ہیں۔ یہ کمپنیاں ٹرامبے کی جانب ہیں۔

مما چیمبور اسٹیشن کے قریب ڈائمنڈ گارڈن پوسٹ آفس میں اسٹامپ وینڈر ہیں۔ ڈائمنڈ گارڈن وہی پارک ہے، جہاں بچوں کے کھیلنے کے لیے سیمینٹ کی بڑی سی پلین بنی ہوئی ہے۔ اسی گارڈن کے قریب ایک ہائی کلاس سوسائٹی کے آنگن میں یہ پوسٹ آفس ہے۔ مما پر ریونیو اسٹامپ پوسٹ کارڈ اور دیگر چیزیں بیچنے کی ذمہ داری ہے۔ وہ 'کسان وکاس پتر' کا کام بھی دیکھتی ہیں۔ لوگوں کو نئی اسکیمیں بتاتی ہیں۔ ڈیڈی کی سیلری سے انھوں نے 'کسان وکاس پتر' بنایا۔ وہ بھی طلاق کے بعد!

مگر وہ حادثہ..اُف...!

☆ پام بیچ روڈ

میں پام بیچ کے روڈ کے پُل پر بائیک سے گذر رہا تھا کہ مہک کا مسڈ کال آیا۔ بائیک فٹ پاتھ پر رکا کر میں نے اسے کال کیا۔ دیکھا، دو لڑکے مجھے اشارے سے بلا رہے تھے۔ چوبیس پچیس سال کے ہوں گے۔ بہت پیے ہوئے تھے۔ مجھے لگا کہ راستہ پوچھنا ہے۔

''موبائیل دو۔''

''لاڈ میں آیا ہے کیا؟''

''چل بے! دے رہا ہے کہ نہیں؟''

''فری میں آیا ہے کیا؟''، ایک نے میرا ہاتھ پکڑ کر کھینچا، میں نے دوسرے ہاتھ سے اس کا ہاتھ پکڑا اور زور سے جھٹکا۔ دوسرے نے بیلٹ نکالا اور اس میں لگے لوہے کے بکل سے کس کر میرے سر پر مارا۔ میں چکرا کر گر پڑا۔ دو تین سکینڈ کے لیے آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا آ گیا۔ لگا، کچھ ہوا ہے! فوراً اٹھ کر بائیک کے پاس آیا۔ دونوں پیچھے آئے۔ میں نے بائیک کی چابی نکال لی اور جھک کر ہاتھ بھر کا پتھر اٹھایا اور کس کر مارا۔ دونوں بھاگے۔ میں راستے کے بیچ دوڑا اور ہاتھ دکھایا۔ کچھ موٹر سائیکل والوں نے گاڑیاں رکائیں۔ مجھے ہوش تھا مگر چکر آ رہے تھے۔

''سیدھے اسپتال جانے کا'' ایک بائیکر بولا۔

''آؤں کیا؟'' دوسرا بائیکر بولا۔

''نہیں چلا جاؤں گا!''، مگر انھوں نے ہی پاس کے 'شُشرُ شا اسپتال' پہنچا دیا۔ چل ہی نہیں پا رہا تھا۔ کمپنی کا انشورنش تھا، شاید اس لیے سیدھا آئی سی یو میں پہنچا دیا گیا۔ پانچ ٹانکے لگے۔ تیس ہزار روپے خرچ آیا۔ ایک ہفتہ رکھا۔ پچپن روپے کی ایک ایک گولی اور پانچ پانچ سو کے انجکشن لگائے گئے۔ 'لیبڈ وُ' نے پیسے ادا بھی یے، جب کہ وہ چھٹی کا دن تھا۔ وہیں اسپتال میں مہک رو رہی تھی۔

...اور اب ایسی مہک کو زندگی سے نکالنے کی کوشش!

مہک کو زندگی سے نکالنے کی کوشش

جون کا مہینہ تھا۔ مہک کو زندگی سے نکالنے کی کوشش کر رہا تھا!

''کیوں نہ نکالوں؟'' ضد آئی! ''اپنا کچھ فیوچر نہیں ہے!'' آخر یہی تو وہ کہتی ہے۔

''مما اور ڈیڈی سے بات کر کے تو دیکھو۔'' کتنی بار کہا مگر جواب ایک ہی ملا،

''نہیں!''

''نہیں تو جانے دو!...... مجھے تو فری کرو!''

''نہیں! تمھارے جیسا انسان میری زندگی سے نہیں جانا چاہیے۔ تم مجھے بھی تو مینٹل سپورٹ دیتے ہو!''

''میں تو لڑتا رہتا ہوں، پورا وقت!''

''شاید تمہیں 'چناب' بھگت تارا چند۔ شکارا جیسے ہوٹلوں میں کھانے اور گھمانے کے لیے ڈرائیور کم اسپانسر چاہیے!''

☆ نئی ڈائری

ڈائری کھولی۔ آخری صفحے پر لکھنے کو جی نہ چاہا۔ دِل بھرا ہوا جو تھا۔

میں دوڑ کر اسٹیشنری کی دوکان سے نئی ڈائری خرید لایا۔ لکھا....

ایک کامیاب انسان بننے کے لیے کیا کرنا پڑتا ہے۔ میں زیادہ تو نہیں جانتا مگر سمجھتا ہوں، وقت کی پابندی اور کڑی محنت بڑے اہم عنصر ہیں۔ اس کے علاوہ بھی کئی چیزیں ہوں گی جو ضروری ہوں گی! اِس وقت مجھے لگتا ہے کہ مجھے خود کو جانچنا چاہیے۔ اپنا محاسبہ آپ کرنا چاہئے کہ کون کون سی باتوں میں پچھڑا ہوا ہوں۔ اب میں اپنا احتساب کر رہا ہوں۔ (۱) وقت کی پابندی (۲) پیش قدمی یعنی کسی بھی چیز میں آگے بڑھ کر کام کرنا (۳) استحکام اور وضعداری (۴) وقت کی پابندی، ان سب پر مجھے کام کرنا چاہئے۔ اصلاح کرنا چاہتا ہوں۔ کبھی کبھی مجھے لگتا ہے کہ میں بہت جلدی ہار ماننے والوں میں سے ہوں...... ہار مان لینے والا، کسی کے یا کسی حالت کے سامنے، کاہلی کے سامنے۔ کاہلی اور بے فکری کے سامنے۔، جانتا ہوں کہ کسی مقصد کو حاصل کرنے کے لیے کچھ اُصول اپنانے ہوں گے۔ مجھ میں سچائی ہے، ایمان داری ہے۔ مجھے لائحہ عمل بنانے ہوں گے۔ میری شخصیت سے میری چھپی ہوئی طاقت دکھائی دینی چاہیے۔ قوتِ ارادی زندگی کی جنگ لڑنے کے لیے سب سے اہم ہتھیار ہے۔ جیسے جوان لڑکے اپنے پٹھوں کو شیپ دیتے ہیں، اپنی جسمانی طاقت دکھانے کو، ویسے ہی مجھے اپنی قوتِ ارادی کو شیپ دینا ہوگا! ''چلو جیتو!''، اب وقت آ گیا ہے کہ میں اب اپنے آپ سے کہوں کہ مجھے یہ کرنا ہے اور اب اس کی شروعات ہو چکی ہے۔

''اور اس کے بعد اب تجھے کوئی رحم نہیں ملے گا!''، میں اپنے آپ کو سمجھاتا ہوں، ''میرے راستے میں جو بھی آئے گا، سہن نہیں کروں گا! اور پہلے وار کا سامنا بھی میں ہی

کروں گا۔ اُسے کوئی رعایت نہیں ملے گی.... اور میں جب اس مہم کو شروع کروں گا تب دنیا دیکھتی رہ جائے گی اور لوگ دیکھیں گے۔ میری سوچ، زبان اور عمل، جس کو بنانے کے لیے وہی لوگ ذمہ دار ہیں... اور اس کے بعد وہ بھی پیچھے مڑ کر نہیں دیکھے گا۔ واپس نہیں لوٹے گا۔ آگے بڑھے گا۔ جو بھی نتیجہ ہو، جو بھی سامنے آئے اسے اس کی خود اعتمادی کچل دے گی اور آخر میں وہ ساحل کی طرف چل پڑے گا۔ اس کے بعد جو بھی سامنے آئے گا، وہ ویسا ہی ہوگا.......... جیسا وہ چاہے گا، آخر تک۔ ناممکن، ممکن ہوگا۔ بہت سے معجزے انہونیاں ہونگی، یہ مہم مجھے 'ماں قدرت' نے دی ہے اور وہ اس کو پورا کر کے رہے گی۔ پورا ہونے تک... آخر تک... مارچ اور سفر کرے گا۔ زندگی میں جو بھی ہونے والا ہے وہ پہلے سے سوچا ہوا ہے۔ اگر ایسا ہے تب بھی میرے ذہن کے میدانِ جنگ میں ہے۔ یہ مدر نیچر کی مہم ہے !

مشکلوں سے نبرد آزما ہونے کے لیے ایک بہت سیدھی سادی فلاسفی ہے، ''جینے کے لیے لڑو!''

کسی کو بدلنے کے لیے اپنے کو بھی بدلنا پڑتا ہے۔ اگر میں بدلتا ہوں تو سب بدل جاتے ہیں۔ تو میں اپنی ایک چیز مدر نیچر سے مانگتا ہوں، ''مجھے آزاد کرو پریشانیوں سے!''... ''خوشیاں تو ہیں نا تیرے پاس!''، مدر نیچر نے آنکھیں جھپکائیں۔

''ہیں تو... مگر لمحاتی...''

☆ کاشِد بیچ

جیسے ملاّ کی دوڑ مسجد تک، کی کہاوت ہے، ویسے ہی ممبئی سے کال سینٹروں والوں کی دوڑ کاشد تک کی ہوتی ہے۔ Google.com میں دیکھا تھا، سنا ہے، پورے مہاراشٹر میں سفید ریت والے دو ساحل ہیں۔ ایک کاشد اور دوسرا شری وردھن کے پاس کا.... کاشد بیچ کم سے کم تین کلومیٹر تک پھیلا ہوا ہے۔ مروڈ جنجیرا اور علی باغ کے درمیان دونوں طرف سے تیس پینتیس کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ ہم نے وہاں پہنچتے ہی روم بک کروالیا۔ رہنے

کے لیے تیرہ سو روپے دن کے خرچ ہونے تھے۔ ناشتہ اور کھانا ملا کر دس لوگوں کی ٹولی کا دو ہزار سے زیادہ خرچ نہیں ہونا تھا۔ یہ ایک رو ہاؤس تھا۔ نیچے ایک بڑا سا ہال کچن اور اوپر دو کمرے۔ کچھ لڑکیاں جن کا جی نہیں چاہا، سونے کے لیے اوپر چلی گئیں۔ سنیچر اتوار چھٹی کے دن تھے۔ اس لیے کمپنی کی پک اپ ڈراپ سوموگاڑی ایک ہزار خرچ میں ہمارے ساتھ تھی۔ سنیچر کی صبح پانچ بجے شفٹ ختم ہوتے ہی ہم نکل پڑے تھے۔

''اگر بائیک لے کر آؤ، تبھی آؤں گا!''

میں جانا نہیں چاہتا تھا، اسی لیے سوٗمو میں نہ جانے کا بہانہ کیا، لیکن میری بات پر شن تنو راضی ہوگیا۔ وہ خود بائیک پر میرے پیچھے بیٹھا۔

کمرے میں سامان پھینکا اور سبھی سیدھے بیچ پر چلے گئے۔ مستی ایسی تھی کہ کچھ یاد نہیں رہا۔ ایک دوسرے پر کیچڑ پھینکا، ریت میں گڈھا کر کے شن تنوٗ کو گاڑ ہی دیا، بس سر باہر تھا... اور تصویریں لیں۔ واٹر پولو کھیلا۔ شن تنو نے سب کو منع کیا، ''سمندر کے کناروں پر شراب اکثر حادثات کا سبب بن جاتی ہے۔'' مگر شوقین لڑکے شراب لے کر چلے تھے۔

میں سوچتا ہوں، لوگوں کے ساتھ دوری رکھنی چاہیے۔ آخر وہ آفس کا حصہ ہیں۔
لڑکیاں کم نہیں پیتیں۔ نوشین کے سوا سب پیتی ہیں۔ نوشین کی بڑی بہن بھی یہیں کام کرتی تھی۔ ماں بیوہ ہے۔ انھیں دونوں بہنوں کے دم پر گھر چلتا رہا۔

''دیکھا، نہیں پیا نا! She is giving attitude''، اسے دیکھ کر دوسرے ناراض تھے، ''ہم چاہتے ہیں، جو کوئی ٹیم آؤٹنگ پر آئے، ہمارے حساب سے رہے۔''

آخر نوشین نے بھی ایک دو سِپ لے ہی لیے تھے۔

''میں نے کبھی اتنا کڑوا نہیں پیا تھا۔'' وہ دھیرے دھیرے بڑبڑا رہی تھی، ''مگر جس کو اپنی حد میں رہنا ہے، وہ رہ ہی سکتا ہے، ورنہ......!''، مجھے برا لگا ہے۔ اِتنی اچھی لڑکی اور شراب!

''صحیح کہہ رہے ہو!'' وہ اپنے گھنگھرالے بالوں والا سر ہلاتی ہے۔
''تو مت پیو!''، میں ایک بھی سکینڈ ضائع کیے بغیر کہتا ہوں۔

''آگے سے نہیں پیوں گی!''، کہہ کر وہ ہلکی ہوئی سی لگتی ہے۔

بیچ سے لوٹے۔ سب ٹیبل لگا کر بیٹھ گئے۔ ابھی کھانے کا وقت نہیں ہوا تھا۔ ڈرنکس لینے لگے۔

''ابے شن تنو! تُو تو گھٹیا انسان ہے! میری چھٹیاں پاس نہیں کرتا!'' پیتے ہی اصلی رنگ دکھائی دینے لگا۔ اناپ شناپ بکنے کی جیسے ریس لگی تھی۔

''تونے میرا ایوایل ڈبلیو پی مارک کیا، سالے!''

میں اس بحث کا مزہ لے رہا تھا۔ اگلے کچھ منٹوں میں ایسا حال تھا، جیسے وہ بے ہوشی میں باتیں کر رہے ہوں۔ گالیاں ہی گالیاں تھیں، باتیں کچھ نہیں۔ شن تنو ٹیم لیڈر تھا اور شراب لانے کی ذمہ داری اسی پر ڈالی گئی تھی۔ وائن شاپ سے تو خرید نہیں پایا مگر راستے میں ایک ڈھابے سے وہسکی، ووڈکا، بیئر اور رَم ضرور خرید لی تھی۔

''شن تنو رَم کا دیوانہ ہے۔ اس کے ''اورکٹ' کے پروفائل میں جائیں تو شراب میں ڈوبی ہوئی تصویریں ملیں گی۔ ایک فوٹو میں ہر سائز کی دس بارہ شراب کی بوتلیں قطار میں رکھی ہوئی اور ان کے پیچھے یہ اپنے دوستوں کے ساتھ ہاتھوں میں جام اٹھائے کھڑا دکھائی دیتا ہے!''، کوئی کمینٹ کرتا ہے اور عزیز نازاں کی قوالی 'جھوم برابر جھوم شرابی' لہک لہک کر گانے لگتا ہے۔ کچھ لوگ تالی بجا کر تال دیتے ہیں۔

''سچ پوچھیے تو شراب کو چھوڑ کر یہاں کوئی دوسرا مزہ نہیں۔ لگتا ہے ٹیم آؤٹنگ شراب کے لیے ہی ہوتی ہے۔

☆ ہڑتال

پیر کی صبح ہم جلدی گھر پہنچے۔ ایس ایم ایس دیکھ کر میں مسکرایا اور گھر سے نکلا۔ پٹرول کے دام بڑھنے سے ٹرانسپورٹروں نے ہڑتال کر رکھی تھی۔

ایسی ہڑتال میں مجھے مزہ آتا ہے۔ ٹرافک کی پریشانی کم ہوتی ہے۔ واشی گھومنا، وہاں کے 'سینٹرون' مال میں شاپنگ کرنا، دوستوں سے ملنے جانا۔.......... بڑا مزہ آتا

ہے۔ ورنہ کلمبولی اور کھار گھر میں سڑک پر گاڑی چلانا پریشان کن ہوتا ہے۔ میں تو اس سے بچنے کے لیے دوسرا راستہ لیتا ہوں۔ 'کھاندیشور' اسٹیشن سے سیدھے پُل سے پام بیچ روڈ میں نکل جاتا ہوں۔ 'مان سرور' اسٹیشن کے راستے میں ٹریفک کم ہے۔ تھوڑا سا کچا راستہ ضرور ملتا ہے......... بس پانچ دس منٹ سنبھل کر گاڑی چلانا پڑتا ہے۔

☆ لاء کے دوسرے سال کا رزلٹ

آج 'بی ایل ایل بی' یعنی لاء کے دوسرے سال کا رزلٹ آیا ہے۔ پہلے سال کے 'اے ٹی کے ٹی' چھوٹ گئے۔ دوسرے سال کے لاجک اور دو مضمون رہ گئے۔ تیسرے سال میں داخلہ نہیں ملا کیوں کہ دوسرے سال میں چار مضمونوں میں فیل تھا۔ پڑھائی ایک سال آگے بڑھ گئی۔ ذاتی اور پیشہ وارانہ زندگی کے حالات کی وجہ سے فوکس نہیں کر پایا۔ سوچ رہی تھی کہ ''مجھ سے کسی کی کیا امیدیں ہوں گی!''، کبھی لگتا، ''ہار گیا۔''، مگر چھوڑ نہیں سکتا، کیوں کہ میں منتخب کیا ہوا ہوں.

..''اومدر نیچر!''

''مجھے پتہ ہے کہ آخر میں تو جیت جائے گا!''، مدر نیچر ابھی ابھی کہہ گئی ہے۔

☆ پیسے کیسے بچیں!

مما اور ڈیڈ نے کبھی آمدنی اور خرچ نہیں بتایا تھا۔ ان کے پیسوں کے معاملے راز میں رہتے!

''بچت کرو!''

''انویسٹ کرو۔'' .... کبھی نہیں کہا۔ نہ انھوں نے سکھایا نہ میری ہی سمجھ میں آیا، کیسے کروں؟ کال سینٹر میں کافی پیسے ملتے۔ باہر کا کھانا، دن کا دو پانچ سو روپے کا پٹرول، موبائل......... بچے ہوئے پیسے ایسے ہی نکل جاتے... پیسے بچیں تو کیسے!

تجزیہ کر رہا ہوں کہ کیا غلط ہو رہا ہے...... ! پیسہ اہم ہے، اگر میرے پاس بہت

ہے تو اس مطلبی دنیا میں آدھی جنگ جیت چکا۔ اندازہ لگا لینا چاہیے کہ ایسا کروں گا، تو یہ ہوگا۔ اس لیے جنگ.......... اپنے آپ سے جنگ...... خرچ، سگریٹ، باہر کھانا، اِدھر اُدھر بھٹکنا..........

خرچ کا ریکارڈ دیکھنے لگا۔ کسی نے کہا ہے، 'شروعات ہمیشہ آج سے ہونی چاہیے۔' مہینہ پورا ہوا پھر بھی لکھ رہا ہوں۔

سات سو پچانوے روپے جوتے پر خرچ کیے۔ لگا، پیسہ ضایع ہوا۔

تنخواہ نو ہزار پانچ سو تھی۔

اور جون میں دو ہزار پانچ سو ویسٹ کیا۔

سیلری	۹۵۰۰
شوز	۷۹۵
پٹرول اندازاً	۵۰۰
کھانا اندازاً	۱۰۰۰
مہک	۵۰۰
سونے کی انگوٹھی	۷۰۰

اب اس کے بعد موٹر سائیکل کی قسطیں اور انشیورنش پریمیم بھی کٹے گا اور پندرہ دن ہونے سے پہلے پیسے ختم ہو جائیں گے، یہ بے وقوفی نہیں ہے کیا؟

''ہاں ہے! لعنت ہے مجھ پر! میں اس مشن کو پورا نہیں کر سکتا''، میں بڑبڑاتا ہوں۔

''رُکو! کامیاب کرنا مشن!''، مدر نیچر بولیں۔

''فیصلہ کیا کہ پیسے بچاؤں گا۔ نہیں ہوا!''

''نو مائی چائلڈ! تم کر سکتے ہو!''

میں نے نیلی سیاہی سے ڈائری عنوان لکھ دیا: ''اگلے مہینے کی پلاننگ''

خوشی ساحل کے پاس

خوشی اس وقت سب سے زیادہ ملتی ہے، جب ساحل کے پاس جاتا ہوں۔ ہمیشہ

اس سے ملنے کو بے تاب رہتا ہوں، کچھ ایسا ہی وہ بھی ہے۔

''کیا کر رہا ہے؟ فری ہے کیا؟''

مصروف ہو تب بھی بلا لیتا ہوں۔ ہم کچھ خاص نہیں کرتے۔ بس ایک دوسرے کے ساتھ رہتے ہیں۔ ادھر ادھر کی باتیں کرتے ہیں۔ ایک دوسرے کو سمجھتے ہیں۔

''ارے یار، سب الٹا پلٹا ہو گیا!'' ساحل کی شادی ہونے والی تھی، وہ پریشان تھا، ''تیری ہونی چاہیے تھی اور مجھے اکیلا رہنا چاہیے تھا، کیوں کہ تو بہت سوچتا ہے، اکیلا رہتا ہے۔ مجھے فکر رہتی ہے۔............اب تو کر لے یار!''

''کیوں؟ ڈگری تو کر لینے دے یار!''

''تین سال اگر لاء کرے گا، ڈگری آنے تک ستائیس کا تو ہو ہی جائے گا۔ کچھ نہ کچھ کیریئر پر اثر ہوگا ہی!'' پھر ساحل میرے کیریئر کے بارے میں فکر مند ہو جاتا ہے۔

''اسکوپ زیادہ نئی عمر والوں کو ہی ہے!''، مجھے بھی فکر ہوتی ہے۔

''لیکن تمھارے پاس تجربہ ہے!''

''کون شمار کرے گا یہ تجربہ؟ پتہ نہیں! کال سینٹر کے فون لینے کی نائٹ ڈیوٹی کا تجربہ بھی کوئی تجربہ ہے؟''، میں ہنستا ہوں۔

''تیس سال کی عمر تک تو نوجوان ہی کہلاتے ہوں گے۔'' ساحل امید بندھواتا ہے۔

☆ اناپ شناپ

دوستوں کے ساتھ نہیں رہتا تو اناپ شناپ خیال آتے۔ اکیلا بیٹھا ہوں تو جو چیزیں مطلب نہیں رکھتیں، ان کے بارے میں بھی سوچنا شروع کر دیتا۔ سی بی ڈی میں ایک 'بالو چاچا' ہیں، پان، بیڑی کی ٹپری والے۔ کبھی یہ ٹپری ہم دوستوں کا اڈہ ہوا کرتی تھی۔............آج بالو چاچا کے پاس اکیلا بیٹھا تھا۔ دوستوں کی باتیں کرتا رہا............

''کیسے چل رہا ہے؟''

''......کیا کر رہا ہے؟''

''اپنے جاب کے بارے میں بتا۔'' اُن دنوں میں بس شروع ہی کیا تھا کہ ایک آدمی وہاں آیا............ بایاں ہاتھ کندھے سے کٹا ہوا، سگریٹ لینے آیا تھا۔ پتہ نہیں کب میں خود کو اس کی جگہ رکھ کر سوچنے لگا،

''کیسے ہوگا؟ روزمرہ زندگی کیسے جینی ہوگی؟''، شاید اکیلا رہتا ہوں اس لیے بے تکی باتیں ذہن میں آجاتی ہیں۔ حد سے زیادہ سوچنے لگتا ہوں۔

''ایسا ہوتا تو میں کیا کرتا!''، میں اُس سے کہتا ہوں۔

''یعنی اس بات کے بارے میں اتنا سوچنے کی ضرورت تو نہیں تھی!''، بالو چاچا نے کہا، ''اتنا جذباتی!!!''، وہ ہنستا ہے، ''پھر تو غصہ بھی بہت آتا ہوگا؟''

''کبھی بائیک ٹرافک میں پھنس گئی تو............ غصہ آتا ہے۔''، میں اب اپنے آپ کو بچانے لگتا ہوں، ''کیسا ہوگا، اگر سب کو تمیز سکھائی جائے! کوئی صحیح سمت دِشا نہیں۔''

''ایسا تو بہت بار ہوتا ہوگا! کوئی ساتھ نہ ہو تو خیال چلتا ہی جاتا ہے!''، وہ بولا۔

''ہاں...... اکثر ہوتا ہے۔ آفس جانے کے لیے تیار ہوتا ہوں، سوچ چلتی رہتی ہے....''

''کب پہنچوں! کب کام کروں!''

''ہاں۔ ٹرافک میں دماغ بھٹکنے لگتا ہے۔ بائیک پر میوزک لگا کر، بلیوٹوتھ سے ہیڈسیٹ کے ذریعے اپنے آپ کو جوڑ لیتا ہوں۔ آفس پہنچتے پہنچتے کام سے ذہن ہٹ جاتا ہے۔ ذہن اتنی جگہ بکھر جاتا ہے کہ آفس پہنچ کر سوچنا پڑتا ہے، 'کیا کرنا ہے؟'، 'کیسے کرنا ہے؟' ...اُلجھ جاتا۔

ذہنی تناؤ جکڑ لیتا ہے، 'ارے یار! یہ پلاننگ کی تھی...... کہ ایسے کرنا تھا...... کسی کمپنی کا سرٹیفکیٹ آف انشورنش بنانا ہے، مگر پہنچا تو یاد نہیں، کس کا کرنا ہے!

''ارے وِتیش! اِس کا سی او آئی کرنا تھا۔ کیوں نہیں کیا؟ اُن کا آج فون آیا تھا۔ آج تو اُن کو دینا تھا نا!''، باس کہتا ہے۔ اِن فضول چیزوں کی وجہ سے نقصان ہوتا ہے۔ لگتا ہے کہ ہر قدم پر گمراہ ہو جاتا ہوں۔ جہاں سے شروع کیا تھا وہیں سے پھر سے شروع کرتا ہوں۔''

''تم بھی یار اِتنی جوانی میں... کبھی کبھی...!'' بالو چاچا ہنس رہا تھا۔

☆ لیگل اسسٹنٹ

دو برسوں سے 'ایبڈو' میں کام کر رہا ہوں۔ کال سینٹر میں کام کرنے کا مجھے کُل تین سال تجربہ ہو گیا ہے۔ اچھے نہ لگنے والے ماحول، منجمد سوچوں، غیر صحتمند مقابلوں، آگے بڑھنے کے لیے مکھن بازی اور آگے بڑھنے والے کی ٹانگ کھینچنا۔ جوان لوگوں جیسے بات نہ کرے، برتاؤ نہ کرے اس کے لئے یہی تو کہا جاتا ہے،

''Attitude دکھاتا ہے۔''

''پاگل ہے۔''

''لاگ ان کر کے کام شروع کرنے سے لوٹنے تک کہیں رکتا نہیں ہے۔ بریک میں بات نہیں کرتا۔''

جب تک اپنوں کا گروپ تھا، ٹھیک تھا۔ اگلے سال سب نکل گئے۔ میں اور روزی بچے تھے۔ روزی اچھی تھی۔ ''چل بور مت ہو............جن کے ساتھ کام کرتے ہیں، فرینڈ شپ تو کرنی ہی پڑتی ہے۔''، روزی سمجھاتی ہی رہتی۔ اس کی میری بڑی گہری دوستی تھی۔ میں بہت پُر سکون رہتا تھا اس کے ساتھ سے۔ اِن دِنوں روزی چھٹی پر ہے۔ پھر اکیلا پڑ گیا ہوں۔ گندے لوگوں کو محسوس کرتا ہوں۔ کچھ اچھا نہیں لگتا۔ کال سینٹر کے تین سال میں پیسے بہت کمائے، پیسے بہت اڑائے، بائیک پر گھوما، نئے کپڑے خریدے، لیکن لاء کے تین سال بھی گنوائے۔ آج کل بہت احساس ہوتا ہے۔

''تم اپنا بیک گراؤنڈ دیکھو گے، ماں باپ کا نہیں۔''، مہک کہتی تھی۔ مہک پڑھائی میں کتنی بدھو تھی مگر آگے بڑھ گئی۔ میرے پاس صلاحیت ہے۔ پھر بھی نہیں بڑھا۔ جن کو ٹھیک سے انگلش بولنی اور پڑھنی نہیں آتی، انگلش میں پرچے لکھ کر فائنل میں پہنچ گئے ہیں۔ ABDO میں چھٹیاں نہیں ملتیں، میں پڑھ نہیں پاتا۔ سنیچر کی صبح ڈیوٹی سے آ کر دن بھر سوتا ہوں۔ اتوار دوستوں کو دینا پڑتا ہے۔ قسطوں میں پاس ہو رہا ہوں۔ ایک بار میں ایک مضمون! یہاں رہوں گا تو پانچ سال کے کورس کو دس سال لگیں گے۔ تین سال لاء جوائن کیا

تھا، دس سے پہلے کیا پورا کر پاؤں گا۔ چلو دوسرا جاب، کوئی ڈے جاب ڈھونڈ لوں۔ مگر سیلری پانچ، سات ہزار سے زیادہ کیا ملے گی! ڈھونڈا، تب بھی آج کی پڑھائی کے حساب سے صرف بارہویں مکمل ہے،...... ادھوری پڑھائی تو گنی ہی نہیں جائے گی...... ویسی پوسٹ بھی نہیں ملے گی......... کیا کروں؟ پچھلے ایک سال سے سوچ رہا ہوں۔ مگر کال سینٹر سے نکل نہیں پاتا۔ میں divert ہونا نہیں چاہتا۔ دھیان ادھر ادھر جاتا ہے۔ بے کار ہے۔ کام پر اثر ہوتا ہے۔ کوشش کرتا ہوں، پرفارمینس نیچے نہ جائے! جتنے سال جاب کیا...... بہت نہیں سوچا کہ آمدنی کیا ہے۔ کام کے لیے کام کیا۔ اُس عمر میں کام کرنے کا موڈ نہیں تھا۔

'کام کا ٹینشن کیوں لوں؟ ٹائم پاس کروں، گھوموں پھروں، جیسے عام لڑکے کرتے ہیں۔' کبھی دِل اُڑ جاتا ہے، کام پر اثر پڑتا ہے، غلطیاں ہوتی ہیں۔

''ممبئی میں پیسہ ہوا میں اڑتا ہے، اسے پکڑنا آنا چاہیے۔''، ڈیڈ کہتے ہیں۔

اور میں نے ABDO کال سینٹر چھوڑ دیا۔

☆ ہرش روزی

پچھلے ایک سال میں میں نے کئی بار سوچا کہ کال سینٹر کا کام چھوڑ دوں۔ ہرش اور وِرون جب سے ABDO چھوڑ گئے، تب سے سوچ رہا تھا۔ ہرش نے انجینیرنگ پورا کرنے کے لیے چھوڑا تھا اور بعد میں انجینئرنگ بھی چھوڑ دی۔ اب ہرش کنسلٹنسی کا بزنس کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس کی ماں اس کا بہت خیال رکھتی ہے مگر اب وہ اپنے گھر میں نہیں رہتا۔ ممبئی کے مضافات میں ملاڈ میں اپنے دوستوں کے ساتھ رہتا تھا، کہتا ہے،

''ماں کے زیادہ آگے پیچھے رہنے سے جھنجھلاہٹ ہوتی ہے۔ premature baby جنما تھا نا!...''، وہ جواز پیش کرتا ہے۔

پچھلے دنوں اس کے باپ کا ہارٹ ٹرانسپلانٹ ہوا ہے! دس لاکھ روپے خرچ آئے، ان کی کمپنی نے کیا۔ اس کی ملیالم ماں بڑے پیار سے اس سے پوچھتی ہیں،

''جتیش نے کھانا کھایا کہ نہیں؟''

''دِجتیش کم سے کم چائے تو پیے گا؟''

''آنٹی کو یہ پسند ہے''

وہ اسم لگائے بغیر کوئی جملہ نہیں بول سکتیں یعنی ضمیر انہیں نہیں معلوم!

اِن دنوں ہرش میری پڑوسن روزی کے گھر پی کر پڑا رہتا ہے...... دن رات۔ جب کہ ان کے گھر میں روزی کی ماں اور اس کا دس سال کا بیٹا بھی ہے۔ جس کو وہ ہر چھ مہینے میں، چھٹیوں میں اس کے باپ کے پاس بھیج دیتی ہے۔ روزی کے پتی کا افیئر ہو گیا تھا۔ وہ ضد پر اڑا تھا کہ اسی سے شادی کروں گا۔ پہلے ان کا اتنا زبردست افیئر تھا کہ ماں باپ سے لڑ کر اس نے روزی سے شادی کی تھی۔ کہا تھا کہ اس کے بغیر رہ نہیں پاؤں گا لیکن اس کے شوہر نے پھر کسی کو پکڑ لیا۔ افیئر کر لیا۔ ولسا نے بہت ہاتھ پیر مارا، بہت جھگڑے کیے۔ کیس فائل کیا۔ آخر تھک ہار کر چھوڑ دیا۔

روزی کو دس سال لگے اس رشتے سے باہر آنے میں۔

دو تین سال تک ہرش روزی سے دوبارہ شادی کرنے کی بات کرتا رہا۔ مگر خود ہی، 'یہ ہونے کے بعد کروں گا'، 'وہ ہونے کے بعد کروں گا'، کہہ کہہ کر ٹالتا رہا۔ آخر دسمبر میں شادی کا فیصلہ کیا۔ روزی نے اپنا گھر نیا کر لیا لیکن ہرش کے ماں باپ راضی نہیں ہوئے۔ دونوں فیصلہ کرتے رہتے۔ روزی کا ابارشن دو مہینہ پہلے ہوا۔

''ممی تین تین دن تک غائب رہتی ہیں، آفس جاتی ہیں تو آتی نہیں!'' روزی کا بیٹا مجھ سے کہتا ہے۔ میں اسے سینے سے لگا لیتا ہوں۔

''روزی نے بہت کوشش کی تھی۔ چاہتی تھی کہ شادی بچ جائے۔''، روزی کی ماں کہتی ہے۔

''دوسری شادی کر لیتی تو اچھا ہوتا نا! اِس طرح لڑکوں کو لا لا کر پالنا ضروری نہیں تھا۔''، مما انھیں جواب دیتی ہیں۔

''وہ دونوں ٹیم آؤٹنگ کے لیے اوور نائٹ بھی جاتے ہیں۔''، روزی کی ماں کو یہ

سب اچھا نہیں لگتا۔

"کال سینٹر میں تو یہ کوئی ان ہونی نہیں۔" مما سب جانتی ہیں۔

"روزی کو اپنی ماں کا بھروسہ ہے، اس لیے بچے کو چھوڑ دیا۔" اُس کی ماں عجیب ڈھنگ سے مسکراتی ہیں۔

☆ نیلا مبری

"ہاں بول دے یار!" ساحل بولا۔

"چھوٹی ہے، بس موہ ہے! کسی دن اپنے آپ آکر مجھ سے بولے گی، 'مجھے کوئی اور پسند ہے'!!"، میں نے لڑکیوں والے انداز میں جواب دیا۔

"ضروری نہیں!"، ساحل نے جواب دیا۔

"ہاں۔ مگر اپنے تجربے سے کہتا ہوں۔... جیسے زاہدہ نے کیا تھا۔"

"جانتا ہوں۔"، ساحل کو سب پتہ تھا، پھر بھی میں یاد دلاتا ہوں، "یاد ہے کہ نہیں؟ سیدھے آکر راکھی باندھ دی تھی!"، میں زور زور سے ہنسنے لگا۔

"ہاں۔ یاد ہے۔... پھر؟"، ساحل کی آواز الجھن میں لگی، "میں نے سوچا، تیرے ساتھ رہے گی تو اسے ٹھیک سے ہینڈل کر پائے گا۔ اسے سنبھال بھی لے گا۔ مہک سے دور رہنے کا بہانہ بھی مل جائے گا۔"

"واشی ملنے آؤ۔" نیلامبری مجھے فون کر کے بلاتی، ہم سینٹ میری چرچ کے باہر سڑک کے کنارے بیٹھتے یا گھومتے۔

"کام ہے، جانا پڑے گا۔"، گھنٹہ آدھا گھنٹہ اس کے ساتھ گذار کر میں کہتا۔ نیلامبری چھوٹی ہے۔ کام کیا ہوتا ہے؟ پیسے کیسے کمائے جاتے ہیں؟ سمجھتی ہی نہیں۔ رات میں کام کرتا ہوں۔ صبح سونے کی ضرورت ہے، یہ بات سوچے گی نہیں...... یہ مجھے اچھی طرح پتہ ہے۔

''روز نہیں مل سکتا، جب ٹائم ملے گا تبھی مل سکتا ہوں۔''

''نہیں تو، میں ملنے آؤں گی۔'' وہ پچاس روپے کا آٹو کر کے واشی سے نیرول صرف مجھ سے ملنے کے لیے آتی ہے۔ دماغ خراب ہے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو over possessive ہے۔ اپنے قبضے سے باہر نکلنے دینا نہیں چاہتی ہو گی۔ ہے۔ نیلامبری میرے موبائل میں مہک کا ایس ایم ایس اور کال چیک کرتی ہے۔ ساحل سے پوچھتی رہتی ہے اور سب جانتی ہے۔

''آئی لو یو، جیتو!...صرف تمہاری نیلامبری'' مہک نے میرا موبائل لیا اور ایس ایم ایس زور سے پڑھا پھر پوچھا،

''یہ کیا ہے؟ کون ہے یہ نیلامبری؟''، وہ بھڑکی۔

''تم تو جانے والی ہو، تو ابھی نکل جاؤ!'' مجھے اس کے بھڑکنے پر چڑ آئی۔

''ہاں۔ ہاں۔ نکل جاؤں گی۔ لیکن یہ کون ہے؟ مجھے ملنا ہے۔'' مہک نے اس وقت کوئی سخت ردِّ عمل نہیں دیا۔

صبح کے سات بج رہے تھے۔ ڈیوٹی سے لوٹ کر میں سونے کی تیاری کر رہا تھا کہ نیرول، سی ووڈس کے گھر کے دروازے پر بیل بجی۔

''چل، باہر چلتے ہیں۔'' نیلے شلوار قمیض میں مہک بہار لگ رہی تھی۔

''اتنی صبح کہاں جانا ہے؟ نہ دوکان کھلے ہیں نہ کچھ..........''

''ایسے ہی بائیک پر گھومیں گے۔''

ہم واشی گئے۔ ساگر وِہار واشی کھاڑی کے کنارے گاڑی کھڑی کر کے پاس کے پارک میں پندرہ بیس منٹ بیٹھے۔ چائے پی۔ پھر ساحل کے گھر کچھ وقت گزارا۔

''نیلامبری بھی یہیں رہتی ہے، ہے نا۔ یہیں کہیں آس پاس؟'' مہک نے پوچھا۔

''وہ دیکھو، وہ گھر ہے۔''

''وہاں، جہاں بالکنی میں جھولا لگا ہوا ہے؟'' اُس نے صحیح پکڑا۔

وہ بیگ اٹھا کر چل دی۔

''کہاں جارہی ہو۔''

''اُس پاگل لڑکی کے گھر جارہی ہوں .... اُس کا بھوت اتارنے۔...... بہت بھوت چڑھا ہے نا اُس کے سر اور تیرے سر۔''

''اُس کے گھر جانے کی کیا ضرورت ہے......؟ تمھیں کیا فرق پڑنے والا ہے ......تم خود کہتی ہونا......؟'' میں ذرا چونکا۔

''ایسا کچھ نہیں۔ میں نے تمھارے لیے اتنا کچھ کیا ہے ......تم ایسا نہیں کرسکتے ......'' کہہ کر وہ سچ مچ چلی گئی۔

''تمھارا دماغ تو ٹھیک ہے؟''

''تیرا ٹھیک کرنا ہے۔''

''وہ بچی ہے...... اُسے کچھ نہ کہنا...... اُسے کچھ پتہ ہی نہیں۔'' میں اس کے پیچھے دوڑا مگر ......بس چلاتا رہ گیا۔

نیلامبری کی ماں چائے بنا رہی تھی۔ نیلامبری سامنے بیٹھی تھی۔ ''آپ کی بیٹی کو کچھ پرابلم ہے؟''، مہک بولی۔

اس کی ماں عجیب طرح سے ہمیں دیکھ رہی تھی، ''آپ کی بیٹی شاید پاگل ہوگئی ہے۔ اس کو سائیکیاٹرسٹ کے پاس لے جایئے۔ سُنا! دماغ کے ڈاکٹر کے پاس!...کیوں کہ یہ بولتی ہے کہ اس لڑکے کے پیار میں پاگل ہوگئی ہے۔...... پوچھیے اِس سے...... اِس لڑکے کے پیچھے پڑی ہے کہ نہیں؟؟؟''

میری سمجھ میں نہیں آیا، مہک کیا بول رہی تھی۔ ایک گناہ گار قیدی کی طرح مہک کے پیچھے کھڑا تھا۔...... اپنی سوچوں میں گم ہونے لگا تھا۔ جب ذرا ہوش سنبھلا، تو دیکھا کہ اب تک مہک چلا ہی رہی تھی،

''سمجھا کر رکھو، ورنہ اس کا بندوبست مجھے کرنا ہوگا۔'' نیلامبری کی ماں اسے دیکھ رہی تھی۔ نیلامبری ڈر گئی تھی، وہ مہک کو ڈھکیل رہی تھی۔

سوچا، بعد میں نیلامبری کی بینڈ بجے گی! میری غلطی یہ تھی کہ مہک سے دور جانے کے لیے میں نے ایسا ذریعہ ڈھونڈا۔ دوسرے راستے بھی تھے، حالاں کہ مشکل تھے ......جیسے اس سے دور ہو جانا، نہ ملنا۔ اپنے پر قابو رکھنے کی کوشش کرتا تو......۔

''آگے کچھ ہوا تو برا ہوگا۔'' مہک نیلامبری کی ماں سے کہہ رہی تھی۔ ''یہ میرا بوائے فرینڈ ہے۔'' میں نے محسوس کیا، نیلامبری دیکھ رہی تھی کہ میں گردن نیچی کیے کھڑا تھا۔ یہ حالات میری وجہ سے ہوئے تھے۔

''کچھ نہیں آنٹی جی! نیلامبری ابھی بچی ہے۔ She is too young. ابھی اس کی عمر نہیں۔'' میں نے کسی طرح کہا تھا۔

''کیوں؟ کیوں ایسے؟'' میرے دل نے مجھ سے سوال کیا۔

''راستہ کیا تھا؟'' میرا جواب تھا۔

''ایسے کیوں کیا اس نے؟'' مہک پر غصہ آیا......۔

''دو جھانپڑ لگاؤں؟'' دل نے کہا مگر نہیں کیا۔ نہیں کر سکتا۔ لڑکی ہے۔ بڑی مشکل سے میں نے خود پر قابو پایا۔

''تمھیں پتہ ہے کہ کتنا پرابلم ہوگا؟'' راستے بھر میں مہک کو لیکچر دیتا رہا اور وہ چپ رہی، ''تمھارے پاس یہ حق کہاں سے آیا؟...... میری زندگی میں مشکلیں پیدا کرنے کی کیا ضرورت ہے؟'' وہ پھر بھی چپ تھی۔

میرے گھر پہنچتے ہی وہ دروازے کی کڑی لگا کر گھر کا سامان اٹھا اٹھا کر مجھ پر مارنے لگی۔ کتابیں، شو پیس، لکڑیاں، پین کیس، کانچ کی بوتل، گلاس............ پھینک کر مار رہی تھی۔ پھر مجھے دس چانٹے لگائے۔ سب ہو جانے کے بعد میں نے کہا۔

''جتنا مارنا ہے، جو کرنا ہے، کرلو۔ اس کے بعد شکل مت دکھانا۔ من بھر جائے اتنا مار کر نکل جانا۔ پھر مت آنا۔'' میری بات ختم ہونے سے پہلے ہی وہ رونے لگی تھی۔ جذباتی طور پر مجھے اپنی طرف کھینچنے لگی۔ بولی،

''مجھے تمھاری ضرورت ہے، میں تم جیسا انسان کھونا نہیں چاہتی۔''، مجھے اس نے پھسلا لیا۔

''ٹھیک ہے کہ اگر تم چاہتی ہو تمھیں چھوڑ کر نہ جاؤں .... آگے سے نہیں ہوگا ایسا۔''

''شادی کروگی؟'' پوچھنا تھا...... مگر تصور میں ہی پوچھ سکا۔

''نیلامبری سے بات نہیں کروں گا!'' کہا۔

ایک ہفتہ کے بعد نیلامبری کا فون آیا،

''جو کچھ ہوا بھول جاؤ۔ میں سمجھاتی ہوں تمھارا پوائنٹ!... تم کوشش کر رہے ہو۔ تم اسے اپنی زندگی سے نکال لوگے۔'' نیلامبری کے کال آنے شروع ہوگئے۔

''مجھے ملنا ہے، آتے ہو؟...... ورنہ میں خود آ رہی ہوں گھر۔''

اسے میرا گھر پتہ تھا۔ دوبارہ وہ گھر آئی بھی تھی۔

''نو بجے تک ملنے آؤ!'' نیلامبری نے صبح ساڑھے آٹھ بجے فون کیا تھا۔

''نہیں، مجھے سونا ہے۔'' میں اونگھ رہا تھا۔

''آتی ہوں۔'' اس نے مجھے ان سنی کیا۔

''ایسا مت کرو۔ شام کو آفس بھی جانا ہے۔'' میں نے فون رکھ دیا۔

دو منٹ بعد ہی مہک کا فون آیا۔

''کیا کر رہے ہو؟؟ گھر آ جاؤں؟''

''آ جاؤ۔''

مہک سوا نو بجے گھر آئی۔ سوا دس بجے نیلامبری بھی آ گئی۔ میں ڈر گیا۔ پھر سے میری بینڈ بجے گی۔

''ہاں۔'' نیلامبری بولی، ''اب مجھے سمجھ میں آیا، مجھے کیوں نہیں آنا تھا۔''

جھگڑا، چیخ پکار... سوسائٹی میں ہنگامہ تھا۔

''تیرا ناٹک پھر شروع ہوگیا۔''، مہک کمر پر ہاتھ رکھے نیلا مبری پر چلا رہی تھی۔

میں کیا سوچتا ہوں۔ اس سے دونوں کو کچھ لینا دینا نہیں تھا۔ میں نے فیصلہ کیا، بہت ہوگیا۔ آدھے گھنٹے تک جھگڑا اور گالیاں چلتی رہیں۔

''تیری ماں نے سکھایا نہیں کیا؟ باپ کو بتایا نہیں کیا؟ اتنی چھوٹی، اتنے ناٹک کرتی ہے۔'' مہک کہہ رہی تھی۔

''مجھے پتہ ہے کہ تو اس کو بہت تکلیف دیتی ہے، اسی لیے یہ میرے پاس آیا..... دوستی کی۔...... تو اس کا پیچھا کیوں نہیں چھوڑتی؟'' نیلا مبری نے کہا۔

''تو اس کو جانتی ہے یا میں؟ تیری عمر ہی کیا ہے؟ میں اس سے تین سال بڑی ہوں۔ تجھے تو مکھی کی طرح اڑاتی ہوں۔''

سچ ہے مہک نے مجھے سپورٹ کیا تھا، میں ہر بار پھسل جاتا تھا۔ جس طرح بات کرتی ہے، لگتا ہے میری بھلائی کے لیے بولتی ہے۔

میری پریشانی میں وہ مجھے بتاتی تھی، ڈیڈی کے ساتھ کیسے سلوک کرنا ہے؟ مجھے سب یاد آ گیا۔ مگر موقعہ غلط تھا۔

''نکل جاؤ دونوں، نکل جاؤ۔'' میں نے دونوں کو بھگایا۔

اگلے دن رات کو وہ حادثہ ہوا، مہک کا مسڈ کال آیا۔ میں نے رک کر اس کو فون لگایا۔ دولڑکے سامنے سے آ رہے تھے۔ اشارہ کیا لگا پتہ پوچھ رہے ہیں۔

''فری میں آیا ہے کیا؟''، میں نے موبائل دینے سے انکار کیا۔

یہ پام بیچ کا قصہ ہے۔ ان کے بیلٹ کے بکل میں لوہے کا کچھ تھا! آنکھ کے قریب پیشانی پر مارا گیا تھا۔ میں بے ہوش ہوگیا۔ دوسرے ہی پل سنبھل کر کھڑا ہوگیا۔

اسپتال پہنچا، ''گھر سے کسی نہ کسی کو بلانا ہی پڑے گا۔ پولیس کیس ہے۔'' اسپتال والوں نے کہا۔ مما کو فون کر کے بلایا، نہیں بلانا چاہتا تھا۔

حادثے کے وقت میں مہک سے بات کر رہا تھا۔ فون چل رہا تھا۔ اس نے ساحل

سے کہہ دیا تھا۔

مہک میرے پاس بیٹھی تھی۔ اتنے میں نیلا مبری بھی ساحل کے ساتھ آ گئی! مما رات کو ہی آ گئی تھیں۔ ڈیڈی کو نہیں بتایا تھا۔ مہک کو وہاں دیکھ کر ساحل ڈر گیا۔ اسے سب پتہ تھا۔ نیچے جا کر بیٹھ گیا۔ دونوں لڑکیاں ایک دوسرے کو گھور رہی تھیں۔ صبح مما ڈیوٹی پر چلی گئیں۔

''یہ یہاں کیا کر رہی ہے؟'' مہک نے اسے دیکھتے ہوئے مجھ سے پوچھا۔

''......He loves me سچ، یہ مجھ سے پیار کرتا ہے۔ اس لیے یہاں ہوں۔ ...... تمھیں اس کی کیا ضرورت ہے؟ تمھارے لیے تو بہت سارے لوگ پڑے ہیں نا! وہاں جاؤ!'' نیلا مبری بھی میری طرف دیکھ کر مہک کو جواب دے رہی تھی۔

آئی سی یو میں بیڈ پر پاگلوں کی طرح بیٹھا ہوں۔ کیسا عجیب وقت ہے۔ ایسا کبھی زندگی میں نہیں ہوا اتنی مجبوری...... اتنا تذبذب...... کس سے کیا بولوں؟ میری پوزیشن کیا ہے؟ میں کیا چاہتا ہوں؟ ...... دونوں کو اس سے کچھ مطلب نہیں ...... چاہتا تھا، کوئی تو میرے ساتھ ہو۔ مہک کہتی، تو اسے اپنانے کو پوری طرح تیار تھا۔ مگر وہ ایک جانب سے بولتی ہے۔ فیصلہ کیا کہ نیلا مبری کی طرف سے کچھ نہیں کروں۔

مہک کو بھول سکتا ہوں، بھولنے کی کوشش کروں گا، اس امید کے ساتھ نیلا مبری آئی تھی، یہ بھی تو سچ ہے۔ جھگڑے کے درمیان ہی مہک میری طرف مڑی اور دھیرے دھیرے سمجھاتی گئی،

''تو غلط راستے سے جا رہا ہے۔ ...... اس لڑکی کی زندگی بھی برباد کر دی۔''

''نہیں بہت ہوا۔ آج تک جو ہوا غلط ہوا۔ میری وجہ سے اتنی تکلیفیں آئیں ...... میں نہیں چاہتا اور آئیں۔ مجھے معاف کرو۔'' میں نے نیلا مبری سے کہا۔ اسے بہت دکھ ہوا۔ میرے اس سلوک سے اس کی ذہنیت بدلی۔ آج کل وہ کہاں ہے؟ کس کے ساتھ ہے؟ پھر نہیں سوچا۔ جو جب ہوگا، سوچا جائے گا۔ واپس مہک کے پاس آ گیا۔ جس وجہ سے نیلا مبری کے پاس گیا تھا، اس کا کچھ نہیں ہوا۔ اس سے الجھنیں ہی پیدا ہوتی گئیں۔

اس کے بعد دھیرے دھیرے مہک سے قریب ہوتا گیا۔ زیادہ۔ زیادہ۔ زیادہ۔

"دیکھو، ایسا ہے۔ یہ نہیں ہو گا۔" مہک نے پھر بتایا، پرانی بات دہرائی۔

"میں پہلے ہی وعدہ کر چکی ہوں نلیش کو۔"

میں پوری طرح ٹوٹ گیا، دل نے کہا،

"کیا کر دیا۔ جس جال میں پھنسنا نہیں چاہتا تھا، پھر پھنس گیا، بہت ہو گیا باہر آجاؤ۔" میں نے اپنے آپ سے کہا۔ یہ چھ مہینے پہلے کی بات ہے۔

"ایک ڈیڑھ سال سے تمھیں سمجھانے منانے کی کوشش کرتا رہا۔ تمھارے ساتھ رہ کر اتنا کچھ پایا۔ تم رہو گی تو اور بہت کچھ حاصل کروں گا۔ تم مجھے راستہ دکھا سکتی ہو۔"

وہ ماننے کو تیار نہیں تھی۔

"جانے دو۔ دل میں سچ میں نہیں، تو کچھ نہیں کر سکتا۔ ایک حد تک سوچ پر قابو پا سکتا ہوں۔ مگر اُس کی نہیں۔ کبھی ہاں ہو ہی نہیں سکتا۔" میں نے مشکل سے خود کو سمجھایا۔ چھ مہینے کوشش کرتے کرتے ابھی دھندلا ہوا ہے۔

دو ہفتہ پہلے مہک نے کال کیا تھا۔

"کیا چل رہا ہے۔" ایک منٹ ہی بات ہوئی۔

"کچھ نہیں زندگی چل رہی ہے۔"

آج بھی جب فون کرتی ہے تو مسڈ کال دیتی ہے۔

مہک کو میں اب پلٹ کر فون نہیں کرتا۔

شاید نلیش کے ساتھ بھی وہ، ویسے ہی پیش آتی ہو گی .... سوچنا نہیں چاہتا۔ جب زندگی میں تھی، سوچتا تھا۔ .... کوشش کرتا ہوں نہ سوچنے کی۔ .... اس نے میرے لیے بہت کچھ کیا۔ "Thank you......" بول کر آگے نکل جاؤں! ...... دیر سے سمجھ میں آیا۔ ...... مگر آیا تو! ... یہ اچھی بات ہے۔

آج بھی کبھی کبھی لگتا ہے، مہک کو کال کروں ...... کیا فائدہ پانچ سالوں کا تجربہ

.........لمبا چوڑا پھر سے وہی دہرانا نہیں ہے...... نہیں چاہتا۔ وہ ملنے آتی تھی، خوش ہوتا تھا۔ زیادہ خوشی والے پل وہی تھے۔ وہ اپنے نظریے سے سمجھاتی۔ بڑی چالاک تھی۔ پلاننگ کتنی اچھی ہوتی تھی۔ آج اس کے برتاؤ کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہوں۔ اگر سوچتی کل ملنے آنا ہے، تو کل کے پورے پلان اچھی طرح سیٹ کر کے آتی کہ دن بھر کوئی کال نہ آئے۔

''آجاؤ''، میں روز بلاتا تھا۔

''آج نہیں۔ آج ممی کے ساتھ شاپنگ جانا ہے۔''

''کل؟''

''کل کھوپولی جوشی کاکا کے پاس جا رہی ہوں۔ کال نہیں کر پاؤں گی، تم بھی مت کرنا۔''، اندازہ نہیں کر سکتا، ایسے پلان کرتی تھی! ابھی کال کروں تو ضرور فون پر کسی سے بات کر رہی ہوگی۔ دس بار بھی فون کیا، بزی ہوگی۔ پہلے چلتا ہوا کال رکھ کر میرا فون اٹینڈ کرتی تھی۔ اب کتنا ہی فون کروں، جواب نہیں آتا۔

واٹس ایپ پر بھیجے میرے پیغام بھی شاید نہیں دیکھتی۔ ڈیڑھ مہینے سے یہ حالت ہے۔

☆ اٹریا مال shift to 116

مہالکشمی ریس کورس سے پہلے، ورلی نہرو سینٹر کے پڑوس میں موجود یہ مال بہت بڑا اور خوبصورت ہے۔ تین منزلے کی عمارت ہے۔ انڈر گراؤنڈ پارکنگ ہے۔ یہاں برانڈ نیمس بھی ہیں۔ پورا مال کانچ کی عمارت میں بند ہے اور باہر سے دلکش لگتا ہے۔ کانچ پر ان کی Benting car دکھائی دیتی ہے۔ اس میں دوسری منزل پر Giordone میں نکھل دادا کام کرتا ہے۔ جہاں اٹالین برانڈ کے بیگوں کا کلیکشن ہے، شاید۔

''چل تجھے Atria Mall میں کام پر لگا دیتا ہوں۔''، دادا نے کہا، ''ہاں بس ٹھیک ہے، تو وہیں لگ جا!''

میں سوچ کر پریشان ہوں۔ دادا نے بارہویں پاس کر کے ایک سال کا 'فوڈ اینڈ کُکری ڈپلوما' کیا ہے۔ چار سال ہو گئے۔ وہ سیٹ ہو گیا ہے۔ فلور مینیجر کی جگہ ہے۔ دس

ہزار سے زیادہ تنخواہ ہے۔ ہمارے یہاں ایجوکیشن سسٹم کا یہی حال ہے نا! کورس ایک کرتے ہیں، جاب دوسری ملتی ہے۔ بھائی کی بات سے میں خوش ہوگیا۔ نکھل کو اب میں دادا ایلا نے لگا تھا۔ دادا، دادر ممبئی کے 'سِدھی ونا یک مندر' جاتا رہتا ہے۔ مجھے بھی لے گیا۔ بغیر چپل پہنے تھا، لوگ دور دراز علاقوں سے یہاں اپنی منتیں پوری ہونے پر اسی طرح پیدل چلتے ہوئے آتے ہیں۔ چندہ بہت اکٹھا ہوتا ہے۔ دوبارہ وہاں گیا مگر فوٹو اتار نہیں سکا، منع ہے۔

کچھ ہی دن ہوئے میں نے دادا کے ساتھ دو تین مراٹھی ناٹک بھی دیکھے۔

اٹریا کی نوکری کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ بعد میں خیال آیا، مہالکشمی دور ہے۔ حساب لگایا کتنا وقت سفر میں گذرے گا؟ کتنا آفس میں؟ کتنا پڑھائی میں؟ کتنا سوؤں گا؟ نہیں پڑھائی کو وقت نہیں دے پاؤں گا۔ نہیں، میں وہ جاب نہیں کر پاؤں گا۔ domestic کال سینٹر میں لگ جاتا ہوں۔......... دیسی کال سینٹر جوائن کرنے سے کیا ہوگا! ....بس ترقی نہیں ہوگی۔ دن کا شفٹ نہیں کر پاؤں گا اور پیسے بھی کم ملیں گے۔ ڈھائی ہزار بائیک کی قسط میں جاتے ہیں، فون بل.........اور...

☆ سیلف مینیج مینٹ انسٹی ٹیوٹ

''ایک 'سیلف منیجمنٹ انسٹی ٹیوٹ' کا 'ممبئی مرر' میں اشتہار ہے۔''، مہک نے مجھے فون کیا تھا، ''تین سو روپے داخلہ فیس ہے۔ جس میں ڈیڑھ گھنٹے کا ایک سیمنار دیتے تھے۔''

''اور اگر فل کورس کرنا ہو تو؟''، مجھے یہ کورس اچھا لگا تھا۔

''فل کورس پندرہ دنوں کا ہے، چار ہزار کا۔''

سیمینار 'فادر ایگنل ملٹی پرپز اسکول' میں تھا۔ ہم صرف سیمنار کے لیے گئے۔ میں نے تین سو روپے بھرے۔ ہم نے اپنا تعارف کرایا۔ ہمارا mayers and briggs test کیا گیا۔ پورے ٹیسٹ کے بعد Personality کے بارے میں اندازہ کر کے تحریر کر دیا گیا۔ اس میں شخصیتوں کی چودہ قسمیں بتائی گئی ہیں۔ اُن کے حساب سے classify کر کے بتایا گیا کہ ہماری شخصیت کس زمرے میں آتی ہے۔ شخصیت کے وصف کو ہمارے

برتاؤ کے آدھار پر رکھا گیا تھا۔ وہ لوگ کیریئر کاؤنسیلنگ بھی کرتے ہیں۔

''لاء کے میدان میں ہی کیریئر بناؤ۔ یہ سمجھ لو، تم خود کاؤنسلر بن سکتے ہو''، یہ مجھے انھوں نے ایک آن لائن ٹیسٹ کے بعد بتایا کہ کس لائن میں جایا جا سکتا ہے۔

''آپ لوگوں کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔ رہنمائی کر سکتے ہیں۔''

اس کورس سے مجھے اپنی شخصیت سمجھنے میں تھوڑی بہت مدد ضرور ملی۔ سوچنے لگا کہ کیریئر پر زیادہ دھیان دوں۔ آفس میں کام کرنے کا طریقہ کیا ہوتا ہے؟ کام کو کتنا معنی دوں؟ سوچا، 'کام کو کم اور پڑھائی کو زیادہ اہمیت دوں۔'

''پڑھائی پر فوکس کروں گا۔ فادر اگنل ملٹی پرپز اسکول میں فیصلہ کر لیا کہ آج تک ایسا ہوتا تھا کہ کام کرتا تو اس کا ٹینشن ہوتا۔ اور پڑھائی کرتا تو اس کی پریشانی ہوتی۔ اب لگا جو کر رہا ہوں، صحیح ہے۔ پہلے افسوس ہوتا تھا کہ ڈیڈ نے لاء میں زبردستی داخل کروا دیا تھا۔ ایک ضد سی ہو چلی تھی۔ دل نہیں لگتا تھا۔ اب اپنے آپ سے کہنے لگا، ''اب لاء میں آ ہی گئے ہو تو پورا کرو! گھسٹنا بند کرو! آج کل زیادہ تر صبح چھ بجے گھر پہنچتا ہوں۔ آفس سے صبح گھر آتے ہی فریش ہو کر صبح آٹھ ساڑھے آٹھ بجے کالج جاتا ہوں۔ کلاس میں بیٹھتا ہوں۔ نوٹس لینے کے جھنجھٹ میں پڑا ہوں۔ کہیں سے نوٹس مل جائیں، اس کوشش میں ہوں۔ پرانے دوستوں کا ایل ایل بی ہو چکا ہے۔ بہت کم پہچان والے ہیں کہ جن سے نوٹس مل سکیں۔ دو تین پرانے دوست ہیں، جن کو ڈراپ لگا تھا۔ جو مجھ سے ایک سال آگے ہیں۔ ان سے نوٹس مانگ رہا ہوں۔ کام چلاؤ دوست ہیں۔ ان سے کوئی لگاؤ تو نہیں لیکن وہ کام تو آ جاتے ہیں... لیکن پورا سنیچر سونے میں اور اتوار گھومنے پھرنے میں جاتا ہے۔''

قانونی معاون کی ضرورت ہے
میں اپنی ڈائری میں لکھتا ہوں،
''آج میں نے پورا دن اپنی ماں کے ساتھ گزارا۔''
آج میں نے سوچا تھا کہ پورا دن اپنے پر لگاؤں گا مگر وہ پورا دن میرے ساتھ

تھیں۔ بہت زمانے کے بعد ہم نے اتنا وقت ساتھ گزارا۔ میں بہت حیرت میں ہوں کہ اتنا پُرسکون اور شانت کیسے تھا! جب کہ ماں کے ساتھ تھا۔ ٹھیک ہے، بہت سی چیزوں میں سمجھوتہ کرنا پڑا۔ معمول بدلنے پڑے۔ کھانا وقت پر کھانا پڑا۔ اچھی طرح سے پیٹ بھر کھایا، سب کچھ اچھا تھا۔ پُرسکون تھا، خوش بھی تھا...

"مگر سوال یہ ہے کہ سمجھوتہ کرنا پڑا۔ میں کیوں کروں سمجھوتے!"، میں نے عادتاً زور سے کہا۔ پھر ادھر ادھر دیکھا۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ میں نے گہری سانس لی۔

کبھی کبھی زندگی کے بارے میں سوچتا ہوں! حقیقت میں زندگی کیا ہے؟ یہاں تبدیلیاں ہیں، سمجھوتے ہیں۔ بہت سی چیزیں ہیں، پہچانی نہ جانے والی۔

تو اِن چیزوں کے بارے میں کیا کہا جائے؟ مجھے پتہ ہے، ہر چیز کا جواب پتہ ہے۔ پھر ہر بات میں پرابلم کیوں پیش آتی ہیں؟ آس پاس کے لوگ جانتے ہیں کہ میں خود اپنے بارے میں ذرا بھی پرواہ نہیں کرتا۔ اسی لیے وہ مدد کرنے نہیں آتے تو پھر مجھے کیوں ان لوگوں کے بارے میں سوچنا ہے! ان سے کیوں قریب ہوتا ہوں...... اِس چیز کا حل جاننا چاہتا ہوں۔

اس سے پہلے کہ میں یہ جنگ ہار جاؤں اور اس سے پہلے کہ کوئی مجھے بہت بڑا دھوکا دے دے اور میں شرم سے مر جاؤں...... اس چیز کا حل جاننا چاہتا ہوں۔

اب میری زندگی میں بہت کم لوگ رہ گئے ہیں۔ جنھیں میری پرواہو اور جو کھرے ہوں، سچے جذبات رکھنے والے۔

کبھی کبھی مجھے اپنی زندگی آوارہ کتے کی طرح لگتی ہے۔ حالاں کہ میرے پاس بہت خاص خوبیاں ہیں مگر لوگ اسے اپنے فائدے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ جب تک مجھے پتہ چلتا ہے، دیر ہو چکی ہوتی ہے۔

تبھی میرے لیپ ٹاپ پر ای میل آتا ہے، "قانونی معاون کی ضرورت ہے۔"

''یہ میرے لئے بڑی خوشی اور حیرت کی بات ہے۔ چلو کوشش کرتے ہیں۔ اپنے شعبے کا جاب ہے۔''، میں نے اپنے آپ سے کہا۔ اور سی وی جوڑ کر عرضی انٹرنیٹ سے کمپنی کو بھیج دی۔

کال آیا۔

کمپنی کے قاعدے قانون کا مسودہ کچھ دیر پڑھ کر ایک گھنٹے کا تحریری امتحان دیا۔ ٹھیک تھا۔ جتنا پتہ تھا، لکھ دیا۔ یہ جاب لاء گریجویٹ کے لیے ہوتی ہے۔ لوگ گریجویشن کے بعد تین سال ایل ایل بی کیے ہوئے ہوتے ہیں یا بارہویں کے بعد تین سال بی ایل ایس اور دو سال ایل ایل بی۔ یعنی بارہویں کے بعد لاء جوائن کرنے سے، ایل ایل بی کا ایک سال کم ہو جاتا ہے اور قانون کا گہرا علم بھی مل جاتا ہے۔ میرے کوائف میں سیکنڈ ائیر لکھا تھا۔ نوکری ملنی مشکل تھی۔

''لاء پڑھ رہا ہوں اور بی پی او میں بھی کام کر رہا ہوں۔''، میں نے انٹرویو میں انھیں یقین دلایا تھا، ''مجھے ساڑھے انیس ہزار ABDO میں ملتے ہیں۔ یہاں ساڑھے دس ہزار میں کام کرنے آیا ہوں کیوں کہ کال سینٹر کی زندگی سے، اُس ماحول سے اوب چکا ہوں، لوگوں کے بیچ پھنسا ہوا سا محسوس کرتا ہوں۔ کوئی فیوچر نظر نہیں آتا۔ فون کالس لیتے رہو، بکتے رہو، گردتھ کے لیے چاپلوسی کرتے رہو۔''، ایک لمحے کے وقفے کے بعد میں نے لہجے میں مزید نرمی لاتے ہوئے کہا، ''مجھے موقع دیجیے، میں یہاں پیسوں کے لیے نہیں آیا ہوں۔ سیلری سرٹیفکیٹ دیکھیے! بڑی سیلری چھوڑ کر آرہا ہوں۔ لاء کی پڑھائی پوری کرنا چاہتا ہوں، قابل ہونا چاہتا ہوں۔''، انٹرویو میں میں نے کہا۔

بس آفر لیٹر مل گیا۔

''ریزائن کر رہا ہوں۔'' میں نے ABDO پہنچتے ہی اپنے ٹیم لیڈر سے کہا۔

''ایک مہینے بعد لاء فرم میں ہوؤں گا!''، مما اور ڈیڈی کو فون پر بتایا۔ انھیں یقین نہیں آیا۔

☆ نانی اور مہابھارت

پنویل کے نئے گھر میں آنے کے بعد ایک دن جب گھر پہنچا تو دیکھا، نانی شام کو چار بجے پوتھی لے کر بیٹھتی ہیں۔ کبھی 'شریمد بھگوت گیتا' کبھی 'داس بودھ رامائن' یا 'بڑا سکھ ساگر' پڑھتی ہیں، روز ایک گھنٹہ باقاعدگی کے ساتھ۔

''شریمد بھگوت گیتا' بھگوان شری کرشن نے خود اپنے منھ سے کہی ہے۔ اسے بہت پوتر اور بڑا مانتے ہیں۔''، نانی کہتی ہیں۔

''میں مہابھارت پڑھوں گا، دوگی؟ گھر میں ہے؟''

''مہابھارت گھر میں رکھنے سے گھر میں لڑائی ہوتی ہے۔''

''بنا مہابھارت کے نہیں ہوتی کیا؟'' نانی سٹپٹاتی ہیں۔ مجھے گھور کر دیکھتی ہیں۔ میں شرارت سے مسکراتا ہوں۔

☆ وارکری نانی

پڑھنے کے لیے کتابیں دیتی ہیں۔ بھگوان کے بارے میں کچھ نہ کچھ کہتی رہتی ہیں۔

''سنت ایک ناتھ کہتے ہیں...........''

''وارکری کیسے رہتے ہیں پتہ ہے؟''

''شدھ......نام سمرن کا جاپ رہے......تو پنیہ ملتا ہے۔ سمسیا دور ہوتی ہیں۔''

''ماس مچھی مت کھایا کر۔''

''تو کونبڑی کھاتا ہے کیا؟''

''مرغی؟''، میں کچھ جواب نہیں دیتا۔ ویسے بھی اُن سے بہت کم بولتا ہوں۔ انھیں دیکھ کر نانا کی یاد آجاتی ہے اور اُن کی پرانی جہالت بھی۔

''..........تو مرتا کیوں نہیں۔ مجھے انوسویا کی طرح جینا ہے......'' نانا کے لیے کہے ان کے الفاظ کانوں میں گونجتے ہیں۔

وہ ریڈیو پر 'ابھنگ وانی سن تی' پروگرام سنتی ہیں۔ ہمارے گھر پنویل آتی ہیں، تب میں ان کے لیے کیسٹ کے دھارمک پروگرام لگا دیتا ہوں۔

☆ آجی اور دِنڈی

آجی یعنی نانی کا پریوار بڑا ہے۔ گیارہ بھائی بہن ہیں، چھ بہنیں، پانچ بھائی سب حیات ہیں۔ آجی کے پتا دادا کہلاتے تھے۔ لوگ ان کی عزت کرتے تھے۔ وارکری تھے۔ آشاڑھ اور کارتک مہینوں میں وارکری جھنڈ بنا کر پیدل چل کر پنڈھرپور یاترا کرتے ہیں۔ اسے دِنڈی کہتے ہیں۔ دنڈی میں وہ سب گیروے رنگ کی جھنڈیاں اٹھائے ہوئے جاتے۔ آج بھی ہر سال نانی اپنے بھائی، بہنوں کے ساتھ آشاڑھ کے مہینے میں وِٹھل رُکمائی یعنی کرشن رکمنی کے درشن کرنے جاتی ہیں۔ پندرہ دنوں تک پنڈھرپور کی جاترا رہتی ہے۔ وہ لوگ کبھی کبھی پالکی میں وٹھل کا فوٹو یا کھڑاؤں رکھ کر ''ہری وٹھل''، ''ہری وٹھل''، ''ہری وٹھل'' کا جاپ کرتے ہوئے جاتے۔ چلتے ہوئے ٹال بجاتے اور کیرتن کرتے ہوئے جاتے ہیں۔ کوئی مردنگ بجاتا ہے، کوئی اِکتارا اور کوئی وینا۔ اس طرح راستہ بغیر تھکن اور بوریت کے کٹ جاتا ہے۔ کچھ لوگ سر پر پینے کے پانی کی کلسیاں اور تلسی کا پودا بڑی عقیدت سے اٹھائے چلتے ہیں۔

مجھے لگتا ہے کہ ہر تیوہار میں ایک ہی پیٹرن ہوتا ہے۔ گھر میں 'گیانیشوری' پوتھی تھی، جو ہر روز پڑھی جاتی تھی۔ نانی کے گھر پر وارکری بابا کا پروچن یعنی ست سنگ رکھا جاتا۔ یا ابھنگ وانی سنائی جاتی۔ ہری نام سپتاہ میں سات دنوں میں پوری 'گیانیشوری' بڑا سریلا گا کر پڑھی جاتی۔ وارکری بابا اپنے ڈھنگ سے اسے سمجھاتے۔ تیوہاروں میں اکٹھا ہونا اور ساجھا تیوہار منانا، مل جل کر پیسے جمع کر کے اچھا کھانا بنانا، رواج تھا۔ جس کو جو دینا ہو، دیتا ہے، اُن دنوں نانی ایک دم دھرم میں ڈوب جاتی ہیں۔ ویسے بھی وہ بڑی دھارمک اور پرانے وچاروں والی ہیں۔

سماج میں کیسے رہنا ہے، آچار وچار کیسا ہو رام داس سوامی کی بیٹھک میں 'داس

بودھ' پڑھ کر سنایا جاتا ہے۔

ہمارے یہاں 'ابھنگ وانی' یعنی 'داس بودھ گرنتھ' سننے سنانے کا رواج بھی ہے۔ سنت رام داس شیواجی کے گرو تھے۔ ان کے 'مناچے شلوک' مجھے اب بھی کچھ کچھ یاد ہیں۔ بہت سیدھے سادے لفظوں میں گہرا فلسفہ بیان ہوا ہے۔

''مُنا بچنا تھور سانڈ وِنی یے تے''

سنت رام داس، شیواجی کو من پوتر رکھنے کا اپدیش دیتے تھے۔ اسکول میں بھی ہم چھوٹی کلاسوں سے 'مناچے شلوک' پڑھتے آئے ہیں۔ نانی اب مجھے دیکھتی ہیں، کہتی ہیں،

''سنت تکارام اس طرح کہتے ہیں....''

''سنت رام داس کہتے ہیں....'' نانی پر اُن کے میکے کا بہت اثر ہے۔ میکے کی بات کرتے تھکتی نہیں۔ اپنے پتا پر انھیں بڑا فخر ہے۔ شولا پور کے پاس جے اُر اور گر ڈواڑی کے درمیان ان کا گاؤں ہے۔

☆ جے جُوری

کئی بار اپنے کل دیوتا 'کھنڈوبا' کے درشن کے لیے ڈیڈی اور دوسروں کے ساتھ 'جے جوری' گیا ہوں۔ وہاں مندر کی سیکڑوں سیڑھیوں پر اپنی نو بیاہتا دلہن کو گود میں اٹھا کر چڑھتے ہوئے ایک دولہے کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ ایک اور دولہا سات سیڑھیاں ہی چڑھ پایا تھا۔ دولہن کو زمین پر لگ بھگ پٹکتے ہوئے کھڑا کر کے بولا، ''کس چکی کا آٹا کھاتی ہو؟'' لڑکی زور سے گھور رہی تھی۔ اس کی بڑی بڑی آنکھوں سے مجھے تو ڈر لگا۔ میں بالکل دھارمک نہیں، دھرم سے مجھے کوئی لگاؤ نہیں۔ اپنے آپ میں محو رہنے لگا ہوں۔

''تیرے ڈیڈ کا پریوار فالتو ہے۔ بیٹوں کی شادیوں کے بعد ان لوگوں میں بہوؤں کی وجہ سے تھوڑا بہت لحاظ آیا ہے۔'' نانی کہتی ہیں،

''نانی دماغ پکاتی ہیں۔'' میں مما سے کہتا ہوں۔ وہ مجھے گھور کر دیکھتی ہیں۔

بڑے چاچا کی پتنی مذہبی گھر سے آئی تھی، اسی لیے وہ دوسروں سے الگ تھیں۔
بچپن میں ہم نے نانی اور ماما کے منھ سے بہت سی کتھائیں سنیں۔ گیانیشور کا ''پسائے دان'' بھی سنا۔ کتھا سننے کا بھی ایک مزہ تھا۔
کچھ کچھ یاد ہے..اب ذہن سے بہت کچھ نکل چکا ہے۔لیکن بچپن کے ڈیڈی.....

☆ بچپن میں ڈیڈی

ہمارے بچپن میں ڈیڈ کافی ہنسی مذاق کیا کرتے تھے۔ایکدم سے ڈیڈی کی یاد آئی۔ بعد میں وہ اتنے سنجیدہ کیوں ہو گئے۔ شام کو وہ گھر پر رہتے، مام گھر آتیں۔ کھانا بناتیں۔ میں اور نکھل دادا اسکول سے اور ڈیڈ آفس سے لوٹتے۔ سب ساتھ رہتے۔
''ٹیبل پر چلو ریس لگاتے ہیں۔ دیکھتے ہیں کون فٹافٹ اور کتنا کھاتا ہے۔''
ہمارا ڈائننگ ٹیبل کچن میں ہی تھا۔ مما روٹی بناتی جاتیں اور ہم کھاتے جاتے۔ وہ اور تیزی سے بناتیں، ہم اور تیزی سے کھاتے جاتے۔ مما اور ہمارے بیچ مقابلہ ہوتا۔ دادا کبھی کبھی ساتھ دیتا۔ میں تیسری چوتھی میں تھا۔ وہ جلدی جلدی کھا کر سو جاتا تھا۔ اسے نیند بہت پیاری تھی۔ مجھے محسوس ہوتا میں زیادہ لاڈلا تھا، اس لیے ڈیڈی میرے پاس بیٹھتے تھے۔ ان دنوں ان کے پاس بجاج چیتک اسکوٹر تھی۔ ہم اس پر واشی چوپاٹی جاتے۔ تب واشی کھاڑی کے کنارے ساگر وہار نہیں تھا۔ بھیل پوری، پانی پوری کھاتے، گھوڑے پر بیٹھتے۔ کبھی کبھی مما بھی ساتھ ہوتی تھیں۔ کبھی مما کے اور کبھی ڈیڈ کے رشتے دار بھی آجاتے۔ ۱۹۹۳ء میں تین چار ٹیکسیاں کر کے پریوار کے بیس پچیس لوگ ورلی کے چنم تھیٹر میں فلم دیکھنے جاتے تھے۔ ہمارے چھوٹے چھوٹے کزن، ڈیڈ، نکھل دادا، مام اور میں......اچھے دن تھے۔

سنیچر، اتوار کی دوپہر میں ہم ایک ساتھ گھر پر کھانا کھاتے۔ کبھی کبھی ڈیڈ کا کوئی دوست یا ان کے بیوی بچے بھی ساتھ ہوتے۔ مزہ کرتے۔ یاد آتا ہے، کسی بڑے کتے کو چھوٹے چھوٹے کتوں کے ساتھ دھینگا مستی کرتے ہوئے دیکھ کر مما کہتیں،

''دیکھو، یکھو پنیز اور پپا ہیں۔'' بس ایسے ہی کشتی کیا کرتے۔

ایک دن ڈیڈ بیئر پینے بیٹھے تھے۔ میں نے چپکے سے گلاس اٹھا کر دیکھا اور دو گھونٹ پی لیے۔ وہیں زمین پر لڑھک گیا۔

''مت پی، تیرے لیے نہیں ہے۔'' ڈیڈی نے پہلے ہی کہا تھا۔ مما کچھ بولتی نہیں تھیں۔ ...... شاید خوف تھا، جس کے جانے کے بعد نڈر ہو گئیں۔ گھر چھوڑنے کے بعد بے قابو ہو گئیں! ڈیڈی کے ساتھ تھیں، اس وقت تک مما ویسی تھیں، جیسے کسی پتنی کو ہونا چاہیے۔ اب ڈر نہیں ہے۔

''کماتی ہوں۔ ہر چیز کرتی ہوں، جو ایک مرد کر سکتا ہے۔'' اب سہیلیوں سے کہتی ہیں۔

''گھر کا کام ہے، گھر اکیلے میرا نہیں۔ کیوں کروں اکیلی؟'' سُستی آ جاتی ہے۔

''ماں ہیں، تو میں کیوں کروں؟'' میں بھی سوچتا ہوں۔ مجھ میں بھی سُستی بھر جاتی ہے۔ کبھی کبھی جی چاہتا ہے، مما کی مدد کروں، مگر کرتا نہیں۔ اپنا سماج ہی ایسا ہے۔ عورت کو دیکھتے ہی ہم بے ہاتھ پیر ہو جاتے ہیں۔ گھر کا کام انھیں کے لیے لکھ دیا ہے!

☆ سُو وِچار۔۔

''ایک ایک آئے اور سُو وِچار بتائے۔ .... اور اس کا مطلب بھی سمجھائے۔''

ٹیچر کہتے۔ ہمارے اسکول میں ایک مضمون Moral Values ہوتا تھا۔ کلاس میں ساٹھ بچے تھے۔ ہر روز ایک کی باری آتی۔ میں آٹھویں کلاس میں مینکا کے گھر رہتا تھا۔ ...... اور زیادہ وقت ساحل کے یہاں گزارتا تھا۔ .... اخلاقی قدروں کی تعلیم دینے والا یہ مضمون مجھے بہت اچھا لگتا تھا۔ اکیلا بیٹھا سوچتا رہتا۔ ایک سُو وِچار لیتا اور جو سمجھ میں آتا لکھتا۔ اسے میں اپنے حساب سے ڈھالتا۔ رات میں پڑھائی کی جگہ وہی سوچتا اور لکھتا۔

''سر میں بتاؤں؟'' دوسرے دن اگر کوئی نہ بولے تو میں کہتا۔ وہ مجھے ''سُو چار منگا'' یعنی لڑکا کہتے۔

''چرتر ہاچ مانسا چا سرو شریشٹھ النکار آہے۔'' اس کی وضاحت میں نے سنسکرت میں ایسے کی، ''شی لم پرم بھوشنم''

اس عادت سے اقوالِ زرّیں پڑھنا ہی نہیں، ان کے معنی ڈھونڈنا بھی سیکھ گیا۔

تب میں ہر سنیچر ہنومان مندر جاتا تھا۔ ڈیڈ کو چھوڑنے کے بعد ناستک ہوگیا ہوں، نہ مندر، نہ بھگوان، صرف قدرت کو مانتا ہوں، اتنا ہے۔

مگر یادوں کو کیسے جھٹلاؤں!

☆ نوی ممبئی اسپورٹس کامپلیکس

نوی ممبئی میں اسپورٹس ایسوی ایشن کھلا۔ اسے این بی ایس اے بھی کہتے ہیں۔ ۹۰ کے دہے کی شروعات میں ڈیڈی نے پندرہ ہزار روپے میں تاحیات ممبر شپ کی فیس بھری تھی۔ سنا ہے کہ یہ آج پانچ لاکھ ہوگئی ہے۔ یہ ایسوی ایشن، واشی پولیس اسٹیشن کے سامنے ایم جی ایم اسپتال کے قریب ہے۔ یہاں بڑا سا سوئمنگ پُول ہے۔ recreation بلڈنگ ہے۔ ٹیبل ٹینس، اسکواش، بیڈمنٹن، کیرم ہمیں تفریح کے لیے سب کچھ کھیل لینے کی دھن رہتی۔

بہت مستی کرتا۔ بھائی بھی کرتا لیکن مجھ سے کم۔ ڈیڈ ہمیں وہاں تیراکی کے لیے لے جاتے۔ ہفتہ میں ایک دن سب مل کر ریسٹورنٹ جاتے۔ سال گرہ اور سال میں دو تین بڑے تیوہاروں کے لیے درزی سے کپڑے سلوا کر لاتے۔ کپڑے سلوائے جانے کا ایک الگ جوش ہوتا۔ ڈیڈ ہمیں پاکٹ منی نہیں دیتے تھے، نہ بچپن میں، نہ بڑے ہونے کے بعد۔

ڈیڈ نکھل دادا کو بھی بہت پیار کرتے تھے۔ کندھے پر اٹھا کر لے جاتے۔ پھر دونوں ہاتھ پکڑ کر زور سے گھماتے۔ 'این بی ایس اے' میں پانی کے لیول تین فٹ، انیس فُٹ اور تیس فٹ ہیں۔ میں ہمیشہ تین فٹ کے لیول میں ہی رہتا۔ یہاں پانی میرے گلے تک تھا، اور میں بڑے سکھ سے اس کا مزہ لیتا تھا۔ اچانک ایک دن ڈیڈ نے اُس ہلکے پانی سے نکال کر مجھے تیس فٹ لیول میں ڈال دیا۔ چوہا پانی میں گرنے کے بعد جس طرح ہاتھ

پیر مارتا ہے، بس ویسا ہی حال تھا میرا۔

''کنارے کو پکڑ کر ہاتھ پیر چلاؤ۔...... جسم کو سیدھا رکھو۔ فلوٹ کو پکڑو'' مجھے سوئمنگ سکھانے کے لیے انھوں نے ایسا کیا تھا۔

کسی برتھ ڈے میں ڈیڈ نے مجھے اسکیٹس تحفے میں دیئے تھے۔ آج بھی چلاتا ہوں۔ ABDO میں تھا تو آفس کے بعد گھر آ کر صبح تین بجے 'پام بیچ روڈ' پر اسکیٹنگ کرتا۔ ان دنوں کسرت کا شوق بھی ہونے لگا تھا۔ سات برسوں میں مجھ اکیلے کے لیے ڈیڈ نے سات سائکلیں خریدیں۔ گم ہو جاتی یا چوری ہو جاتی۔ لاک کرنا بھول جاتا تھا۔ اسکول کے دنوں میں، میں سائیکل پر بہت گھومتا تھا۔ گھر میں جھگڑا ہوتا، تو میں سان پاڑہ نکل جاتا تھا۔ چھوٹا سا بچہ سائیکل پر اتنی دور دور جاتا......!

مما میں اور نکھل: مما کے ساتھ ڈیڈ جیسی زیادہ یادیں نہیں ہیں۔ جب جھگڑا ہوا اور مما نے ڈیڈ پر کیس ۴۹۸ لگا دیا۔ پولیس کے چکر ہونے لگے۔ ان چیزوں سے پریشان ہو کر ڈیڈ گھر چھوڑ کر چلے گئے۔ مہینہ ڈیڑھ مہینہ مینکا کے ساتھ رہے۔ ہم ماں بچے یہاں ساتھ تھے۔...... اچھے دن تھے۔ مام ہماری ساری فرمائشیں پوری کرتیں۔ آئسکریم کھلاتیں، باہر لے جاتیں۔ ان دنوں میں نے پہلی بار پزا کھایا، بہت اچھا لگا۔ آج بھی اچھا لگتا ہے، آج جب چاہے تب کھا سکتا ہوں۔ اُس وقت نئے نئے مزے کا شوق ہوا تھا۔ ہم 'اسموکنگ جوز' smoking joe's، اور کبھی 'میک ڈونلڈ' میں برگر اور پزا کھانے جاتے۔

☆ دادا کی ورشالی سے منگنی

''دادا کا سا کھر پڑا اتوار کو ہے!''، مما نے اچانک جمعرات کے دن کہا، ''آج وہاں جانا ہی ہے!'' میرا موڈ آف ہو گیا۔

''سنیچر، اتوار میرا دوستوں کے ساتھ باہر جانے کا پروگرام تھا۔ اِس وقت دادا کی منگنی کی اطلاع دے رہی ہیں! میں کیا ہوں؟ تماشہ؟ پہلے تو بتاتیں!''، جی میں آیا پوچھ لوں ،مگر پوچھا نہیں۔ ماؤسی، موسا، بڑے ماما اور دونوں ممانیاں، کزن بہنیں، بھائی آئے۔

چھوٹے ماما نہیں آئے۔ وہ امریکن کمپنی 'kurt' میں مٹیریل سپلائی کرتے ہیں۔ یہ کمپنی ایس پی سی مشینری بناتی ہے۔

لڑکی یعنی ورشالی کے گھر سب جمع ہوئے۔ لڑکی کی طرف سے کچھ رشتے دار بھی موجود تھے۔ کسی نے میرا تعارف نہیں کروایا۔ لڑکی کے ماں باپ جانتے تھے، میں لڑکے کا چھوٹا بھائی ہوں۔ ان دنوں ہم نیرول کے سی ووڈس کے گھر میں رہتے تھے۔ اور لڑکی یعنی ورشالی سیکٹر ۱۹ میں۔

''خرچ کیسے کرنا ہے؟''

''شادی کیسے ہونی ہے؟''

ساری باتیں طے ہونے لگیں۔

''دونوں پارٹیاں آدھا آدھا خرچ کریں گی۔'' طے ہوا۔

''نکھل چاہتا ہے کہ رجسٹرڈ میرج ہو۔'' موسا جی نے دھیرے سے دادا کا خیال سامنے رکھا۔

''دھوم دھام پر خرچ کرنے سے اچھا ہے، پیسہ گھر لینے کے یا کسی اور کام میں آسکتا ہے۔''

''ایسے کیسے؟'' ورشالی کے ماں باپ نہیں مانے۔

''جیسے آپ کہیں ویسے ہوگا، آدھا خرچ ہم اٹھالیں گے۔'' مما نے کہا۔

''تجھے کچھ چاہیے.........تو ابھی مانگ لے۔'' موسا جی نے دادا سے پوچھا۔

''کچھ نہیں چاہیے۔ لڑکی دے رہے ہیں، اتنا کافی ہے!'' نکھل دادا نے بڑے بوڑھے کی طرح کہا۔

ساکھر پڑا میں موسا جی نے ایک سپاری، دوسری سپاری پر رکھ کر پھوڑی۔

''ہاں، یہ رشتہ طے ہوا!'' وہ ہاتھوں کو ایک دوسرے سے رگڑتے ہوئے بول رہے تھے۔ ان کے ہاتھ میں چوٹ آئی تھی۔

"کچھ لوگ پتھر سے سپاری توڑ دیتے ہیں اور کچھ سُپاری سے...اور آپ ہاتھ سے..." ممانے کہا۔ سالی کے اس طرح خیال رکھنے پر موسا جی مسکرائے۔

سگائی کی رسم بھٹ جی کے ہاتھوں پوری ہوئی۔ پہلے بھائی اور مما بھٹ جی کے سامنے بیٹھے۔ اس کے بعد باری باری لڑکی اور اس کے ماں باپ اور آخر میں نکھل دادا اور ورشالی بیٹھے۔ بھٹ جی اور سامنے بیٹھے ہوئے لوگوں کے بیچ تانبے کے لوٹے میں آم کے پتوں کے درمیان ناریل چوٹی اوپر کیے ہوئے رکھا ہوا تھا۔ شلوک پڑھے گئے، پھر بھٹ جی کو پانچ سو ایک روپے دیے گئے۔ یہ بھٹ جی مہاراج مام کے ساتھ پوسٹ آفس میں کام کرنے والا بندہ ہے۔ سرکاری آفس میں لوگوں کا اوپری کمائی والا کام بھی اپنے طور پر چلتا رہتا ہے۔ مام بھی تو پوسٹل پالیسی کا کام کرتی ہیں، جس کا کمیشن انھیں ملتا رہتا ہے۔

نانی نے نکھل کی منگنی کے لیے مما کی خریدی ہوئی پیٹھنی ساڑی پہنی ہوئی ہے۔ منگنی کے فنکشن میں الگ الگ ڈھنگ کی ساڑیاں دکھائی دیں۔

پوجا کے بعد نکھل دادا اور ورشالی نے ایک دوسرے کو انگوٹھی پہنائی، ہار پہنائے اور اپنے سے بڑوں کے پیر چھونے لگے۔ اسی وقت اچانک چودھری آگیا۔ میرا موڈ آف ہوگیا۔ باہر چلا آیا۔

"تیری ماں کی مجبوری ہوگی!" ماما پاس آکر سمجھانے لگے، "اب ہے..........تو ہے۔ تُو نہیں نکال پائے گا۔.........کوشش بھی مت کر.........پریشان بھی مت کر ....ریلیکس.........جانے دے۔" اس دن میں نے مما سے بات نہیں کی۔

پوری، مکس سبزی، دال، چاول، شری کھنڈ، پوری، اچار، پاپڑ.........کھانا کافی مزے دار تھا۔

منگنی کی شام ڈیڈ نے نکھل کو فون کیا تھا،

"مُجھا سا کھر پُوا اجالا! ابھی نندن"...بس منگنی کی مبارک باد دی تھی۔

دادا 'سی ووڈس' آیا کرتا تھا۔ منگنی کے بعد اس کا آنا جانا بڑھا۔ ہر سنیچر اتوار آنے لگا۔

ورشالی بھی گھر آتی تھی۔ دونوں بہت باتیں کرتے تھے۔

''میرا ایک افئیر تھا۔'' وہ زور سے ہنسنے لگی۔

''میرا بھی تھا۔'' نکھل دادا کی بات پر ورشالی چونکی۔

''مگر ابھی کچھ نہیں ہے۔ ہمارا بریک اپ ہوئے ٹائم ہوا۔'' نکھل نے جلدی سے صفائی پیش کی۔

''کون تھی وہ خوش نصیب؟'' اس نے ہنس کر پوچھا۔

''دادر میں تھی۔''

''کہاں، سدھی ونا یک مندر کے پاس!'' وہ ہنسنے لگی۔

''نہیں، پر بھادیوی کے 'سوریودے اپارٹمنٹ' کی لڑکی تھی، اب کچھ نہیں ہے۔''

''اس کا نام؟''

''ارے چھوڑو بھی! کیا کام ہے نام سے؟''

''اچھا بتاؤ، کہاں تک رشتہ تھا؟''

☆ ایچ آئی وی ٹیسٹ

''پوچھنا تو تھا، کتنا سچ ہے۔ مجھے معلوم تو کرانا تھا، اتنا تو بھروسہ کرنا تھا!''، ممّا گھر میں بھڑک رہی تھیں، ''آفس سے تجھے پکڑ کر انھوں نے ایک دن ایچ آئی وی ٹیسٹ کرا لیا!''

''ورشالی نے ماں باپ سے بتایا ہوگا کہ لڑکے کا افئیر تھا۔''، نکھل دادا بولا۔

''تجھے کیا ضرورت تھی بڑائی مارنے کی؟............ انھوں نے کس طرح لڑکی کا پتہ چلایا؟''

''چھوڑو جانے دو، ٹیسٹ کرا کے آ گیا ہوں نا، سب کلیئر ہے نا!''، دادا کیسے بتاتا کہ کریدا تو ورشالی نے، مگر بتایا تو اسی نے تھا کہ اس کی اپنی پہلی گرل فرینڈ سے کہاں تک سمبندھ بنے تھے۔

''آخر تم نے کیوں بتایا؟'' ممّا بہت چڑ رہی تھیں۔

''وہ تو مجھ سے اتنی فری ہوگئی تھی کہ اپنے گھر کے سارے لوگوں کے بارے میں مجھے بہت کچھ بتاتی تھی!'' دادا نے دھیرے سے جواب دیا۔

''ورشالی کی ممی بہت کھڑوس ہیں۔ ٹیسٹ سے پہلے بھی تماشہ کیا تھا۔''، ممّا اُکھڑی اُکھڑی سی تھیں، ''مجھ سے بولی، 'تمہارے لڑکے نے ایسے.... گل کھلائے......! ......ویسے گل کھلائے۔' ''

''چپ بیٹھو، یہ سب بولو مت!''، دادا نے چپکے سے ممّا کو اشارہ کیا تھا۔

''تو چاہتا تو یہی بات لڑکی کے بارے میں بھی بول سکتا تھا۔''

''ہاں، ذات پات چیک کرنے کی جگہ یہی ضروری ہے۔ سب سے بڑا خطرہ یہی تو ہوتا ہے۔''، میں دھیرے سے بولا تھا۔

''ورشالی کھانا نہیں کھا رہی ہے!''، ایک دن ورشالی کی ماں کا فون آیا، ''اس نے اپنے آپ کو کمرے میں بند کرلیا ہے! ضرور نکھل نے کچھ کہا ہوگا!''، وہ دادا پر اس کی ذمہ داری دھرتی ہیں۔

''میرے کارن نہیں ہے۔'' دادا، ورشالی سے بات کر کے آیا اور بولا۔

''ورشالی کے امتحان اپریل کے آخری ہفتے میں ہیں! شادی سات مئی کو طے ہوئی ہے۔ اس نے امتحان نہیں دیا۔ اس نے امتحان کیوں نہیں دیا ہوگا. پتہ نہیں!..''

''کارڈ چھپ چکے ہیں۔ بٹنے بھی شروع ہو چکے ہیں۔ دلہن کے لیے سونے کے زیور اور کپڑے اور دولہے کے لیے بلیزر آ چکے ہیں۔'' ممّا فکرمند تھیں۔

مئی کی چار تاریخ تھی۔

''تین دنوں سے ورشالی اسپتال میں پڑی ہے!''، باہر والوں سے پتہ چلا، اسی لیے ممّا اور دادا اس کے گھر پوچھنے گئے تھے۔

''ورشالی نے اپنے بائیں ہاتھ کی نس کاٹ لی ہے، ہائے!''، اسپتال میں ورشالی کی ماں نکھل دادا کو کوسنے لگی۔

"ورشالی کو آپ سے بات کرنی ہے۔"، ورشالی کی ماں نے مما سے صبح فون کر کے کہا۔

"ٹھیک ہے، شام کو آپ کے گھر آتی ہوں۔" مما آفس سے سیدھے ان کے گھر چلی گئیں۔

آدھا گھنٹہ ورشالی کچھ نہیں بولی۔ بہت پوچھا تو اس نے بتایا۔ "میرا بوائے فرینڈ موٹر سائیکل ایکسیڈینٹ میں مر گیا۔ اس کی ماں کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہیں!"

"بوائے فرینڈ کے ہوتے ہوئے تم اِس شادی کے لیے کیسے تیار ہو گئی تھیں؟"

"میری مرضی کے خلاف شادی کرا رہے ہیں۔"

"اب تو وہ نہیں رہا۔ کوئی مرنے والے کے ساتھ جینا تو نہیں چھوڑ دیتا! اور ہم مائنڈ بھی نہیں کر رہے ہیں۔"

"میں ابھی بھی شادی کرنے کو تیار ہوں مگر آپ کی ذمہ داری ہوگی۔" مما نے اس کو سمجھانے کی کوشش کی تو ورشالی نے جواب دیا۔

"شادی کے بعد پہلے تین مہینے مائیکے میں رہوں گی۔"

"عجیب شرط ہے؟"

"میرے مرے ہوئے بوائے فرینڈ کی ماں کی ذمہ داری مجھ پر ہے۔"

مما ورشالی کے کمرے سے باہر آتے ہی، دروازے کے باہر کھڑی اس کی ماں سے بولیں، "یہ شادی نہیں ہو سکتی، معاف کیجیے!... منگنی کی چیزیں واپس ہوں گی۔"

"ہم آپ لوگوں کو چھوڑیں گے نہیں۔ اتنا آسان نہیں ہمیں بے عزت کرنا۔"

ورشالی کے گھر میں خوب جھگڑا ہوا۔ مما نے موبائل کا ٹیپ آن کر دیا۔ سب ریکارڈ کر لیا۔ ثبوت کے طور پر کام آئے گا۔

"اسی وقت مما نے دادا کو فون کیا، "یہ شادی نہیں ہو سکتی۔ ہم شادی توڑ رہے ہیں!"، مام نے بتایا تو دادا کو شاک لگا۔

"آج شام پانچ بجے واشی میں میٹنگ ہے، ایک دوسرے کا سامان واپس

کرنے کی۔''

''کہیں فراڈ کیس میں نہ پھنسا دے، اس لئے پولیس اسٹیشن میں این سی لکھانی ہوگی۔''، انھوں نے قانونی نکتہ سوچا۔

☆ دادا کی پہلی دوست

نکھل دادا کی پہلی دوست اسنیہا تھی۔ وہ دسویں انگلش میڈیم سے پاس ہوئی تھی۔ اسے نہ گھر کے کام آتے نہ باہر کے۔ دادا نے اسے اچھی جاب پر لگایا مگر کر نہ پائی۔

''ارے ورک آؤٹ نہیں ہوگا۔ میں تو صرف دس ہزار کماتا ہوں۔ گھر کیسے چلے گا ایک آدمی کے کمانے سے؟''

☆ اکیلا پن اور لڑائی

آدمی سب سے زیادہ مضبوط اور طاقت ور تب ہوتا ہے، جب وہ اکیلا ہوتا ہے، ہٹلر نے کہا ہے.. 'ڈرپوک بھی لڑ سکتے ہیں۔ اصلی بہادر تو وہ ہیں، جنھیں پتہ ہے کہ ہار پکی ہے پھر بھی لڑتے ہیں۔'

ہٹلر کہتا ہے تو بالکل صحیح کہتا ہے۔ لوگوں کو یہ پاگل پن لگتا ہے۔ یہ پاگل پن ہی حقیقت ہے۔

میں لڑا، کیوں کہ کھونے کو میرے پاس کچھ نہیں بچا تھا۔ اس لئے زیادہ زور سے مخالفت کر سکتا تھا۔.......... ایک دم صحیح یا بالکل غلط، بہت اچھا یا بہت برا، میں کچھ بھی ہو سکتا تھا۔ لوگوں کی سوچ کیا ہوتی ہے، پایا، تو اچھی، نہیں پایا تو بری۔...... کوئی نہیں پوچھتا کہ،...... 'کیسے ہو؟' ہارے کو الزام دیتے ہیں۔

☆ سنکی

''کسی دھرم کو مانتے ہوئے ڈرتا ہوں۔ خود کو انسان ہی نہیں مانتا۔ بننا بھی نہیں

چاہتا، انسان مطلبی ہوتے ہیں۔ میں بس ایک جیو ہوں...ایک جاندار...!''

''انڈیا پاکستان ایک ہو جائیں تو امریکا کی حالت کیا ہوگی، کرکٹ ٹیم کیا ہو گی ؟''، ساحل سے پوچھتا ہوں۔

''یہ سب سوچنے کو تجھے کیسے ٹائم ملتا ہے؟''

''اکیلے رہو گے تو پتہ چلے گا''، میں کہتا ہوں۔

''کتنے خیال ایک معمولی سی بات سے شروع ہوتے ہیں اور بہتے جاتے ہیں بہتے جاتے ہیں......... قابو میں نہیں آتے مگر پھر بھی اکیلے رہنا اچھا رہتا ہے۔

☆ سائرہ اور آر بی

''ایک لڑکا ہے جیتیش۔ اس کے ماں باپ کا طلاق ہو چکا ہے۔ بے چارہ ٹائپ کا لڑکا ہے، آر بی نے تمہارے بارے میں مجھے بتایا تھا'' سائرہ نے مجھے کہا۔

مجھے مسلم دوست بہت کم ملے تھے۔ اسلام کے بارے میں سنتا، سوچتا Muslims وہ مجھے عام آدمی نہیں لگتے تھے۔ لگتا اپنے Stick to their own torch set off values سے باہر نہیں سوچتے۔ مجھے یہ ان کی کمزوری لگتی تھی۔ ان کی سوچ مجھے پتہ نہیں تھی۔ ای ٹی وی پر اور دوسرے چینلوں پر پروگرام دیکھتا۔ کیسی سپریم نالج ہے ان کے بارے میں سوچ درست ہوئے۔ بہت بعد میں مسلم دوست ملے۔ ان میں ایک نوشین تھی۔ اس کی بہن بھی پہلے 'ایبڈ' میں کام کرتی تھی۔ ریحان بیڈیکر 'ایبڈ' میں میرا ٹیم لیڈر تھا۔ ہم اسے آر بی کہتے۔ سائرہ اسی کی بیوی ہے۔ اس کی کال سینٹر کی نوکری نے دونوں کے رشتے کی مٹھاس چٹ کر ڈالی ہے۔ رات بھر کام کرنا، دن بھر سونا، سنیچر، اتوار ٹیم آؤٹنگ، آزادی، لڑکیوں سے میل جول......... سائرہ کی شادی شدہ زندگی ڈانواڈول ہے۔ اس ڈول میں اس کی ننھی سی بیٹی جھکورے لے رہی ہے۔ میں اس سے کہتا ہوں،

''اب انسان جو برا ہو، اس کا اثر برا ہی ہوگا نا! اگر مائنڈ بنا لیا ہے تو اس کے ساتھ نہ رہو۔ یہ تم بیٹی کے لئے مت کرو۔ تم خود بیٹی کے لئے کافی ہو۔ میں تمہاری جگہ ہوتا تو یہی

کرتا۔You should think out of the box'' سائرہ کی وجہ سے بھی میں دھرم کی غلط دھارناؤں سے باہر آیا ہوں۔

☆ سارنگ یار تم بھی!

بدھا میں جب کام کا بوجھ زیادہ بڑھ گیا تو اپریل کی شروعات میں سارنگ کو کمپنی میں نوکری پر رکھا گیا تھا۔

''ایک لڑکا آیا ہے، ایم کام، ایل ایل بی، ایل ایل ایم یعنی قانون میں پوسٹ گریجوئیٹ۔ چھ سال کا اکاؤنٹس کا تجربہ! میں نے اسے کام کرنے کی ٹریننگ دی، میں قانونی صلاحکار!... یقین نہیں ہوتا!''، میں ساحل سے ملتے ہی کہتا ہوں۔ وہ لپک کر مجھے گلے لگا لیتا ہے۔

میں نے سارنگ کو دوست کی طرح لیگل ڈپارٹمنٹ کے سارے داؤں پیچ سکھا دیے، جب سارنگ نے جوائن کیا تو میں بڑا خوش ہوا۔ سوچا، کام ہلکا ہو جائے گا۔ ہم ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔ آخر اس کے پاس ایم کام، ایل ایل بی کی بہت بڑی ڈگری تھی۔ ایک مہینے بعد ہمارے لیگل ڈپارٹمنٹ کا آڈٹ تھا۔

چل یار۔ بڑی نہ ہو تو سُٹا بریک پر جاتے ہیں۔''، ہم چھوٹے بریک ساتھ ساتھ لیتے جسے ہم 'سُٹا بریک' کہتے یعنی سگریٹ پھونکنے کے لیے۔

سارنگ میری ٹیم والا تھا۔ ہمیشہ ساتھ رہتا۔ ہم بالکنی میں چلے جاتے۔ یہ کوئی ڈیڑھ میٹر کی چھوٹی سی بالکنی تھی۔

میں کسی بھی پوائنٹ پر بات کرتا، سارنگ ہمیشہ میری طرف سے بولتا۔ وہ میرا بڑا پن قبول کرتا، جتاتا۔ میں تعلیم میں کم تھا مگر اس کا سینئر تھا۔ مجھ سے بات کرتے ہوئے وہ بہت عزت سے پیش آتا۔

''جیتو... ایسا ہے۔''

''جیتو... ایسا کرتا ہے۔'' کہہ کہہ کر میری تعریف کرتا۔

☆ اوٹی بھرن

ساحل کی بیوی کے اوٹی بھرن کا پروگرام میں وہ مجھے اپنے ساتھ لے گیا تھا۔
کرشن کو پالنے والی ماں یشودا، کی طرح اس کے ساتھ سلوک ہورہا تھا۔ اس کی بانہوں میں پھولوں کے گجرے باندھے گئے۔ پانچ پھلوں سے گود بھری گئی۔ ساحل کی بیوی نے چوڑیاں، بڑی نتھ، سونے کی بڑی موتیوں کی مالا' بورمال'، کان میں گڑیا، دنڈ پٹہ یعنی بازو بند پہنا۔ مہاراشٹری روایتی نوواری کاشٹا ساڑی میں وہ بھی پرمپرا کا ایک حصہ دکھائی دے رہی تھی۔ سات مہینوں کی اُس گربھ وتی کے چہرے پر کتنی چمک تھی! اس ساڑی کا ایک پلا پیروں کے درمیان سے پیچھے کمر میں اڑسا ہوتا ہے۔ اب یہ ممبئ میں کہاں دکھائی دیتی ہے! بس کبھی کبھار کوئی بزرگ خاتون کاشٹا ساڑی پہنے نظر آئی تو آئی۔ ٹریڈیشنل ڈے پر مہک نے کاشٹا پہن کر تصویر کھنچوائی.......مگر مجھے ساتھ کھڑا رہنے نہیں دیا۔

☆ پارسا

''تو کاکا بن گیا!''، سب سے پہلے ساحل نے مجھے ہی تو فون کر کے بتایا تھا۔
''جونئیر ٹیررسٹ' آیا ہے۔ بھاری پڑے گا تجھ کو؟''
ہم کمپیوٹر گیم کاؤنٹر اسٹرائک کھیلتے تھے۔ 'جونئیر ٹیررسٹ' اسی کا کردار ہے۔ ساحل اور میں project IGI Military کے کھیل انڈر گراؤنڈ 'نیڈ فار اسپیڈ' تو این ایف ایس انڈر گراؤنڈ اور رپیڈ یعنی رفتار کے کھیل کھیلتے، جس میں گاڑیوں کی ریس ہوتی۔ میں اکیلا ہی کھیلتا ہوں۔ لوکل ایریا نیٹ ورک LAN سے بالکل عجیب عجیب سی نئ فلمیں اور نئے گانے ڈاؤن لوڈ کرتا ہوں اور دیکھتا ہوں۔ آج جو فلم ریلیز ہو گئ، دوسرے دن لوکل ایریا نیٹ ورک پر اس کی کاپی آجاتی ہے۔ امیر زادے نئ نئ فلموں کی سی ڈی خرید کر فلم سسٹم میں محفوظ کر کے شیئر کر لیتے ہیں۔ تھیٹر جانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ ایسی فلموں، گانوں، گیم اور کھلونوں کے ساتھ میں تصور کی دنیا میں چلا جاتا ہوں۔ میں نے تین ہزار سات سو کی ائیر

رائفل میں ٹھیک سے یاد نہیں، شاید پچھتر یا سو روپے، کا پلیٹ ڈال کر پرانے ہیلمٹ پر مارا تھا۔ کانچ چور چور ہوگئی۔ کبوتر کو مارا،............ پر کو لگا تھا............ اڑ گیا۔ پچھلے اتوار نیرول کے 'گفٹ شاپ' میں دوسو میٹر والا رائفل کا نیا ماڈل دیکھا، جس کو ٹیلی اسکوپ سے زوم کر کے دیکھ کر، شوٹ کر سکتے ہیں۔

''ارے یار وہ کیوں لیا؟ بالکل لیٹیسٹ رائفل تو یہ ہے!''، دل نے کہا۔

ساحل کے بچّے کے بارے میں وہ اور میں، ہم دونوں ناسک اس کی سسرال گئے تھے۔ وہاں عورتیں گیت گا رہی ہیں،

''ہلکے ہلکے جو جوا بالا چا پالنا''
پالنیا چا مدھومدھ پھرتو کھیلنا
مجلی گ مئومئو مخملی چی شیا
نجلی گ بالا چی گوری کایا
بال رُوپنی دیوا چی بھولِتے لوچنا''

''میں ہندی میں اسے گاؤں؟'' مجھے اپنے بچپن کی یاد آ گئی۔

''بچے کا پالنا دھیرے دھیرے جھلاؤ پالنے کے بیچوں بیچ کھلونا گھوم رہا ہے۔ مخمل کا نرم بستر سجا ہوا ہے۔ اس میں بچے کا گورا رنگ نکھر رہا ہے۔ بال روپ کو دیکھ کر بھگوان کو بھی آنکھیں خیرہ ہو رہی ہیں۔''

میں اور ساحل قہقہہ لگا کر ہنسنے لگے۔

پپیتے کے بیج جیسی آنکھوں والا بارہ دنوں کا چھوٹا سا بچہ، ہاتھ لگانے سے ڈر لگتا تھا۔ اس کا پورا پیر میری ہتھیلی جتنا اور پنجہ میری انگلی جتنا ہے۔

☆ مما سے بچاؤ

جب باتیں منوانی ہوتی ہیں، تو میں مما سے ضرور پوچھتا ہوں۔ جاب بدلنے کا فیصلہ کرنا تھا۔

''جاب چینج کروں یا نہ کروں؟'' مما کو یوں ہی پوچھ لیتا ہوں۔
''تھک گیا، کال سینٹر میں کام نہیں کرنا۔''
''ٹھیک ہے۔'' مما مضبوط اور طاقتور فیصلہ دیتی ہیں۔
کبھی یوں ہی پوچھتا ہوں،
''بینک سے قرض لینا ہے، لوں یا نہیں؟''
''نہیں۔''
''مگر لینا تو پڑے گا، مما!'' پھر میں جلدی سے ان کا موڈ بدلنے لگتا ہوں کہ کہیں اسی موضوع پر بات نہ آگے بڑھائیں، ''ہسٹری چینل' میرا پسندیدہ چینل ہے۔ پرسوں اس پر ہٹلر کی فلم لگی تھی۔''
''ذرا دیکھو تو، وہ انسان کیسا ہے؟''، مما کو چھیڑتا ہوں۔ پتہ ہے، فکر مند ہوں گی، چڑیں گی۔
''اس کی پیروی کیا کرتا ہے؟''
''ہٹلر کی کچھ چیزیں بہت اچھی لگتی ہیں۔''
''مطلب یہ نہیں کہ اچھا ہے؟''، مما کی بات میں دم ہے۔
بدھا سافٹ فرم
''جانتے ہو، میں ایک لاء فرم میں کام کرتا ہوں جو امریکا سے co-ordinate کرتی ہے۔''، میں ساحل سے مل کر کہتا ہوں۔
''ہاں پتہ ہے یار! کئی بار کہہ چکے ہو!'' وہ میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر ہنس دیتا ہے۔
''تمہیں پتہ ہے، واشی اسٹیشن کے سامنے BACL Tech Park کی عمارت میں پانچویں منزل پر ہمارا آفس ہے۔ یہ دیوار کے باہر کانچ سے ڈھکی ہوئی عمارت ہے۔ اُس وقت پتہ تھا، کر سکتا ہوں...... بہت اچھا کر سکتا ہوں... کر لیا۔ خوش قسمت ہوں۔ قانونی ماتحت کا جاب لاء گریجویٹ کے لیے ہے، مگر مجھے مل گیا!'' میں اپنی رَو میں کہتا ہوں۔
''اب تو پارٹی دینی پڑے گی۔'' میں اس کا چہرا دیکھتا ہوں اور سمجھ جاتا ہوں، فون

پر یہ بات اس سے کہہ چکا ہوں۔ وہ تالی کے لیے ہاتھ بڑھاتا ہے مگر میں اس کا ہاتھ تھام لیتا ہوں۔

Law Firm's Previledge & Guidance

☆ نازمین

لیبڈو کے ایجنٹ کو ملنے والی سہولتیں یہاں نہیں ہیں۔ صبح آٹھ سے پانچ اور کبھی شام چھ سے صبح چھ تک بھی کام کرتا ہوں۔ اِس جاب میں وقت کی زیادہ پابندی بھی نہیں ہے۔ کبھی کبھی رات دس سے صبح پانچ بجے تک بھی کرتا ہوں۔

آفس میں کافی مفت ہوتی ہے۔ سات آٹھ کپ رات بھر میں پی جاتا ہوں۔ Pantry میں Microwave اوون ہے! ہم تیار نوڈلس لے جاتے ہیں اور اوون میں دو منٹ رکھ کر کھا لیتے ہیں۔ کمپنی میں میرا کنٹریکٹ منیجر کا کام ہو گیا ہے۔ دوسری کمپنی سے کانٹریکٹ بنا کر قانونی کاغذات تیار کرنا، کب پیمینٹ کرنا ہے، کتنے عرصے کے لیے Consultant کو کام پر رکھنا ہے، ان کے معاہدے تیار کرنا، کمپنی کی ضرورت کے حساب سے لیبر سپلائی اور سافٹ ویئر کنسلٹنٹ کے پیپر بنانا۔ کمپنی میں معاہدہ بنانا، سائن کروانا، نیگوشییٹ کرنا۔ یہی سارے کام ہیں میرے۔ یعنی قانونی صلاحکار ہوں۔

یہاں لیگل ڈپارٹمینٹ میں نازمین میری سینئیر تھی۔ وہ مجھ سے بہت اچھی طرح پیش آتی تھی۔ وہ اپنے بالوں کو اپنے لباس کے رنگ کے اسکارف سے ڈھک لیتی تھی۔ بہت دبلی سی تھی۔ اُس کی نازک مخروطی انگلیاں تیزی سے کمپیوٹر پر دوڑتی تھیں۔

''اپنے کام میں باس ہوں۔ اپنی باس بھی ہوں، اور اپنی ملازم بھی!''، نازمین کے چہرے پر خود اعتمادی غضب کی ہے: ''ساریکا یہاں کی رپورٹنگ ہیڈ ہے مگر ہمارے کام سے اس کا کچھ خاص لینا دینا نہیں۔ ویسے میں بھی تم پر دھونس نہیں جماؤں گی!'' نازمین نے مسکرا کر مجھے کام کرنے کے صحیح طریقے بتا دیے تھے،

''ہماری کمپنی کو سافٹ ویئر کنسلٹینسی کہا جا سکتا ہے۔ سافٹ ویئر کے بارے میں

معلومات اور سروس یہاں دی جاتی ہے۔ مین پاور سے تکنیکی سروس تک مہیا کروائی جاتی ہے۔ oracle service system analysis and program سب کے الگ الگ processing اور عمل ہیں۔ ہماری کمپنی صلاحکاران کی طرح کام کرتی ہے۔''

''لیس میم!''

''ہماری کنسلٹینسی میں نوکری کے لیے جو لوگ Enroll ہوتے ہیں۔ ان کے دستاویز ہمارے کمپیوٹر میں Feed ہوتے ہیں۔ ہم انھیں دیکھتے ہیں۔ یا ہمارے پاس جو کام کرتے ہیں، انھیں کچھ دنوں کے لیے java developer کے طور پر Google کا کام کرنے کے لیے بھیجتے ہیں۔''

''اچھا!''، میں ناز مین کی اِس معلومات سے خوش ہو جاتا ہوں۔

''Comp off کمپنزیٹری آف ہے یعنی ایک چھٹی کے دن کام کرنے پر دوسرے کسی دن ملنے والی چھٹی ہے۔''

''جی۔ کال سینٹر میں بھی یہی ہوتا تھا۔''

''امریکا میں سارے کام کانٹریکٹ پر ہوتے ہیں۔ بھارت جیسا سیلری والا سسٹم وہاں نہیں ہے۔ گھنٹے کے حساب سے فی گھنٹہ 25 سے 150 ڈالر تک لوگ کماتے ہیں۔''

''اوکے''، میں کندھے اُچکاتا ہوں۔

بھارت سے گئے ہوئے لوگ جو امریکا میں بستے ہیں، ان کے کانٹریکٹ کے ضابطے ہم ترتیب دیتے ہیں...اور...تم لا ئر بن رہے ہو۔ ہے نا!''

''میں لاء پڑھ کر، پریکٹس کرنا نہیں چاہتا۔''، میں ناز مین سے کہتا ہوں۔

''پھر!''، وہ ہنستی ہے۔

''سوسائٹی میں، سسٹم میں بدلاؤ لانا چاہتا ہوں....سوشیل ورک کرنا چاہتا ہوں۔''

''پھر ایم ایس ڈبلیو کیوں نہیں کیا؟''، ناز مین تعجب سے پوچھتی ہے۔

''وہ کیا ہے؟''

''ماسٹر آف سوشیل ورک کر لینا تھا۔'' ناز مین بتاتی ہے۔

''مجھے کیا معلوم تھا اس کورس کا؟''

''تو ایس ایس سی یا ایچ ایس سی کے بعد کیریئر گائیڈنس لے لیتے۔ سرکاری بھی ہیں، جیسے ممبئی کا 'سینٹ زیویرس انسٹی ٹیوٹ'...... میٹرو سنیما کے سامنے!!''

میں ناز مین کا چہرہ دیکھتا ہوا سوچتا ہوں، ''یہ بھی کسے پتہ تھا کہ سرکار ایسی سہولت بھی دیتی ہے............''

☆ فوکس

''کیا کر رہا ہے؟''

''گرل فرینڈ کیا بولتی ہے؟'' کسی دوست کے فون سے ذہن اُس طرف چلا جاتا ہے۔

''بدھا فرم میں نے کال سینٹر کی جگہ چنی ہے۔ اور میں خوش بھی تھا۔ اس کام میں بہت پڑھنا پڑتا ہے۔ ہمیں اگریمنٹ تیار کرنے کے لیے بڑی تیاری کرنی پڑتی ہے۔ پیسوں کا لین دین، بھاشا وغیرہ سب طے کرنے کے لیے یکسوئی کی ضرورت ہوتی ہے۔''

ہماری لائن میں آنے کے لیے کافی محنت کرنی پڑتی ہے۔ میرے ساتھ تو ایسا ہی ہوا۔ آج کل میں چھوٹی چھوٹی چیز پر دھیان لگاتا ہوں، اور اس میں ڈوب جاتا ہوں۔ کبھی کبھی میرا من بہت باتیں کرنے کو کہتا ہے، کبھی بالکل چپ رہنے کا! کام کے بارے میں بھی یہی ہوتا ہے کہ کام کر رہا ہوتا ہوں، تبھی کوئی آجاتا ہے یا کسی دوست کا فون آجاتا ہے۔

''کائے رے۔ کسا کائے چاللائے؟'' آرام سے بائیک چلا رہا ہوں۔ اگر کوئی بیچ میں آجائے یا ٹرافک زیادہ ہو جائے تو خون کھول اٹھتا ہے۔ اس وقت کچھ بول نہیں پاتا! میں ٹرافک کے ضوابط پر عمل کرتا ہوں............ جیسے پام بیچ روڈ پر تین سگنل ہیں، مگر کسی بھی سگنل پر کوئی گاڑی نہیں رکتی۔ میں روک دیتا ہوں۔ لوگ میری طرف دیکھتے ہوئے آگے بڑھ جاتے ہیں۔ کبھی کبھی لگتا ہے کہ ہم کیوں پیچھے رہ جاتے ہیں۔ اپنے انڈیا میں کچھ لوگ

قانون کو جیب میں رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسی لیے نا!

اب ٹرین کا پاس نکالا ہے، بچت کرنی شروع کی ہے۔ ''پرسنالٹی ڈیولپمنٹ ''کورس کے دو ہفتے پہلے کی بات ہے۔ بائیک گھر پر رکھ دی ہے۔ بہت ہوئی عیاشی اور پٹرول خرچ۔ مہینے بھر کا ایک سو بتیس روپے کا پاس نکالا ہے... ورنہ ہفتے میں پانچ سو روپے کا پٹرول لگ جاتا تھا۔ سائرہ اور آر بی نے بھی اسمارٹ کارڈ لیا ہے۔ سو روپے کا ہے۔ کسی بھی ریلوے لائن میں چل جاتا ہے۔

سوچتا ہوں ایک ہینڈی کیم خرید کر رکھوں۔ ہر چیز محفوظ کر کے رکھوں۔ جب بھی اکیلا پن لگے، دوستوں کی باتیں دیکھ سکتا ہوں۔ ان کو فوٹو میل بھی کر سکتا ہوں۔

کالج بدلنے کی کوشش کر رہا تھا کہ کالج سے نام نکال کر سیدھے یونیورسٹی میں داخلہ لے لوں۔ کالج میں عرضی لے کر گیا لیکن پرنسپل نے NOC نہیں دی۔

''کیوں چاہیے دوسرے کالج میں ایڈمیشن؟''

''سر جی۔ میری حیثیت نہیں پندرہ ہزار بھرنے کی۔ فیس تو ہے ہی، دوسری مجبوریاں بھی ہیں۔ جن کی وجہ سے............''

''مجبوری ہے؟............ اگر ایسی بات ہے، تو ہم کو بتاؤ۔ ہم مدد کرتے ہیں۔''
خیال آیا مہینوں ٹلتا نہ رہ جاؤں۔ میں یہیں ایڈمیشن لے لیتا ہوں۔ یونیورسٹی میں external جاتا تو فیس کچھ گھٹ جاتی اور شاید پڑھائی بھی اچھی ہو سکے۔ کسی سے سنا ہے،

''یہ تو وہی ہوا نا، 'ناچ نہ جانے آنگن ٹیڑھا!'' ، میں نے اپنے آپ کو سمجھا لیا۔ لوگوں کو کہتے ہوئے سنا ہے،

''ایسا کر سکتے ہیں''

''ویسا کر سکتے ہیں۔'' ، جانکاری دینے والے بہت ملتے ہیں۔...... ہونہہ......''

نازمین چھوڑ گئی

میرے بدھا جوائن کرنے کے ٹھیک ڈیڑھ مہینے بعد نازمین کا اپنے HR سے زور دار جھگڑا ہو گیا اور وہ کمپنی چھوڑ کر چلی گئی۔ میں لیگل ٹیم میں اکیلا رہ گیا۔ فروری اور مارچ

میں دو مہینے پورا کام میں اکیلے ہی سنبھالتا تھا۔

"کال سینٹر کچھ نہیں ہے۔ وہاں رہتا تو یہ کر نہیں پاتا"، مجھے احساس ہوا۔

☆ میں باس

مجھے اب اس کمپنی میں چار مہینوں کے کام کا تجربہ اور اکیلے کام سنبھالنے کا دو مہینوں کا تجربہ بھی تھا۔ نازمین مجھے بہت سارا کام سکھا گئی تھی۔ جب وہ میرے ساتھ کام کرتی تھی، تب اس کی شفٹ صبح چھ بجے سے رات نو بجے تک کی تھی۔ مجھ سے دو ٹیبل چھوڑ کر بیٹھتی۔ میں رات میں نو بجے جاتا، وہ اکثر گیارہ بجے تک وہیں ہوتی۔ لیگل جاب میں وقت کے معنی نہیں ہوتے۔ کام کہتا ہے، تو بیٹھنا ہے، کام نہیں تو گھر جاؤ۔ باقی شعبوں میں پندرہ بیس لوگ تھے۔ اکاؤنٹس میں چار پانچ، ٹیلی اور جیٹ کنگ میں پانچ۔ یہ ایک طرح سے کال سینٹر جیسا تھا۔ HR ڈپارٹمنٹ میں دو، آئی ٹی میں دو۔ ایک اور ریکروٹ منٹ ڈپارٹمنٹ بھی تھا، جو بعد میں بند ہو گیا۔ ہائر مینج مینٹ کے لوگ رات میں نہیں رکتے تھے۔ میں کسی سے گھلتا ملتا نہیں تھا۔

"اچھا ہے، کام کرتے ہو۔" لائیلا کا میل آتا۔ میرے اکیلے کام کرنے پر امریکن باس لائیلا خوب سراہتی اور میں زیادہ زوروں سے جٹ جاتا۔ معاہدے کو ڈرافٹ کرنا ہے۔ ہمارے کانٹریکٹ کے ریڈیمیڈ ٹیمپلیٹس templates تھے، جسے ہماری فرم نے امریکا کے اٹارنی سے تیار کروا رکھا تھا۔ ہمیں صرف تفصیلات اس سانچے میں بھرنے ہوتے تھے۔

"یہ کانٹریکٹ پڑھا کرو۔ جتنی بار پڑھو گے اتنا سمجھ میں آئے گا۔" کئی بار لائیلا میری رہنمائی کرتی تھی۔

"ہماری کلائینٹ کمپنی کے بھی اپنے ڈرافٹ یا ٹیمپلیٹس ہوتے ہیں،" لائیلا کبھی کبھی کہتی، "اس کے ٹیمپلیٹس لو، اپنا لو اور دونوں میں فرق بتاؤ۔"

"ٹرمنیشن کلاز میں دونوں کے کنٹینٹس الگ الگ ہیں۔" میں دونوں نمونے غور

سے دیکھتا اور موازنہ کر کے کہتا۔

''کیسے؟''

''ہمارا کنٹینیٹ کہتا ہے، کانٹریکٹ ۳۰ تیس دنوں میں ختم ہو جائے گا! اور ان کا کہنا ہے کہ پندرہ دنوں کی ایڈوانس نوٹس پر کسی بھی وقت معاہدہ ختم کر سکتے ہیں۔''

''اس میں لاجک کیا ہے؟'' لائیلا پوچھتی، ''ہم پر یعنی لیگل ڈپارٹمنٹ پر اس کا اثر کیا پڑے گا؟''

''دونوں کنٹینینٹس کا اپنے پروجیکٹ یا اپنے ماتحتوں پر کیا اثر ہوگا اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔''

''ہمارے کانٹریکٹ کے جو standard ہیں، انھیں ہم ترمیم نہیں کر سکتے، ورنہ کچھ کانٹریکٹ کی ضرورتیں ایسی ہوتی ہیں کہ وہاں تبدیلی کی ضرورت ہوتی ہے۔'' میں نے کہا۔

''......یہ اسٹینڈرڈس ہیں، اس میں تبدیلیاں نہیں کر سکتے۔'' وہ بتاتی ہے۔

''مگر......''

''No, we cannot change کیوں کہ یہ اٹارنی نے بنائی ہے۔ اس میں کوئی ردوبدل نہیں کر سکتے۔'' وہ بڑے صبر کے ساتھ سمجھاتی۔

''اپنی لاء کی گریجویٹ سینیئر کے جانے کے بعد اپنا شعبہ پورا سنبھال لیتا ہوں۔''، میں نے ساحل کو فون پر بتایا۔

☆ مائی ڈیئر لائیلا

''کانٹریکٹ بنانا ہے، اس کی پوری جانکاری اور تفصیلات بھیج رہی ہوں۔'' لائیلا کو میرے کام کا پورا پتہ تھا۔ اسے مجھ پر بھروسہ تھا۔

''تم دن بھر میں جو کچھ کام کرتے ہو اس کا log track بنا کر مجھے بھیجتے کیوں نہیں

ہو؟'' ایک دن ساریکا نے مجھے یاد دلایا۔

''دیکھو ساریکا دن بھر میں بہت کام ہوتے ہیں۔ فرصت نہیں ہوتی۔ تمہارے لیے الگ سے ٹریک بنانا مشکل ہے۔'' ساریکا کو صرف نگرانی رکھنی تھی۔ وہ رپورٹنگ ہیڈ جو تھی۔

لائیلا نے کبھی مجھے ڈیلی رپورٹ بھیجنے کے لیے نہیں کہا تھا کیوں کہ میرا ہر کام اس پر کھلا ہوا تھا۔ پھر ساریکا نے اچانک ایسا کیوں کہا تھا! مجھے حیرانی بھی ہوئی اور پریشانی بھی۔

''میں تمھاری باس ہوں، کرنا پڑے گا۔'' ساریکا کچھ سخت انداز میں بولی تھی۔

اب تک میں ساریکا کو میل نہیں بھیجتا تھا لیکن اب بھیجنے لگا ہوں۔ کچھ دن یہی چلتا رہا، پھر سوچا،

''اس سے نقصان بھی نہیں ہے، فائدہ بھی نہیں ہے۔'' اور ای میل بھیجنا بند کر دیا۔

میرے کام سے لائیلا بہت خوش تھی۔ اس کی طرف سے تعریفی الفاظ، اطمینان بخش بول آتے تھے۔

"He is realy working hard" ایک دن اس نے ساریکا سے بھی کہہ دیا۔ یہ سن کر ساریکا خوش ہو کر بولی،

"Now you are your own manager jitu."

حالاں کہ وہاں باسنگ کرنے والا کوئی نہیں۔ امریکن باس پچیس برسوں سے اس کانٹریکٹ مینج مینٹ کے کام میں ہے۔ بڑی تجربہ کار ہے مگر وہ وکالت پڑھی ہوئی نہیں ہے۔ اس نے CS یعنی کمپنی سکریٹری کا کورس کیا ہے۔

☆ فرم اور نائٹ شفٹ

جاب سے بہت پریشان ہو گیا ہوں۔ نائٹ شفٹ ٹھیک سے manage نہیں کر پا رہا ہوں۔ آج کل ساریکا حکم بھی تو چلاتی ہے۔ کمپنی کے کلائنٹس کا آڈٹ ہوتا ہے۔ ان کے contacts ہمارے پاس ہیں کہ نہیں؟ جن کا کام کرتے ہیں اُن کی پوری تفصیلات چاہئیں.......... سارے پیپر ہیں کہ نہیں؟ یہ اور اس طرح کا کام میں نے کبھی نہیں کیا تھا۔

اس لیے سارنگ آڈٹ کے بیچ آگے بڑھ کر کام سنبھالنے لگا۔ اس سے پہلے میں لیڈ رہوتا تھا۔ میں سارنگ سے سینئر ہوں۔ جب اکیلا تھا تو کانٹریکٹ خود ہینڈل کرتا تھا۔ اب اس نے ہاتھ میں لیا ہے مجھے کوئی غم نہیں کیوں کہ وہ مستحق تھا۔

''تو صرف بات کرتا ہے۔ کرتا کچھ نہیں۔'' سارِیکا آجکل کہتی ہے۔

''جیتیش...... یہ...... کرتا ہے............''

''......وہ...... کرتا ہے۔''

میں کہتا ہوں، ''کبھی کچھ تو کرتا ہوں!''

''سارِیکا، تمھارے اس طرح کہنے سے دل کو چوٹ لگتی ہے،... کیوں کہ یہ تو ٹیم ورک ہے۔''

''تو بیک اپ فائل نہیں رکھتا؟''، سارِیکا شکایت کرتی ہے۔

''پورا مہینہ زیادہ کام کی وجہ سے کافی پریشان رہا۔''، میں جواب دیتا ہوں۔

''لاگ ٹریک بھیجنا کیوں بند کر دیا ہے؟ چلو، ایک 'ایکسل شیٹ' بنا کر روز مجھے فارورڈ کرتے رہو۔''

''او کے! ڈیلی track ٹریک کرتے ہیں۔''

پھر میں نے سوچا کیوں پریشان ہوتا ہوں؟ شاید پہلے فوکس نہیں تھا۔ تین برسوں سے ایڈمیشن لینے کی بات سوچتا ہوں کہ جاب کا کیا ہے؟ رہے نہ رہے! پہلے پڑھائی کرتے ہیں۔ اب سوچتا ہوں، ویسے ہی تین سال بے کار ہو گئے۔ پڑھنا چاہیے کہ نہیں! خیر! فی الحال میں پڑھائی سے پریشان نہیں ہوں۔ اِن حالات کی وجہ سے پریشان ہوں۔

''تم چاہتی کیا ہو؟ سارنگ سے میرا مقابلہ کیوں کرتی ہو؟ اس کا فائدہ کیا ہے؟ کیا لگتا ہے تمھیں؟ کیا تمھیں سچ میں ایسا لگتا ہے کہ میں کام نہیں کرتا؟ ٹھیک ہے۔ آج سے میں تم سے صرف کام کی بات کروں گا، ڈیلی رپورٹ بھی بھیجوں گا۔'' اُس دن میں نے سارِیکا سے دوٹوک بات کر ہی لی۔

''سی ری یُس کیوں ہو گئے؟''، سارِیکا پوچھتی ہے۔

"تمھارے پاس ایک ایسا انسان ہے، جو زیادہ کوالیفائڈ ہے، اس سے میرا مقابلہ ٹھیک نہیں ہوسکتا نا!"

اس بات چیت کے بعد ساریکا کا رویہ بدلا۔

سچ تو یہ ہے کہ ہماری اصلی باس لائیلا امریکہ میں ہے۔ یہاں کوئی باس نہیں۔ یہاں جو ہے یعنی ساریکا، وہ آپریشنل ہیڈ ہے۔ امریکا میں لائیلا صبح ساڑھے چھ بجے ڈیوٹی پر آجاتی ہے۔ اُس وقت یہاں شام کے ساڑھے چھ بج رہے ہوتے ہیں۔ ہم ای میل کے ذریعے اور کبھی کبھی فون سے بات کرتے ہیں کہ.......... ایسے..... ایسے پرابلم ہیں کیا کرنا ہے۔

آفس میں ٹیلی مارکیٹنگ میں سات آٹھ لوگ ہیں۔ اکاؤنٹس میں چار پیرول پر، مارکٹنگ ایچ آر اور لیگل ڈپارٹمنٹس ہیں۔ ساریکا ان سب پر کمپنی سکریٹری ہے..... اور کمپنی سکریٹری سے پنگے بھی نہیں لیے جاسکتے۔

"تم کسی کام میں سپورٹ نہیں کرتیں، ہاں بددل ضرور کرتی ہو!" میں اس سے ذرا سا ناراض تھا۔

"اب تمھیں کچھ پوچھنا ہو تو لائیلا سے پوچھو۔"، ساریکا نے کندھے اُچکا کر کہا اور کمپیوٹر کے اسکرین پر نظر جمالی۔

"لائیلا آپ کو کیا لگتا ہے؟... بولو تو ریزائن کردوں؟" میں لائیلا سے پوچھتا ہوں۔

"دل پر مت لو۔ اینڈ ڈونٹ وری! تمھاری نوکری پکّی کر رہی ہوں۔"

پھر میں پُرسکون ہوکر رپورٹ تیار کرنا شروع کر دیتا ہوں۔ کافی مصروف ہوگیا ہوں۔

گیارہ ستمبر کو کنفرمیشن آگیا۔

☆ خودکشی!

میرے ذہن میں ایک ہی بات چلتی رہتی کہ.... عجیب کشمکش کا زمانہ ہے یہ

بھی.... جیسا کہ خودکشی کی کوشش کے بعد چالی میں تھا....

''خودکشی کرلوں؟'' پہلے کئی بار خیال آیا کرتا، مگر کہتا، ''نہیں میں کمزور نہیں ہوں۔''

چالی میں بیٹھا سوچ رہا تھا...... لگ رہا تھا، حقیقت میں ڈیڈی کی بہکی ہوئی آواز سنائی دے رہی تھی..........

''تو گالیاں دے ماں کو۔ تیری ماں بھی تو مجھے گالی دیتی ہے! تیرا باپ نہیں ہوں کیا میں؟''

دس گیارہ سال ہی کا تو تھا۔ جب ڈیڈ لال آنکھیں پھاڑ کر مجھے گھورتے، دھمکاتے اور فون نمبر لگا کر میرے ہاتھوں میں پی سی او کا فون تھماتے۔ مینکا سے بھی میری نہیں جمتی تھی۔ مایوس تنگ، پریشان تھا۔ خودکشی کی کوشش..نہیں نہیں.... اپنے آپ کو چھرا گھونپنے کے بعد نانی کے گھر جا کر رہنے لگا تھا۔ مما پانچ پانچ دنوں تک غائب رہتیں۔

''کہاں ہیں آپ؟'' فون کرتا۔

''چیمبور میں'' مما سے چیمبور کا نام سنتے ہی میں بھڑکتا، جھگڑتا۔

''...تو اُس سے شادی نہیں کرنے کا!''

پانچ سال پہلے میں دادر میں رہتا تھا۔ کالج کے دنوں میں...... میں introvert تھا۔ میں اپنے اکیلے پن کا زیادہ مزہ لیتا تھا۔ یوں ہی زیادہ باہر گھومتا پھرتا رہتا۔ اس وقت جو میری سوچ اور جو میرا تجربہ تھا، اس کی وجہ سے دوسرے میری سوچ کو اور میری باتوں کو بے کار سمجھتے اور مجھے ابنارمل کہتے۔ اس بارے میں مجھے پروا کہاں تھی! مگر اس چیز کے بارے میں سوچنے کی ضرورت تھی۔ اُن دنوں میں بہت باریکی سے اپنی زندگی کو جانچنے کی کوشش کرتا تھا۔ ماں باپ، مستقبل، رشتوں اور بہت سی باتوں کے بارے میں سوچتا اور آخر میں فیصلوں پر آجاتا۔ فیصلے لے لیتا اور بہت سے مقصد بنا لیتا۔ پہلا فیصلہ کہ میں کبھی کسی سے محبت نہیں کروں گا۔ میری زندگی نارمل نہیں ہے، جیسے دوسرے گذارتے ہیں۔ فیصلہ کیا کہ کسی کی بات کا کوئی اثر نہیں لوں گا۔ کوئی کچھ کہے، اپنے فیصلے خود لوں گا... لیکن بار بار بھول جاتا ہوں کہ میں خود بھی ایک انسان ہوں۔ کچھ فیصلے کسی بھی اکیلے انسان کے لیے مشکل ہوتے ہیں۔

یہ وقت وہ تھا جب .... میرے ماں باپ مجھے کھلا پلا رہے تھے۔ سہارا بن رہے تھے۔ اب سب کچھ بدل گیا ہے۔ وہ وقت ...... بڑا کٹھن تھا۔ مجھ پر بہت سے بندھن تھے کیوں کہ ان پر منحصر تھا۔ .... اب ان سے دور ہوں، کوئی ذمہ داری نہیں، کوئی پابندی نہیں مجھ پر۔ اب زندگی سیٹ ہو گئی .... اب نئے پرابلم کھڑے ہو گئے ہیں۔

☆ بھائی کی شادی کے لیے

ورشالی سے منگنی ٹوٹ کے بعد نکھل کے لیے دوسری لڑکی کی تلاش فوراً شروع ہو گئی۔ انٹرنیٹ پر 'بھارت میٹریمونیل' کے ذریعے ای میل آیا اور فون بھی۔

''....ایسی لڑکی ہے...لڑکی بی اے ایل بی ہے اور آج کل ایل ایل ایم کر رہی ہے۔''

لڑکی کا چھوٹا بھائی آیا اور ہمارا گھر دیکھ کر گیا۔ ہمیں بھی پربھنی آنے کی دعوت دی۔

ہم سی ایس ٹی اسٹیشن سے جمعہ کو ساڑھے چار بجے کی ٹرین سے پربھنی کے لیے روانہ ہوئے۔

مہاراشٹر کا درمیانی ضلع بیڑ ہے۔ بیڑ سے ناندیڑ کی طرف پربھنی ہے۔

ہم پربھنی گئے کہ مما کو بہو چاہیے، نکھل کی دلہن۔

ورشالی سے منگنی ٹوٹنے کے بعد ہم دادا کے لیے دوسری لڑکی دیکھنے یہاں آئے تھے۔ اسے دیکھتے ہی جی خوش ہونے لگا تھا۔

''گوری گوری پان پُھلا سارکھی چھان repeat

دادا املا ایک وہنی آن

گوریا گوریا وہنی چی اندھارا چی ساڑی، اندھارا چی ساڑی ور چاندنیا چی کھڑی

چاندنیا چیا پدرالا بجلی چابان

وہنی لا آنایالا چاندوبا چی گاڑی

چاندوباچیا گاڑی لا ہرناچی جوڑی'' میں گنگنانے لگتا ہوں۔ مما ہنسنے لگتی ہیں۔

پربھنی مجھے گاؤں جیسا علاقہ لگا۔ زیادہ تر لوگ دھوتی میں دکھائی دیے۔ جلدی اٹھتے،

کھیت میں کام کرتے یا مزدوری کرتے تھے۔ سوڈیڑھ سو کلومیٹر پر آندھرا پردیش ریاست کا بورڈ ہے۔

☆ پربھنی

اکتوبر کی صبح خوش گوار صبح سوا تین بجے ہم پربھنی پہنچے تھے۔

''دودن کرفیو تھا۔ کل ہی اٹھایا گیا ہے... ہمیں تو انھوں نے بتایا بھی نہیں تھا۔ بس بلا لیا۔''، میں بڑبڑانے لگا۔

''کرفیو کیوں؟''

''کسی کاؤنسلر کا خون ہو گیا تھا۔ یہاں کے چوکیدار نے بتایا۔''

لڑکی کے پتا سیاست میں ہیں۔ اسٹیشن سے ہمیں لے کر وہ صدر ضلع کے گھر لے گئے۔ ہمیں وہیں ٹھہرایا گیا تھا۔ وہاں پہنچتے ہی ہم آرام کرنے اپنی آرامگاہ چلے گئے۔ ساڑھے آٹھ بجے اٹھے، ناشتہ کر کے تیار ہوئے۔ انھوں نے فون لگایا۔

''ہمارے گھر کی مرمت کا کام چل رہا ہے۔ آپ لوگ وہیں ٹھہریئے، ہم آتے ہیں۔''لڑکی کے پتا نے کہا۔ یہ گھر ایک فارم ہاؤس تھا۔ بہت بڑا گھر، پیچھے بڑا سا گودام تھا۔ ساتھ میں دو مرسڈیز بینز کاریں کھڑی تھیں۔ صدر ضلع ہمیں فارم ہاؤس دکھا رہا تھا۔ لڑکی کے پتا وہاں کام کرتے ہیں۔ کھیتی کرتے ہیں، ساتھ ہی سیاست میں بھی ہیں۔ خوب خاطر ہوئی۔ لڑکی کو بھی وہیں بلایا گیا، بولے،''ہمارے گھر میں تو بیٹھنے تک کو جگہ نہیں۔''

وہ چاکلیٹی رنگ کی شلوار اور آف وہائٹ قمیص پہنے ہوئی تھی۔ بہت سیدھی سادی صاف رنگت پر چمکتی نیلی آنکھیں، تنی ہوئی بھویں، بھرے بھرے ہونٹوں کے بائیں کنارے پر کالا تل........ میرا دل کہنے لگا، ہاں سچ! یہی تو وہ بھابھی ہے، جس کے لیے گانے لگا تھا،

گوری گوری پان
پُھلا سار کھی چھان

دادا املا ایک ودھنی آن'

''ہم نے لڑکے کو دیکھ لیا، آپ نے لڑکی کو دیکھ لیا۔ سب ٹھیک لگ رہا ہے آپ کو؟'' ناشتے کے دوران لڑکی کے پتا نے پوچھ لیا۔ وہ آف وہائٹ پینٹ، لیمن رنگ کا شرٹ اور وِنڈ شیٹر پہنے ہوئے تھا۔ پچاس تک عمر ہوگی۔ بڑی بڑی کالی الجھے بالوں والی بھویں اور مونچھیں تھیں۔ کندھے پر بکھرے بالوں میں وہ مراٹھی فلم کا ولن لگتا ہے۔

''سب ٹھیک ہے!''، مما بولیں، ''مگر آپ سے دو چار باتیں صاف بتانا ضروری ہیں۔ میں پوسٹ آفس میں جاب کرتی ہوں۔ بیٹا ایک مال میں کام کرتا ہے اور چھوٹا بیٹا لاء پڑھتا ہے۔''

''اور ان کے پتا جی؟''

''ان کا پرابلم ہے ذرا۔ طلاق ہوگئی......کئی سال ہوئے............دوکان ہے، گھر ہے......''مما نے ضروری باتیں بتائیں۔

''بہو پڑھی لکھی ہو۔ اچھے سوبھاؤ والی ہو............بس اتنا ہی چاہیے۔'' مما نے اپنی توقعات بتائیں، ''جو کہ آپ کی بیٹی ہے۔............تیسری شرط یہ ہے کہ ہمارے گھر میں گھل مل جائے۔ ہماری فیملی میں اتنی ٹریجڈی ہو چکی ہے۔ بیٹا اپنے بل بوتے پر کچھ بن پایا ہے۔ اسے سپورٹ دینے والی ملے، بس۔''

تبھی لڑکی کی ماں آئیں۔ میں نے گھڑی دیکھی۔ اس وقت ڈیڑھ بج رہا تھا۔

''ہماری انتر جاتی شادی ہوئی ہے۔ میری بیوی عیسائی ہے۔ اس کے مائیکے والے 'بار نے' سرنام لگاتے ہیں۔ ویسے تو وہ کسی زمانے کے پریورتت ہی ہیں۔''

لڑکی کے ڈیڈی سے سننے کے بعد اس کی ماں ہمیں عام عیسائیوں جیسی ہی نظر آئیں۔ شاید اس کو آسانی سے پہچان پانا مشکل تھا کیوں کہ ماتھے پر ٹیکا لگا ہوا تھا۔

''مجھے کوئی پرابلم نہیں۔'' بھائی بولا۔

''اس کے دو بھائی اور دو بہنیں ہیں۔''

کھانا لگا۔ بہت خاص کھانا ضلع صدر کی بیوی نے تیار کیا تھا۔

"یہ کیسے ہوسکتا ہے۔" میں نے دھیرے سے کہا۔

"ہوسکتا ہے اچھے دوست ہوں۔" ممانے اسی طرح کانا پھوسی کرتے ہوئے جواب دیا۔

دوپہر کے بعد ہم لڑکی کے گھر کے لیے نکلے۔ گھر پہنچتے ہی لڑکی کے ڈیڈی بولے، "آپ نے اتنا بتا دیا ہے تو یہ بتا دنیا میرا بھی فرض ہے کہ میری بھی دو بیویاں ہیں۔ پہلی گاؤں میں ہے۔ اس کے پانچ بیٹیاں اور دو بیٹے ہیں۔ سب کی شادیاں ہوچکی ہیں۔ اُس پہلی کے ساتھ میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔ میں نے سب معاملہ رفع دفع کردیا ہے۔ پراپرٹی اس کے نام کردی، کھیتی بھی... اور اب ہمارا کوئی رشتہ نہیں ہے۔"

آخر میں وہ بولا، "ہمارا کورٹ کچہری میں معاملہ نہیں ہوا، آپ کی طرح!"، یہ بات ہمیں کھٹک گئی۔ اس کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ آپ کا معاملہ تو کورٹ میں گیا۔ ہم نے تو باہر ہی نپٹا لیا۔ اس کی باتوں میں کوئی افسوس نہیں تھا۔ جیسے کوئی نارمل بات ہو۔ میں سوچتا ہوں، 'بڑا عجیب سماج ہے ہمارا۔ قانون سب ہیں، مگر ان کا استعمال کرنا بدنامی ہے۔' عام سوچ تو یہی ہوتی ہے۔ پھر بھی لڑکی کافی اچھی تھی۔ تمیزدار اور تعلیم یافتہ .... کافی تھا۔

"ہمارا کالج ٹائم افیئر تھا۔ اِن کے پتا نے ان کی شادی ایسی عورت سے کرادی۔ بعد میں ہم نے لومیرج کرلی۔"، اس کی ماں دھیمے لہجے بولی۔

"اس لڑکی نے بھی کچھ نہ کچھ سہا ہوگا"، بھائی بولا۔........... ڈیڈ نے تین شادیاں کیں تو بولنے والے بولیں گے نا! وہ لڑکی اچھی طرح سمجھ پائے گی کہ ہم کیا سوچتے ہیں؟ ہم پر کیا بیتی؟ اس کے ڈیڈ نے جو کیا، اس کے بارے میں سوچنے کی ضرورت نہیں۔"

"لڑکی اچھی ہے.... مگر کل جا کر پرابلم کھڑی کرے تو؟ اس کا باپ اچھا نہیں لگا۔ رویہ تو دیکھو۔" میں نے اپنی رائے دی۔ رہن سہن کا طور طریقہ سیاست میں دادا ٹائپ لوگوں جیسا ہے اور پھر ان کا مہمان نوازی کا طریقہ۔ اپنے گھر نہیں لے گئے۔ کوشش کی دکھائیں کتنی طاقت، کتنا نام ہے۔ ویسا برتاؤ رہا۔ پورا اثر جما کر ہی گھر لے جائیں گے۔ کئی

بار دکھاوا دیکھ کر عجیب سا لگا۔"

"پانچ لوگ بیٹھے ہیں، ہماری طرف کے، ان کے تین لوگ، لڑکی کے ڈیڈی، ماما اور ضلع ادھیکش۔ رشتے کی بات کم ہی ہوئی، پالیٹیکل میٹنگ زیادہ لگی۔ بیچ میں فون آتا تو وہ لوگ اٹھ کر چلے جاتے۔ اچھا نہیں لگا، جیسے ہم کم اہم ہوں۔"، میں کہتا ہوں۔

"چھوڑو جانے دو۔.........لڑکی اچھی ہے۔"، مما کی خوشی چھپائے نہیں چھپتی۔

"دیکھو بھائی، تمہارا فیصلہ، تم دیکھو۔"، میں اس میں سے باہر رہنا چاہتا ہوں، "اس کے باپ کے کارن ہمارے بیچ دراڑ نہیں پڑنی چاہیے۔"

"نہیں ایسا نہیں ہوگا۔"، بھائی کی طرف سے اوکے ہے۔

نکھل دادا کی سوچ بھی میری طرح ہے۔ تھوڑا سا اپنا پن کسی نے دکھا دیا اور جھک گیا۔ اب یہ پسند آئی تو اور کچھ نہیں سوجھ رہا ہے، بولا، "کیسی بھی ہے مجھے چل جائے گی۔"

"دماغ لگا، پھر فیصلہ کر، جلدی نہیں ہے۔"، میں نے سمجھایا۔ شاید میں بھائی سے زیادہ اسٹرانگ ہوں۔ "بھائی دیکھو، اگر کرنی ہو تو ایک بات یاد رکھنا، اس کے باپ میں اور اپنے ڈیڈ میں زیادہ فرق نہیں ہوگا۔"، مجھے یہ رشتہ پسند نہیں آیا۔

ممی بھی بھائی کی طرح سوچتی ہیں۔ کہتی ہیں، "سب ٹھیک ہو جائے گا۔" مگر مجھے لگتا ہے کہ بالکل نہیں۔ ان سے اچھے اچھے لوگ مل جائیں گے۔ وہ مراٹھی میں کہتے ہیں نا۔ 'آگیتون فُفاٹیات پڑنے' ہوسکتا ہے یہ 'آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا' تو نہیں ہو جائیگا!"

اِس بار بھی خوش تھے۔ ہم اشٹ ونایک یعنی آٹھ 'سوئمبھو وِگھن پتی گنپتی' کے درشن کے لیے گئے۔ رائے گڑھ پالی میں شری بلا ڑیشور، اور مہڈ میں شری وَرَد وِنایک ہو آئے۔ پھر پونے ضلعے کے پانچ مندروں میں درشن کیے، یعنی 'تھے اُر' میں شری چنتامنی گنپتی، مورگاؤں میں شری موریشور، اوجھر میں شری وِگھنیشور، رانجن گاؤں میں شری مہا گنپتی، لینیادری میں شری گریجاتمک۔ وہاں سے سِدھ ٹیک ضلعہ احمد نگر' شری سدھی ونایک'، ان سبھی سوئمبھو وِگھن پتی گنپتی کے ذریعے بنائے ہوئے مندروں میں آشیرواد لیا۔

☆ بوڑھی مینکا

اپریل میں ساحل کے گھر سی بی ڈی گیا تھا۔ ایک عورت راستے کے بیچوں بیچ کھڑی تھی۔ پاس گذرتے ہوئے پہچانا۔ یہ مینکا تھیں۔ پلٹ کر آیا۔ سوچا، بات کر لیتے ہیں۔ 'دیکھیں تو ان کی حالت کیا ہے؟

"پنکی کیا کر رہی ہیں؟"، میں نے پوچھ ہی لیا۔

"تجھے کیا فرق پڑتا ہے۔ تیرا تو کچھ لینا دینا نہیں۔"... 'کچھ لوگوں کے تیور نہیں بدلتے، ہاں کچھ ٹھنڈے ضرور ہو جاتے ہیں۔ بہت اکڑ ہے۔' میں نے سوچا۔

"کچھ بولنا نہیں چاہتا۔ میں نے صرف پوچھا۔ بس لگا کہ پوچھوں۔"

"کچھ نہیں۔ سی وو ڈس میں رہتے ہیں۔ تجھے کبھی یاد نہیں آتی؟"

"یاد آتی ہے.........مگر کیا کروں؟"

سوچا پنکی اب بارہ سال کی ہو گئی ہو گی۔ شاید ساتویں میں ہو۔ مینکا کیسے گذارا کرتی ہو گی؟ کیا شادی کر لی ہو گی؟ لگتا نہیں کہ کی ہو گی یا کر پائے گی۔ ڈیڈ سے کچھ نہ کچھ ملتا ہی ہو گا۔ مانگنے پر دیتے ہوں گے۔......اپنی بیٹی کے لیے۔ پتہ نہیں دونوں کیسے مینج کرتے ہوں گے۔ کینٹین تو ہے۔ ڈیڈی نے بھی ایک بار دس ہزار روپے دینے کی بات تو کی تھی۔ یہ سوچتے ہوئے شاید میں خود غرض ہو رہا ہوں، 'ملتا بھی ہے تو کیا حرج ہے!'، میں خود کو سمجھاتا ہے۔

"مجھ میں کیا تبدیلی دکھائی دے رہی ہے؟"، وہ کچھ نرم پڑیں۔

"آپ بوڑھی ہو گئیں۔"

"چشمہ لگ گیا ہے۔" وہ ہنس رہی تھیں۔

"چلیے، اب چلتا ہوں۔"، نجانے کیوں، میں بھی زور سے ہنس دیا تھا، "ساحل کے پاس آیا تھا۔ آپ دکھائی دیں۔"

☆ مماتم نے تربیت جو کی!

سکھ دیو جی نے سات دنوں میں نو سو ساٹھ پرشنوں کی پُران کی کہانی بڑا سکھ ساگر سنائی۔ یہ وشنو کے دشاوتاروں کی کتھا ہے۔"

"وشنو کے دس اوتار!"

"ہاں۔ متسیہ اوتار، کرما، وراہ اوتار، نرسمہا اوتار، وامن اوتار، پرشورام، رام، کرشن، بُدھ، کلکی اوتار۔"

"اور؟"، میں اب تک بستر پر بے جان سا پڑا اونگھ رہا تھا۔ مما کے چپ ہوتے ہی میری تجسس والی رگ پھڑکی۔

"اور پرِکشِت کو شراپ سے مکتی ملی۔"

"دیکھ۔ شری مد بھاگوت کتھا اور بڑا سکھ ساگر یہ دونوں رِشی ویاس کے گرنتھ ہیں۔"

"مام بتایئے تو ویاس جی نے کتنی کتابیں لکھی ہیں؟"

"تو بتا۔ تجھے پتہ ہے؟"، وہ حیرت سے پوچھتی ہیں۔

"اٹھارہ۔"

"ارے واہ۔ میرا بیٹا تو بڑا گیانی ہے۔ تو نے جنرل نالج بک میں پڑھا؟"

"اور کیا؟"

"......اچھا سن، ان میں سے 'سکھ ساگر' کو سب سے اچھا اور پوتر مانتے ہیں۔ کہتے ہیں، سات دنوں میں پورا کیا تو مکتی ملتی ہے۔ ایک بار ایک رِشی کے بیٹے نے ابھمنیو کے بیٹے پرِکشِت کو تپسیا میں مگن ایک رِشی کے گلے میں مرا ہوا سانپ ڈالتے ہوئے دیکھ لیا اور اسے شراپ دیا۔"

"کون پرِکشِت؟"

"'مہابھارت' والے پانچ پانڈوؤں میں سے ایک ارجن.. کا پوتا۔"

"او کے، او کے.... شراپ کیسا؟"

''شاپ...... کہ سانپ کے کاٹنے سے سات دنوں میں تمھاری موت ہو جائے گی۔''

''سکھ دیو جی رشی؟ نے پُران کی کہانی بڑا سکھ ساگر سنائی اور پرِکشت کو شراپ سے مکتی ملی۔ اسی لیے اسے سب سے اچھا اور پوتر مانتے ہیں۔ تو بھی پڑھ نا۔''

''تم پڑھتی ہونا۔ کافی ہے۔''

''مجھے دیکھتے ہی نصیحتیں یاد آتی ہیں! جانے کہاں کہاں سے گیان اُپدیش ڈھونڈ لاتی ہو۔'' وہ میری بات کو نظر انداز کرتی ہیں اور کہتی ہیں،

''کہتے ہیں سات دنوں میں پورا پڑھ لیا تو مکتی ملتی ہے۔''

''ہاں۔ کہہ چکی ہو، مگر مکتی کس کو چاہیے؟''

مما کی یہ باتیں سن کر ڈیڈی کی باتیں یاد آنے لگتی ہیں۔

دھن گر

''ہم دھن گر ذات کے ضرور ہیں لیکن ہمارے دادا پردادا بھیڑ بکری چرانے کا کام کرتے تھے۔'' ڈیڈی بچپن میں یہ کتھا سناتے اور کبھی کبھی دھن گروں کا یہ گیت گنگناتے اور ہم ان کے ساتھ گاتے۔

''کاٹھی نہ دھونگڑ

گھےاُو دیا کی رَ

ملابی جتر الا

یے اُ دیا کی''

اور کبھی کبھی

''یَل کوٹ... یَل کوٹ جے ملہار''

بھی گا کر سناتے اور خیال رکھتے کہ سات بجے گھر آ کر ہاتھ پاؤں دھو کر پوجا کر کے ''شُبھم کروتی کلیانم'' بولتے ہیں۔

انٹرنیٹ میں google کے vikipidia میں خود کو ڈھونڈا پتہ چلا کہ سرکار نے ہمیں تو دھن گر بنا دیا اور NT یعنی Native Tribe میں ڈال دیا... یعنی گھومنے والے بنجارے،

جو مجھے اتنا صحیح نہیں لگتا۔ شری کرشن چرواہوں کی طرح گوکل میں پلے۔ موزیس اور کرائسٹ نے بھی تو چرواہوں کا کام کیا تھا۔ سائرہ نے ایک بار بتایا تھا، سارے پیغمبر چرواہے ہوا کرتے تھے۔

''ویسے دھن گر کے معنی ہوتے ہیں، جس کے پاس دھن جائیداد ہو......اور کسی زمانے میں پشو، دھن ہی کہلاتے تھے۔ اُس زمانے میں تو لوگ ندی کے کنارے گھر بساتے، کھیتی کرتے اور پشو دھن رکھتے ہوں گے۔'' ہمارے بھی آبا و اجداد بھٹکی جماعت ہی ہوں گے! مجھے خیال آتا ہے۔

'بھاگوت گیتا' کے بابوں میں سے مجھے آخری یعنی اٹھارہواں ادھیائے سب سے اچھا لگا کیوں کہ اس میں گیتا کا سار آگیا ہے۔ نویں کلاس میں مارل سائنس کے سر بھاگوت گیتا سکھاتے، تب سے دلچسپی پیدا ہوئی۔ سوچا، چلو پڑھیں۔ نو بار پڑھا، کہتے ہیں یہ گرنتھ پانچ ہزار سال پرانا ہے۔ ویوہارک گیان یعنی دنیاداری کی ایسی بنیادی باتیں اس میں دستیاب ہیں، جو زندگی جینے کے لیے ضروری ہیں۔ چوتھے ادھیائے کی ورن، دھرم، جاتی سے متعلق باتوں کے بارے میں مجھے کبھی کبھی لگتا ہے کہ کچھ لوگوں کے لیے ضرور فائدے کے ہوں گے۔ یہاں جو کہا گیا ہے کہ اپنے کو دیے گئے کام کو چھوڑ کر کوئی اور کام کرنا پاپ ہے کیوں کہ آپ اپنے کرم نہیں کر رہے، دوسرے کے کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں برہما نے اپنے منھ سے برہمن کو، بازوؤں سے چھتری کو، جانگھ سے وَیشیہ کو اور پیر کے تلوؤں سے شودر کو پیدا کیا۔ مگر میں کیا میرے پریوار میں کوئی بھی اب خاندانی کام نہیں کر سکتا۔

☆ مہورت

نِکھل دادا رِٹیل انڈسٹری میں ہے، وہ فلور منیجر ہے۔ اسے چھٹی نہیں ملتی۔ بڑی مشکل سے وہ انتیس کو ماما، مامی، نانی اور کچھ دوستوں کے ساتھ ٹرین سے پربھنی کے لیے نکل گیا۔ باقی کے لیے ہم نے چیمبور کی پرائیویٹ ٹور اور ٹریولس کی بس کا انتظام کیا۔ دسمبر تیس کی شام کو ہم چیمبور، پنویل، پونا اور احمد نگر سے رشتے داروں کو لیتے ہوئے نکلے۔ اسی

شام جب ہم بس میں ہی تھے، وہاں پر بھنی میں دادا کی ہلدی کی رسم ہو رہی تھی، یعنی ہمارے بغیر ہی دسمبر کی سرد رات میں......اور اگلی صبح دلہن والوں نے کھلے میدان میں ہلدی لگا کر دادا کو نہلایا تھا۔ اس سوچ ہی سے ٹھٹھر جاتا تھا۔ لگتا، ''ڈیڈی بھی ہوتے۔ کاش!''، میں نے ڈیڈی کی کمی بہت محسوس کی۔

''یہ سب تو ایک بار ہوتا ہے! جھگڑے بھلے ہی ہوں۔ باپ کی حیثیت سے آپ کا فرض ہے آپ آئیے۔''، میں نے ڈیڈی سے کہا تو وہ تیار ہو گئے۔

''تو یہ کیسے بول سکتا ہے۔'' مما نے سن کر کہا، ''وہ انسان نہیں چاہیے۔''

''عزت مٹی میں مل جائے گی۔''، نکھل بولا۔

ڈیڈ کو بتایا، انھیں برا لگا۔

''ٹھیک ہے تم لوگ جاؤ!'' مبارکباد بھی نہیں دی۔ کہا، ''تیرا بھائی تیار نہیں ہے ......کوئی ضرورت نہیں ہے بات کرنے یا فون کرنے یا ملنے جلنے کی۔''، کڑواہٹ چھوڑنا یا بھولنا نہیں چاہتے۔ پکڑ کر رکھا ہے۔

ہماری بس اکیس کی صبح ۶ بجے 'وردان ہال' پہنچی۔ لڑکی والوں نے یہیں ہمارا بندو بست کر رکھا تھا۔ دو بڑے بڑے ہال تھے، جن میں سے ایک چھوٹا ہال کھانے کا تھا۔ دو بڑے گارڈن بھی تھے۔ دس ہزار فٹ پر پھیلے اس ہال میں رہنے کے لیے الگ سے ایک عمارت تھی۔ نچلی منزل پر دلہن والے ٹھہرے تھے اور پہلے پر دولہے والے۔ شادی کا مہورت دوپہر بارہ بجے کا تھا۔ نکھل کی تیاری صبح سے چل رہی تھی، مگر میں سو گیا۔ ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد دوستوں نے اٹھا کر کہا ''تیار ہو جاؤ، نہا دھو کر نیچے ہال میں پہنچو، دس بج رہے ہیں۔''

ہال میں کافی بھیڑ تھی۔ کوئی ساڑھے دس بج رہے ہوں گے۔ چوکی پر بٹھا کر پہلے ہم لوگوں نے اپنے قریبی رشتہ داروں کا مان پان کیا۔ کپڑے، تولیے، شال، ٹوپی، ناریل اور عورتوں کو ساڑیاں وغیرہ پیش کیں۔ ہمارے بعد دلہن والوں نے بھی یہی سب کیا۔ آدھے پونے گھنٹے تک یہ پروگرام چلتا رہا۔ میں نے دادا کو پیار سے دیکھا، وہ سفید کرتا، پائجامہ اور ماتھے پر لال ٹیکا لگائے اور موتیوں کی تورن پہنے اور پیروں میں کولہاپوری چپل

پہنے خوب پھب رہا تھا۔ پھر دوست اسے کپڑے بدلوانے کے لیے کمرے میں لے گئے۔ اب وہ کتھئی رنگ کی کڑھائی کی ہوئی شیروانی، چوڑی دار پائجامہ اور گول پگڑی پہنے ہوئے تھا۔ باہر گھوڑی کھڑی تھی۔ رواج کچھ ایسا ہے کہ کُل دیوتا کے مندر درشن کے لیے جایا جاتا ہے، مگر وہاں اس کی سہولت نہیں تھی۔ مندر کھیتوں میں تھا۔ پکی سڑک سے لگے ہال سے بارات والے ناچتے، گاتے، بینڈ بجاتے ہوئے آگے بڑھے۔ بینڈ والے آگے اور پریوار والے ان کے پیچھے تھے۔ نکھل کے دوست اور ہم سب ناچتے، گاتے چلے جارہے تھے۔ مما اپنے بچوں کی بارات میں رسماً نہیں ناچیں۔ کوئی آدھا کلومیٹر پر مندر تھا۔ برف جیسی بے حد سفید دودھ جیسی رُوئی راستے پر بچھی ہوئی تھی۔ آنکھیں چندھیانے لگیں۔ دراصل مندر کے بہت قریب کپاس کے کارخانے تھے۔

بارات ناچتے ہوئے جس وقت ہال پر پہنچی، بارہ بج رہے تھے۔ نکھل اسٹیج پر کھڑا ہوگیا۔ اسٹیج کے پیچھے سے دلہن لائی گئی۔ وہ لوگ اپنے خصوصی مہمان ضلع ادھیکاری کا انتظار ہورہا تھا۔ مہورت رکا کر رکھا گیا۔ ہمیں برا لگا، مگر کوئی بولا نہیں۔

''اب کس کا انتظار ہے۔'' نکھل بڑبڑا رہا تھا۔

''وہ عزت دیتے ہیں، تو ٹھیک ہے۔'' مما نے ہمیں چپ رہنے کا حکم دیا۔

''ڈیڈ ہوتے تو کچھ نہ کچھ کہتے ضرور!''، میں نے دھیرے سے کہا۔ اچھا ہوا دونوں نے نہیں سنا۔ یا ان سنا کیا!

''مہورت کا کچھ لحاظ، کچھ عزت تو ہونی چاہیے، انسان کے سیاسی دبدبے کے سامنے۔'' مما نے میری یہ بات سن لی اور ہاں میں گردن ہلائی۔ ایسا کرتے ہوئے وہ بہت پیاری لگ رہی ہیں۔ کیسر مامی کو میک اپ کا بڑا شوق ہے۔ نکھل دادا کی شادی میں انھوں نے مما کو میک اپ کٹ تحفے میں دیا۔ جب یہ آتی ہیں تو مما کو اپنے میک اپ کٹ سے خود تیار کرتی ہیں۔ آج بھی مامی نے مما کو تیار کیا ہے۔ ویسے پروگراموں میں مما ہلکی لپ اسٹک لگاتی ہیں۔

ایک بجے دو دوستوں نے دولہا اور دلہن کے درمیان سفید، جھینا سا کپڑا تان دیا۔

دونوں جانب دولہا، دلہن پھولوں کی دو موٹی جے مالا لے کر کھڑے تھے۔ ''شبھ منگل ساودھان'' ایک طرف مائیک پر کھڑے ہو کر پنڈت جی کا منتر پڑھ رہے تھے۔ اور وہ کبھی کرشن رکمنی اور کبھی شیو پاروتی کے پتی پتنی پریم کی مثالیں دے رہے تھے۔

جب جب پنڈت ''شبھ منگل ساودھان'' کہتے، تب تب لوگ اپنے ہاتھوں سے لال، پیلے، اور ہرے رنگ کے چاول یعنی 'اکشت' دولہا دلہن پر ڈالتے۔

دلہن جب جے مالا ڈالنے لگی تو ہم لوگوں نے نکھل کو گود میں اوپر اٹھالیا۔ کچھ دیر تک یہی چلتا رہا۔ ہم مالا ڈالنے نہیں دیتے۔ مہمان اس کا مزہ لیتے رہے۔ آخرلڑکی کے بھائی نے ہی بہن کو گودی میں لے کر اٹھایا اور نکھل نے مالا پہن لی۔ اُس وقت دلہن کی ماں وہاں نہیں تھیں۔

اب کنیا دان کا پروگرام تھا۔ پنڈت جی تختے پر بھائی کے ساتھ بیٹھے منتر پڑھ رہے تھے۔ سامنے کلش یعنی آم کے پتوں پر ناریل رکھے ہوئے لوٹے کے ساتھ تھال میں پھول، کُم کُم، ہلدی، سپاری وغیرہ بہت سی چیزیں رکھی تھیں۔ پنڈت جی منتر پڑھتے اور اشارے سے حکم دیتے جاتے۔ دلہن کا دایاں ہاتھ دولہے کی ہتھیلی پر رکھا اور اس پر آچمنی یعنی چھوٹی چمچی سے پانی ڈالتے رہے جسے وہ ناریل پر اَرپت کرتے جاتے۔ ایک طرف دلہن کے ماں باپ بیٹھے تھے اور ہمارے یہاں سے ہمارے بڑے ماما اور مامی بیٹھے تھے۔ دلہن کے ماں باپ نے دلہن کا ہاتھ دولہے کے ہاتھ میں دے کر کنیا دان کیا۔ اب سب اسٹیج پر چلے گئے۔

میں بھی دوڑ کر کرتا، پاجامہ بدل کر آدھے آستین کا سفید ٹی شرٹ اور نیلی جینس میں اسٹیج پر آ گیا۔ اب پھیرے کی رسم شروع ہوئی۔ چاروں کونوں میں چار لوگ تامن کی سفید ڈوری پکڑے کھڑے تھے۔ اسٹیج کے بیچوں بیچ ہَوَن تھا۔ بھٹ جی بیٹھے گھی اس اگنی کنڈ میں ڈالتے ہوئے منتر پڑھ رہے تھے۔ گھڑی کی سوئی کی سمت میں دولہا دلہن نے ساتھ پھیرے لیے۔ مجھے برا لگا کہ ہال میں پھیرے لیتے وقت بہت کم لوگ تھے۔ لوگ صبح ... گدوں پر بیٹھے یا لیٹے ہوئے ایک دوسرے سے باتیں کر رہے تھے، ان کا رسم پر دھیان نہیں

تھا۔ پانچ پھیروں کے بعد دلہن آگے آ گئی۔ نکھل کی شیروانی کا دوپٹہ ان کی گھونگھٹ کے پلو سے بندھا ہوا تھا۔ پھیروں کے بعد دادا نے دلہن کو منگل سوتر پہنا دیا۔ ''بھابھی!'' میں نے چپکے سے کہا۔ دلہن نے سر جھکا لیا اور میں اور نکھل مسکرانے لگے۔

شادی ہو گئی۔ اب آہیر یعنی تحفے لینے کی رسم شروع ہوئی۔ رشتے داروں کے تحفے، کپڑے، رنگین چاولوں کے چھوٹے چھوٹے پاکٹ اور نقد تحفے لفافے کھول کر مائیک پر اناؤنس کر کے کاپی میں لکھے جانے لگے۔ دونوں کے خاندانوں نے یہ کام ہمارے چاچا کے سپرد دے دیا تھا۔ نگرانی کے لیے کچھ لوگ اُن کے ساتھ تھے۔ دلہن کے تحفے 'استری دھن' تھے، جو الگ سے لکھے گئے تھے۔

کھانا شدھ شاکاہاری تھا۔ سادا چاول، چپاتی، پوری، دال، پاپڑ، اچار، چھاچھ، گلاب جامن، جلیبی، آئسکریم کھا کر ہم مست ہو گئے۔

اس دن شام ساڑھے سات بجے پیکنگ کر کے ہم نے پربھنی چھوڑی۔ الماری، فرج، صوفہ سیٹ، ڈبل بیڈ، ڈائننگ ٹیبل، کولر اور ڈھیر سارے برتن بس میں چڑھائے گئے۔ پچاس لوگ بس سے گئے اور احمد نگر، پونا اور ممبئی میں اترتے گئے۔ باقی ٹرین سے نکل گئے۔ ساڑھے آٹھ بجے صبح ہم اپنے گھر پنویل پہنچے۔ ہمارے ساتھ بھابی کی ایک سوتیلی بہن اور بھائی بھی آئے تھے، جو ایک ہفتہ ہمارے گھر رہے۔ مما نے پندرہ دنوں کی چھٹی لی تھی۔ نکھل کو چوبیس سے ہی ڈیوٹی پر جانا پڑا۔ وہ صبح نو بجے گھر سے نکلتا اور ساڑھے گیارہ، بارہ بجے رات کو گھر پہنچتا۔ بے چارے کو صرف چھ دنوں کی چھٹی ملی تھی۔ دونوں ہنی مون پر بھی نہیں گئے۔

بیس دنوں بعد مما بھابھی کو مائیکے چھوڑ آئیں کیوں کہ ان کے جیوڈیشیل مجسٹریٹ کے ایم پی ایس سی امتحان تھے۔ پندرہ دنوں کے لیے کہہ کر گئی تھیں۔ دس فروری کو امتحان تھا۔

''بھابھی کو الٹیاں ہونے لگیں۔'' مما نے خبر دی۔

''ارے واہ! اتنی جلدی!'' میں خوشی سے اُتاولا ہو گیا۔ میں نے بھابی کو فون کیا۔

''پیٹ بری طرح درد کر رہا ہے۔ پریگنینٹ ہوں۔ نکھل سے بولو، یہاں آ کر

ڈاکٹر کے پاس لے جائے۔ ایبارٹ کرنا ہے، تکلیف ہے۔'' میں چپ ہو گیا۔ کچھ دیر بعد دادا نے مما کو فون کیا، ''ریشما ابھی نہیں آئے گی۔ اسپتال میں بھرتی کرنا ہوگا''۔

''کوئی بات نہیں آرام سے آئے۔''

انیس فروری کو نکھل چھٹی لے کر بھابھی کو پربھنی جا کر مل آیا۔ فروری، مارچ گذر گئے۔ تیئس مارچ کے بعد وہ اپنے ڈیڈی کے ساتھ لوٹیں۔ ان دو مہینوں میں بھائی کو بڑی تکلیف ہوئی۔ نکھل نے انھیں ووڈا فون کا کارڈ دیا تھا۔ ان کا اپنا ایئر ٹیل کا فون تھا، پھر بھی نہ فون کرتی اور نہ ہی ٹھیک سے بات کرتیں۔

پربھنی، ناندیڑ اور اورنگ آباد جیسے بڑے شہروں کے درمیان کی شہر نما بستی ہے۔ یہاں ممبئی جیسی بھیڑ نہیں ہے۔ یہ قحط کے خطرے والا علاقہ ہے۔ ہمیں قدرتی ذرائع کی کمی سی محسوس ہوئی۔ ہریالی صرف کھیتوں میں نظر آئی۔ میدانی علاقوں میں درخت کم دکھائی دیے۔ بارش پر منحصر یہ علاقہ کپاس، جوار، مونگ پھلی وغیرہ کی کھیتی کے لیے بہترین ہے۔ پہاڑ کہیں نظر نہیں آئے۔ اکا دکا جگہ بہت کم پانی والی ندی دکھائی پڑی۔ یہاں سے قریب ڈیڑھ گھنٹے کی دوری پر 'پرلی وَیج ناتھ' نامی ایک پوتر استھان ہے جہاں شیو جی کے بارہ لنگوں میں سے ایک لنگ ہے۔ کافی پرانا اور بڑا مندر ہے۔ کہتے ہیں، اِس مندر کے لیے زمین حیدر آباد کے حکمراں نظام الملک نے دی تھی۔ لوگ دور دور سے درشن کے لیے آتے ہیں۔ یہاں مسلمانوں کی بھی کافی آبادی ہے۔

☆ بھابھی کی ڈائری

اس دوران ایک عجیب سی بات ہوئی۔ بھابھی کی ڈائری ملی۔ وہ ایم پی ایس سی امتحان کے لیے پربھنی گئی ہوئی تھیں۔ ایک دن مجھے فون کیا، ''ذرا میرا بی.کام کا سیٹ نمبر میرے بیگ میں دیکھو، الماری کے دروازے میں ہی ڈاکیومنٹ کا بیگ لٹکا ہے...... یا پھر ساڑی کے سیکشن میں..... ہاں..ساڑی کے سیکشن میں ہی دیکھنا۔''

سامنے ہی تھیلی تھی اور اس پر ایک ڈائری رکھی ہوئی تھی۔ الماری کھولتے ہی وہ

دکھائی دیا۔

''تمھیں پتہ ہے،

تم سے اتنا پیار کرتی ہوں۔

ہم ایک ہو نہیں سکتے۔

ہمارے ماں باپ راضی نہیں ہو سکتے،

لیکن یہ درد بھرا ہے۔''

''یہ کسی پرانے رشتے دار کے بارے میں ہے! کسی کا نام نہیں ہے!'' میں بڑبڑا کر چپ ہو رہا۔ عجیب لگا، ڈائری سامنے کیوں رکھی تھی؟ خیال آیا، 'یوں بھابھی فون نہیں کرتیں۔'

نکھل دادا کھانا نہیں کھاتا۔ اسے ان کی بہت یاد آتی ہے۔ بھابھی کو جب بھی بلایا، کہتی ہیں۔

''پیٹ میں درد ہوتا ہے۔''

''نہیں، تین مہینے تک رکنا ہوگا۔''

''ٹھیک ہے، ہو جانے دو تین مہینے۔''، وہ کہتا ہے۔

''مما وہ کہتی ہے، ایبورٹ کرنا ہے۔''، نکھل مما سے کہتا ہے۔ ''کہتی ہے، ابھی تیار نہیں ہوں۔''

''کب بولیں؟''، میں نے سوال کیا۔

''میں پربھنی ملنے گیا تب۔''، نکھل نے کہا، ''اچانک ایسے کیسے بول سکتی ہے؟ جب پتہ چلا تھا تب خوش تھیں۔ اچانک کیا ہوا؟''، میں چپ رہا۔ مجھے ان کے معاملے میں دلچسپی نہیں مگر گھسیٹا جا رہا ہوں۔ کہنا چاہتا تھا، ''میرے سامنے تو وہ، یہی بات پہلے ہی کہہ چکی ہیں کہ ایبورٹ کرانا ہے۔ میں نہیں اٹھا سکتی تکلیف۔''

''انتظار کرتے ہیں۔ درد سے بول رہی ہوگی۔''، نکھل پریشان تھا۔ مما بھی کچھ بول کر اس کی پریشانیاں بڑھانا نہیں چاہتی تھیں۔

''کچھ پتہ نہیں ہے ہمیں۔ آپ اسے لے آیئے۔'' نکھل کی طرف سے ممانے بھابھی کے مائیکے فون کر دیا۔ اس کے ڈیڈی اس کو لے آئے۔ وہ فکرمند دکھائی دے رہے تھے۔

''آپ جایئے ڈیڈی، کوئی مسئلہ نہیں ہے۔'' نکھل نے انھیں تسلی دی۔

شام کو ریشما کے پیٹ میں درد ہونے لگا۔ 'کھاندا کالونی' کے 'کرشنا نرسنگ ہوم اسپتال' میں اس کے ڈیڈی نے داخل کروایا اور لوٹ گئے۔

اس دن نکھل اور ممانے چھٹی لی۔

''بچہ دانی کا منہ کھل گیا تھا۔ گربھ پات بھی ہو سکتا ہے۔''

''ایسا ہو سکتا ہے کیا مما؟'' نکھل نے تعجب سے کہا۔ ''ریشما نے مجھ سے پہلے ہی بچہ گرانے کی بات کہہ دی تھی۔''

''یہ مجھے اس وقت کہا تھا، جب کہ پریگنینسی ٹیسٹ بھی نہیں کروایا تھا۔'' میں بولا۔

''شادی کی پہلی رات صبح تین بجے ریشما کا کال آیا تھا۔ میں نے اٹھالیا تھا۔ فون کرنے والے نے بات نہیں کی۔ دوبارہ کال آیا تھا، پھر میں نے اٹھایا نہیں اور نہ اس نے اٹھایا۔ فون بج بج کر بند ہو گیا۔'' نکھل کی آواز صاف بتا رہی تھی کہ اس کا بیوی پر اعتبار ڈانواڈول ہے۔

''ایئر ٹیل کسٹمر کیئر سے پتہ کرلے۔'' ممانے رائے دی۔

وہ فون کسی رچرڈ فرنانڈیس کے نام کا تھا۔ ایئر ٹیل کا ہی تھا۔ ریشما کا موبائل کارڈ بھی رچرڈ کے نام پر تھا۔ ایڈ آن تھا، ایک دوسرے کے لیے فری...

''ریشما، یہ رچرڈ فرنانڈیس کون ہے؟'' نکھل نے بیوی سے پوچھ لیا تھا۔

''اتنی پوچھ تاچھ۔ ضرورت کیا تھی؟'' بھابھی بولیں۔ بس اُسی دن سے انھوں نے موبائل سے میموری ڈلیٹ کرنا شروع کیا۔ سارا وقت اسی کام میں مصروف دکھائی دیتیں۔

''موبائل فون یوز کرنا بند کرو۔'' نکھل جیسے بھرا بیٹھا تھا۔ ایک دن اس نے کہہ ہی ڈالا۔ سننا تھا کہ بھابی نے اپنے موبائل کو دیوار پر دے مارا۔ اور وہ ٹوٹ گیا۔

''اتنی اکڑ دکھانے کی ضرورت کیا ہے؟ بول دیتیں، بولا ہوتا تو مانتا تھا نا!'' نکھل

روہانسا ہو کر بولا تھا۔ پریوار کا ماحول عجیب ہو گیا تھا۔ اس کے اُلٹے جوابوں سے سب پریشان تھے۔

☆ ابارشن !!

''تکلیف ہو رہی ہے۔''

''پورا بیڈ ریسٹ بولا ہے! ٹوائلیٹ کے لیے بھی نہیں اٹھنا ہے... مگر چلتی پھرتی رہتی ہو؟'' نرس نے پیار سے ٹوکا۔ ''بے بی نہیں چاہیے، بولو؟ لو انجیکشن لے لو۔''

''ابھی نہیں۔ تھوڑی دیر بعد۔''

''یہ اسپتال ہے۔ ہماری بات کو کوئی 'نا' نہیں کرتا۔'' وہ ہیڈ نرس کو بُلا لائی۔ تبھی نکھل اور مما آ گئے۔

''ساتھ نہیں دیتی، دوا وقت پر نہیں کھاتی۔ بالکل مانتی نہیں ہے، آپ کی بہو! پیٹ پر ہاتھ مت رکھو، بولا، مگر رکھتی ہے۔ یوٹرس اوپن ہے، مگر اٹھ بیٹھتی ہے۔ یہ تو ہمارے لیے ذمہ داری کی بات ہے۔ لے جاؤ، ہم چانس نہیں لے سکتے۔''، ہیڈ نرس نے ناراضگی سے نکھل کے سامنے خلاصہ کیا۔

''کیا کریں؟'' مما پریشان تھیں۔

''ابارشن کا بولتی ہے، بارہ ہفتوں میں کر سکتے تھے، اب اس سے باہر ہے نا۔''، نرس کہہ رہی تھی، ''اسپتال میں زور زور سے روتی تھی۔ پڑوس کا مریض ایک ورکر تھا۔ اس سے فون مانگ کر آدھا گھنٹہ بات کیا۔ کتنا روئی بابا۔''

''آپ آیئے بیٹی کو سمجھایئے، ابورشن کا بولتی ہے۔''، نکھل کو غصہ آیا۔ ریشما کے ڈیڈ کو فون لگایا۔

''میں نہیں بولتی، یہ لوگ بولتے ہیں۔''، اس نے فون کے پاس منہ لا کر نکھل کے سامنے ہی باپ سے جھوٹ بولا۔ ''دوا لے تو رہی ہوں۔''

''الیکشن چالو ہو رہے ہیں، نہیں آ پاؤں گا۔'' اس کے پتا نے کہا۔

''پلیز، ایک بار آ جائیے۔ بس ایک دو دن کے لیے۔ حالات ٹھیک کر کے چلے جائیے۔''مما نے بار بار بلایا، نہیں آئے۔

موکل انکل یہ رشتہ طے کرتے وقت ہمارے ساتھ تھے۔ ہم انھیں شادی میں لے گئے تھے۔ مما نے ان سے حالات کا ذکر کیا تو بولے،

''فی الحال اسے سپورٹ دو، جتنا ہو سکے دو۔''

ڈاکٹر نے ہمیں اپنے کیبن میں بلایا، کہا،''نرس انجکشن دینے گئی تھی، چلاتی ہے، ہاتھ جھٹکتی ہے۔ co-operate نہیں کرتی؟''

''آپ یہاں سائن کیجیے۔''نرس نے مما سے کہا۔

''آپ مریض کی سائن کیجیے۔''مما نے جواب دیا۔

''ٹھیک ہے۔ آپ وِٹنیس کا سائن کر دیجیے۔''

''کیا کریں؟''مما ریشما کے سامنے فون لگا کر اس کے ڈیڈی سے پوچھنے لگیں۔

ریشما کو غصہ آیا۔ وہ ہاتھ سے سلائن نکالنے لگی۔

''آپ کی عزت نہیں، مگر ہماری تو ہے۔ یہ نرسنگ ہوم ہمارے گھر کے پاس ہے۔''میں جھنجھلایا۔

وہ رونے لگی۔ مما نے ریشما کے ڈیڈی سے فون پر کہا،''ہم ریشما کو گھر لے جا رہے ہیں۔ وہ گھر جانا چاہتی ہے۔''

ریشما مما کے کان کے پاس چلائی،''ڈیڈی، میں ایسا کبھی نہیں بولی۔''

''آپ کو بیٹی دی۔ آپ کی ذمہ داری ہے......تو مار ڈالیں گے؟''، انھوں نے ریشما کی بات سن لی تھی۔

''ایک منٹ رکیے۔ میں ڈاکٹر سے آپ کی بات کرواتی ہوں۔''مما نے ڈاکٹر کے کیبن میں جا کر اس سے ان کی بات کروائی۔ ریشما نے بے حد ضد کر کے سسٹر سے اپنا بینڈیج نکلوالیا اور ڈاکٹر کے کیبن میں پہنچ کر نیچے زمین پر بیٹھ گئی۔ ڈاکٹر سے بات نہیں کی اور

نہ ہی کچھ بولی ہی۔

''دیکھیے .... یہ.............یہ...... حال ہے۔شی از ناٹ ولنگ ٹو کو آپریٹ۔''،ڈاکٹر نے کہا۔

''اس کو جو کرنا ہے وہ کرنے دو، آپ پر آنچ نہیں آنے دیں گے۔''،ڈاکٹر نے فون رکھ دیا۔مما کی گھبراہٹ دیکھ کر ان سے کہا۔

"Discharge against medical advise"،ڈاکٹر نے پیپر پر لکھ دیا۔ہم نے بیگ اٹھالیا۔ریشما روتے ہوئے سڑک پر چلنے لگی۔چپل بھی اسپتال میں ہی رہ گئے۔ وہ گھر جاکر بستر پر لیٹ گئی۔میری نانی گھر پر تھیں۔ساری رات درد نہیں ہوا۔پتہ نہیں کیا تھا،بس اُسی دن تک تھا۔نکھل سے منہ پھیر کر سوگئی۔صبح اٹھ کر سامان پیک کرلیا۔چالیس کلو کا تو ہوگا۔مما نے شادی میں پانچ بھاری کام والی ساڑیاں دی تھیں۔انھیں بھی بیگ میں رکھ لیا اور بیگ اٹھا کر باہر لے گئی۔یہ بہت بڑا سوٹ کیس تھا۔اس میں پہیے بھی لگے ہوئے ہیں...مگر اٹھا کر لے گئی۔ہم روک رہے تھے۔اسے نہیں رکنا تھا،نہیں رکی۔دروازے سے باہر نکل آئی۔

''بھابھی، پھر سے بول رہا ہوں ،تماشا مت کرو۔''، میں نے ذرا زور دے کر کہا۔نکھل نے ہاتھ کھینچا تو ہال کے دروازے پر کھڑے چیخی،

''ہاتھ مت اٹھانا۔''، وہ زمین پر لیٹ کر پیٹ پکڑ کر چلا چلا کر رو رہی تھی۔نکھل اسے گھر کے اندر لے گیا۔

''ہم تمھیں پر بھنی لے جاتے ہیں،مگر شام کو۔میں اور مما آتے ہیں چھوڑنے۔'' وہ مطمئن ہوگئیں۔

چھترپتی شیواجی ٹرمنل سے ناگپور کی ٹرین سے گئے۔انھیں چھوڑ آئے۔مما نے اس کے ماں باپ سے بات کی۔کہا،

''کسی نے نیبو مرچی گھمایا ہوگا،کرنی کی ہوگی۔''

''ایسا کچھ نہیں۔''مما نے کہا۔

انھوں نے ڈائری کا بھی بتایا۔ وہ چپ رہے۔

''آپ ہی ابارشن کی بات کر رہے ہیں۔'' ریشما کی ماں ہمیں پر الزام دھرتے ہوئے بولیں۔

''ہم اسے سمجھا کر بھیج دیں گے۔''، بھابھی کے بڑے بھائی نے سمجھداری سے مما کو روکا اور کہا۔ اس کی چھوٹی بہن بھی وہیں کھڑی تھی جس کی منگنی ہو چکی تھی۔ ہم لوٹ آئے۔ ریشما وہیں رہ گئی۔ کبھی فون نہیں کرتی، گھر والے بھی نہیں آتے۔

''آپ کا فون نہیں آیا، اس لیے میں نے کرلیا۔''، ایک بار اس کے پتا نے نکھل کو فون کیا۔ انھوں ریشما کی طبیعت کا حال بتایا اور فون رکھ دیا۔

''ایک تو وہ فون نہیں کرتے، اُس پر ایسے بھی کہتے ہیں۔'' مما بڑبڑاتی ہیں۔

نکھل فرصت کا سارا وقت بیٹھا سوچتا رہتا تھا۔ ''ڈیڑھ ماہ ہو گئے، ریشما گھر نہیں لوٹی۔ مجھے طلاق دینی ہے۔''، اچانک ایک دن نکھل نے کہا۔

ہم علی باغ کورٹ جا کر وکیل سے مل کر صلاح لے آئے۔

''نوٹس بھیج رہے ہیں۔'' مما نے ریشما کی ماں کو فون کر کے بتا دیا۔

''ہم ریشماں کو لا کر چھوڑتے ہیں۔''، انھوں نے فوراً جواب دیا۔

گھر میرا بھی ہے

''بات نہیں کرتی، کام نہیں کرتی، تو الگ جا، اس کے ساتھ نہیں جمتا۔''، نکھل سے مما بولیں۔ وہ سر جھکائے بیٹھا تھا۔

''یہ گھر میرا بھی ہے، آپ کیسے نکالیں گے۔''، بیچ میں ریشما قانون بگھارنے لگی۔

''تو میں جا رہا ہوں، آؤں گا نہیں۔''، نکھل اٹھ کھڑا ہوا۔ رات کے ساڑھے گیارہ بجے بیگ پیک کر کے وہ گھر سے نکل گیا۔ پیچھے ریشما بھی اتری۔ دونوں کے پیچھے میں بھی دوڑا۔ نیچے پہنچ کر میں نے کہا،

''جو کرنا ہے، سوچ سمجھ کر کرو، دادا۔''

''ٹھیک ہے تو خیال رکھ!'' اس نے کہا اور موٹر سائیکل اسٹارٹ کی۔ ڈھلان سے وہ اسے دھیرے سے نکال رہا تھا۔ ریشما موٹر سائیکل پکڑے ہوئے تھی۔ اِنجن کو ریز دیتے ہی ریشما گر گئی۔ نکھل گاڑی رکا کر دیکھنے لگا۔

''تم جاؤ، میں دیکھتا ہوں۔''، میں نے نکھل سے کہا اور ریشما کی طرف دھیان دیا۔

''کہاں لگا؟''

''پیٹ میں۔'' وہ زمین پر ہی بیٹھی تھی۔ سوسائٹی والے اور کمپاؤنڈ میں بیٹھی عورتیں آئیں۔

''تماشا مت کرو، چلو وِہنی!''

گھنٹے بھر بعد نکھل کا فون تھا،

''ریشما نے دوا کھائی؟''

''کہاں گئی ہے؟''

''گھنٹوں باہر رہتی ہے، فون کرتی ہوگی۔''

''یاد ہے، پچھلے مہینے وکیل نے کہا تھا کہ جوڈیشنل مجسٹریٹ کا امتحان دے رہی ہے۔ گھر بیٹھنے کے لیے تو نہیں کرتی، اگر اس کا ماضی ہے تو خوش نہیں رہ پاؤ گے۔ تم چپ رہو۔ بالکل خاموش رہو۔ جو چاہتی ہے سب دو۔ پھر بھی ٹیڑھی چال چلی تو چھوڑ دو۔''

''بچہ چاہیے، میرا بچہ۔''، تڑپ رہا ہے بھائی۔

میں سوچتا جاتا ہوں، یہاں اِس کی بھی غلطی ہے۔ دنیا داری کی سمجھ نہیں ہے کہ کیا چھپاؤں کیا بتاؤں۔

ایک ایک بات کیا پکڑ کر بیٹھ جاتا ہے۔ بھولا ہے؟

''دماغ سے فیصلہ کر، کیا چاہیے کہ کیا چاہتے ہو؟ کیا وکیل نے یہ نہیں کہا تھا؟''، میں اس کی تڑپ محسوس کر کے اسے یاد دلاتا ہوں،''وکیل نے کہا تھا نا دادا؟''

نکھل سویرے ہی گھر لوٹ گیا۔ آتے ہی مما کے قدموں میں بیٹھ گیا، بولا،''بچہ

چاہئے مجھے... میرا بچہ!.... طلاق نہیں چاہیے۔''

''بیوی کو خود نہیں بولتا، ماں کو بولتا ہے''، مما نے اس کا چہرہ اپنی ہتھیلیوں میں لے لیا۔ نکھل کی آنکھوں کے کنارے نم تھے۔ وہ مما کی گود میں سر دیے سسکا۔ وہ اس پر جھکیں اور اس کی پلکوں کو چوم لیا۔ وہ ذرا سنبھلا، بولا،

''ریشما منھ اٹھا کر بولتی ہے، آپ کا لحاظ نہیں کرتی۔ میرے باپ بھی ساتھ ہوتے تو ڈرتی نا۔ میں بھی تو اس کے باپ کا لحاظ کرتا ہوں نا۔ میرے ماں باپ طلاق والے ہیں نا۔''

''ویڑا اچھالا آیئس کا؟...... پاگل کہیں کا؟''، مما اس کے منھ پر ہاتھ رکھتی ہیں، ''بس کر اب...... بس...... بس......۔''

''اُسے ابھی پانچواں مہینہ ہے۔ اندر بچے کی کیا حالت ہے؟ جسمانی یا دماغی طور پر نارمل نہ ہو تو؟''میں سوچ سوچ کر بے قابو ہوتا ہوں۔

نکھل سے سہن نہیں ہوتا۔ وہ اٹھ کر باتھ روم چلا جاتا ہے۔ شاید وہاں بیٹھ کر خوب روئے گا...... شاید کیا...... یقیناً......۔

میں بھی بے قابو ہو جاتا ہوں۔ جذبات کی ہلچل غصے میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

''نہیں رہنا ایسے لوگوں کے ساتھ، جو سمجھتے نہیں، بات بات میں انا آجاتی ہے،'' میں مما سے کہتا ہوں، ''اِن کو گھر سے نکالو، سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

''تو بولتا ہے، گھر سے نکالو؟''، مما دکھی ہوتی ہیں۔

''آپ کا 'سی ووڈس' کا فلیٹ کرایہ داروں سے خالی کرواؤ، ہم دونوں وہاں جا کر رہتے ہیں۔''، میں بات کو دوسرا رخ دیتا ہوں۔ ''اِن کو یہیں رہنے دو۔''

تم رُکے کیوں نہیں!

بھابھی کے چھوٹے بھائی نے نکھل کو فون کیا۔

''دیدی گریں، رکے نہیں، چلے گئے؟ گھر میں کسی نے پوچھا بھی نہیں۔''

''میں بعد میں کال کرتا ہوں۔''، ہنگل دادا نے فوراً خود کو بچالیا۔

کچھ دیر بعد دوبارہ فون آیا۔

''جیتو، یہ لے بات کر۔''،

میں نے منع کیا تو بولا۔

''ٹھیک ہے مما بات کرلیں گی۔''

☆ رِنگ بابا

۲۵ ستمبر کی صبح بابا کا موبائیل پر فون آیا۔

''پہچانا؟''

''رِنگ والے بابا!''

''ہاں۔''

''اتنے دن کیا کیا؟ کہاں رہے؟''

''شرڈی میں پوجا کی۔ مایا نگری ممبئی میں سات آٹھ دنوں کے لیے آیا تھا۔ سوچا فون کروں۔ کیسا چل رہا ہے؟''

''آپ یہاں آرہے ہیں یا نہیں؟''

''سوچ رہا ہوں۔''

''صبح آجائیے۔''، میں نے انھیں بلایا۔

صبح ساڑھے سات بجے وہ میرے صوفے پر بیٹھے تھے۔

''بھوشیہ میں تم جو بھی کام کروگے... تین ویکتی مل کر مت کرنا۔ تین نمبر تمھارے لیے اشبھ ہے۔''

''یعنی؟''، میں نے چونک کر پوچھا۔

''یعنی ماں اور بھائی کے ساتھ کوئی کام مت کرو؟''

''کسی کو بھوشیہ مت دکھانا۔''، بابا نے مجھے ان سنا کردیا، ''کیوں کہ تمھارے ہاتھ

میں ایسا کچھ نہیں۔.....دکھانے سے گھٹنا نہیں، بڑھنا نہیں ہے۔اچھا ہوگا نہ برا۔''

''پیر ایک پر ایک رکھ کر مت سونا۔''

''کوئی کام پورا ہونے سے پہلے بات مت کرنا۔''

''شنی بھاری ہے۔تمہارا گرو ہنومان ہے۔ڈرو مت۔آئندہ جولائی۔اگست تک کوئی اچھا کام ہوگا اوشیہ ہی۔''

میں سوچتا ہوں، یہ بابا کہیں مجھ ہی سے بات چیت میں ہی معلومات تو حاصل نہیں کر چکے ہیں!

''آپ شرڈی کب جا رہے ہیں؟''

''کچھ دنوں میں۔''

''ٹھیک ہے، چلیے مجھے بھی کہیں جانا ہے۔''

''مجھے موبائیل چاہیے۔''

''موبائیل تو دے دیتا، مگر فی الحال میرا جاب نہیں ہے۔آج کل انٹرویو کال آرہے ہیں...اور یہ موبائیل، اب میری زندگی کا حصہ ہے۔بھگوان آئے یا کوئی.......... میں نہیں دے سکتا......۔''، پھر میں نے اپنی غلطی، اپنی دُرشتی کا احساس کر کے سدھار کیا، ''......بھگوان تو جیون دے سکتے ہیں مگر آپ کو..............۔''، میں اپنی ہی بے ربط باتوں سے سٹپٹانے لگا۔

''ٹھیک۔''

''دکشنا دو۔''، وہ ایک منٹ چپ رہ کر پھر بولے۔

''کتنا؟''

''گیارہ سو۔''

''اتنا نہیں ہے، بیس پچیس ہوں گے۔''، میں نے اندر جا کر چالیس روپے نکال کر انھیں دیے۔آج میں ان کا چہرہ غور سے دیکھ رہا تھا۔وہ بڑی توند والا، تھلتھلے بدن کا آدمی! کالی الجھی داڑھی مونچھوں سے بھرا چہرا...

''یہ انگوٹھی دے دو...''

''کیا کریں گیا!''

''تم دیکھتے جاؤ! اس وقت پرشن مت کرو...سمے آنے پر بتاؤں گا۔''

''آپ کی عمر کیا ہے؟''

''اکیس سال۔''

''ارے!'' میں چونک پڑا۔ میں تو اسے کافی بڑی عمر کا، مگرتنی ہوئی جلد والے چہرے والا شخص سمجھا تھا۔

''اس لائن میں کیسے آئے؟''

''ماتا پتا نے بچپن میں مجھے شرڈی کو دان کیا تھا۔''

''نام؟''

''بھیکو پاٹل''، میں نے بھی باتوں باتوں میں ان کی جانکاری نکال لی تھی۔ انھوں نے پڑھائی نہیں کی۔ بس شلوکوں کو رٹ لیا تھا۔ وہ کھڑے ہو گئے، سفید کرتا، دھوتی، گلے میں رُودراکش کی مالا، ماتھے پر سفید بھسم اور کم کم کی ترشول کی شکل میں ٹیکا لگائے، گورا رنگ، بھوری آنکھیں۔ انھوں نے میری انگلیاں تھام لیں اور انگوٹھی نکال لی۔ میں انھیں جاتا دیکھتا رہا۔

''اس کے بھائی کا فون آرہا ہے۔ ایسے بول کہ..........۔'' تبھی نکھل میرے پاس دوڑا آیا۔ سانس سنبھالی اور بولا، ''میں اُس سے بات نہیں کروں گا۔ لے تُو بول کہ میں کہیں گیا ہوں۔''

میں چڑتا ہوں مگر فون لے لیتا ہوں۔

''مجھے ریشما کی چنتا ہوتی ہے۔''، ریشما کا بھائی کہہ رہا تھا۔ میں اسے کچھ سمجھا دیتا ہوں...اور نکھل کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھتا ہوں۔

''جیتو، تو بات کر....مما تم بات کرو۔''، میں اپنے ہونٹ مسوڑھوں میں دبا کر

اسے چڑاتا ہوں۔

''مجھے بولنا نہیں آتا۔'' وہ خود کو بچانے لگتا ہے۔

''ایسے تو کچھ نہیں کہ تمھیں بولنا نہیں آتا۔ مما کے کندھے پر بندوق رکھ کر چلاتے ہو، ڈرپوک کہیں کے!''

''اتنا سمجھتے ہو تو بتاؤ، میری ایسی عادت کیوں ہے؟''

''کیوں کہ مزاج ایسا ہے۔ مجھے الگ رہنے کا تجربہ ہے مگر تم دوسروں پر بہت ہی انحصار کرتے ہو۔''

'بہت پیار دے، نکھل کو ایسا انسان چاہیے تھا جیون ساتھی کے رُوپ میں۔' میں سوچتا ہوں۔

''تم ہر بات مما کو کیوں بولتے ہو؟''

''تم کیا کرتے؟''

''میں سنبھال لیتا۔ میں ڈیڈ کی طرح ذمہ داریوں سے بھاگنا نہیں چاہتا۔''

''اچھا!''

''جب سے، میں اپنے بارے میں بولنے لگا ہوں، اپنا محاسبہ بھی کرنے لگا ہوں، اپنی خواہشوں اور مقصد کو طے کرنے لگا ہوں۔ پہلے سوچ منفی تھی، اب حقیقی زندگی جینے لگا ہوں۔ لوگ کیسے برتاؤ کرتے ہیں۔ کیسے رابطہ کرتے ہیں؟ کیسے رشتے بنائے رکھتے ہیں۔ اپنا مطلب پورا کرنے کو کیسے سمجھوتے کرتے ہیں، ان خالی دنوں میں تجربہ کیا۔ رابطہ بنانا آسان ہے مگر نبھا نہیں پاتا تھا... مگر اب اپنے بارے میں اچھا سوچنے والے سے بھی نبھانا سیکھ لیا ہے، اور بُرا سوچنے والے سے بھی۔ سمبندھوں میں فرق آیا ہے۔ کافی بدلاؤ محسوس کرتا ہوں۔ چھوٹے ماما جن سے آج تک بات نہیں کی تھی، اب کرنے لگا ہوں۔''

''چل زیادہ بڑائی مت کر۔'' میرا آئینہ مجھ سے مسکرا کر کہتا ہے۔

اکیلی

''دیدی کی شادی ہوگئی، میں اکیلی ہوگئی۔''، مہک نے فون کیا۔'' کچھ سوجھا ہی نہیں کس کو کال کروں۔''

''..........''

''سوچ رہی تھی ملنے آؤں؟''

''نہیں کوئی ضرورت نہیں ہے۔''

''اصل میں....''

''...تم اب مجھے فون بھی مت کرنا۔''

مہک کبھی کبھی کالج میں دکھائی دیتی ہے۔ فائنل ائیر میں ہے۔ میں نے ابھی تیسرے سال کا امتحان دیا ہے۔ چار ریگولر کے اور پچھلے سمیسٹر کے تین۔

☆ مما کا نئے ڈھنگ سے آنا جانا

کبھی کبھی مما آفس کے بعد رات بھر گھر نہیں آتیں۔ نہیں پوچھتا کہ نانی کے پاس دادر جاتی ہیں کہ چیمبور۔ مما شاید جاتی ہیں۔ ان کے ساتھ رہتے رہتے اپنے آپ سمجھوتے کرنے لگا تھا۔ یہ لوگ چڑ دلاتے ہیں۔ تب بھی نظر انداز کرتا ہوں۔ درگذر کرنا سیکھ گیا ہوں۔ آج کل مما روزانہ گھر آتی ہیں۔ ابھی کئی دنوں سے بالکل نہیں جاتیں۔ مگر شاید جاتی بھی ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ اکیلی ہوتی ہوں گی تو ضرور جاتی ہوں۔ آدھے دن کی چھٹی لے کر...شاید چودھری کے بچوں نے ان کا نئے ڈھنگ سے آنا جانا ایڈجسٹ کرلیا ہے۔

☆ سُشما

''ایک لڑکی ہے، فلم ایکٹریس ملیکا شیراوت جیسی!.......... دیکھنا ہے؟''، ٹریننگ کے دوران بریک ختم کر کے ہم اندر پہنچے ہی تھے کہ ایک لڑکا بھاگا بھاگا آیا تھا۔

''ہاں! چل دیکھتے ہیں!''، ورون نے کہا۔

''خواہ مخواہ کسی کو بھاؤ دینے کا نہیں!''، میں نے کہا۔

''چل دیکھ کر آتے ہیں، اچھی ہے تو پٹائیں گے!''

کیفے ٹیریا میں گہرے سانولے رنگ کی ایک معمولی سی لڑکی بیٹھی تھی۔ ہاں کچھ ملیکا شیراوت جیسی لگتی تھی۔

ورون کو بہت پسند آ گئی۔ کچھ دن بعد ہرش نے اسے پرپوز کیا! میں نے ورون کی طرف دیکھا۔ وہ منہ اتارے کھڑا تھا۔

''تو یہاں کیوں آیا ہے؟ پیسے کمانے آیا ہے، ہے نا! یہ سب کرنے نہیں آیا ہے! ہے نا!'' میں نے ورون سے کہا۔

''سب ہے، پر میں اسے پسند کرتا ہوں، یار!''، میرے سمجھانے پر اس نے کہا۔

''چھوڑ یار!''، اس نے اسی وقت ٹینشن چھوڑ دیا۔ ہرش کو پتہ تھا، ورون اس لڑکی سُشما کو پسند کرتا ہے، پھر بھی پتہ نہیں ایسے، کیسے کہا!''

☆ کال سینٹر کی بلیک بیوٹی

سُشما ABDO دوست ہے۔ دو سال وپرو میں رہا۔ میرے جوائن کرنے کے تین مہینے بعد وہ وہاں آئی تھی۔ تمل ہے۔ گہری سانولی ہے۔ خوبصورت آنکھیں۔ آنکھوں میں چمکیلی کالی کالی پتلیاں، ستواں ناک میرے کندھے تک آتی ہے۔ خوبصورت جمے ہوئے سفید چمکتے دانت، لمبے گھنگھریالے بال، ذہین، مہذب۔

''پتھر کے ساتھ پتھر اور پھول کے ساتھ پھول ہوں''، یہ رویّہ ہے اس کا، جو مجھے پسند ہے۔ ایسے ماحول کے لیے وہ صحیح بھی ہے۔ ایبڈو کے گروپ کے ساتھ گھومتی ہے لیکن ٹیم آؤٹنگ پر نہیں جاتی۔ اُن دنوں ہم سب نچلی منزل پر کیفے ٹیریا میں ایک آدھ گھنٹہ وقت گذارتے اور وہ بھی ہم میں ہوتی۔

اب ہم کبھی کبھی گھر پر ملتے ہیں۔ پی یوش اب اس کی زندگی میں نہیں۔ میں اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ اس کی وجہ سے سوچ میں تبدیلیاں آئیں۔ ایک بات ایسی

نہیں تھی جو وہ نہیں جانتی۔ سب کچھ بتایا، ''میرا ساتھ دو۔ بتاؤ مجھے کیا اور کیسے کرنا چاہیے۔ مضبوط ذہنی آدھار چاہتا ہوں کہ غلط ہوں، تو بتائے، کمزور نہ ہونے دے۔''

سُشما پر جوش ہے، کچھ لوگ اُسے لڑاکا کہتے ہیں تو کچھ جھگڑالو۔ سیدھے منہ پر بولتی ہے نا! مگر بڑوں کا لحاظ بھی کرتی ہے۔ ''تم گارنٹی دیتے ہو کہ لاء پاس ہو جاؤ گے تو دیکھیں گے۔ پاس نہیں ہوئے تو شادی نہیں کروں گی ہاں!''

اس نے بی اے ایم ایس کیا ہے۔ ایم بی اے کرنے کا سوچتی ہے۔ پڑھائی میں ہمیشہ اسے ستر اسّی فی صد ملتے رہے ہیں، پتہ نہیں کیسے............

''ایڈجسٹ کر پاؤ گی؟''

''جہاں تک میرا سوال ہے میں فل ایڈجسٹ کروں گی ... مگر اِس سمجھوتے میں میرے مان سمان کا سوال پھر تم دیکھنا۔''

''میں الگ رہنا چاہتا ہوں۔''

''کیوں؟''

''میں تو ایڈجسٹ نہیں کر پاؤں گا۔ ممی کا اس طرح مجھ پر مُسلط ہونا سہن نہیں کر پاؤں گا۔''

سُشما کے پتا بابے پورٹ ٹرسٹ میں ہیں۔ ڈاکس پر رہتے ہیں۔ ان کو معاشی پریشانیوں نے گھیر لیا تھا۔ ہوا یوں تھا کہ بی پی ٹی کے ایک ساتھی کو ضامن کے روپ میں انھوں نے دستخط کیے تھے۔ کمپنی سے تین لاکھ کا قرض لے کر وہ بھاگ گیا۔ انھیں چکانا پڑا۔ مہینوں گھر کی خراب حالت تھی۔ مدد کرنے کے لیے سُشما نے کال سینٹر جوائن کیا۔ مسئلوں سے باہر آ گئے، مگر سُشما نے کام نہیں چھوڑا۔ دو سال سے زیادہ وہاں نوکری کرتی رہی۔ یہ لوگ سی بی ڈی میں رہتے ہیں۔ ایک بڑی بہن اور ایک چھوٹا بھائی ہے۔ بی اے ایم ایس کرنے کے بعد سُشما نے 'لیبڈو' چھوڑا۔ اب مارکٹنگ میں جانا چاہتی ہے۔

''گھر میں بتا دو۔''

''جب چاہے منوالوں گی۔''

''کیا حرج ہے؟''

''بتا تو دوں گی مگر بڑی بہن کی شادی ہونی ہے۔ وہ پچیس سال کی ہے۔''

سُشما مجھ سے تین سال چھوٹی ہے مگر اچھے خاندان کی اور سنسکار والی ہے۔ ان کے پریوار کی ایکی اور یگانگت کو دیکھ کر اچھا لگتا ہے۔ میرے بارے میں اس کی بہن کو پتہ ہے۔

''تم مجھے بہت اچھی طرح جانتے ہو..!'' وہ دانت چمکا کر مسکرا دیتی ہے۔

''تمھیں دیکھ کر لگتا ہے کہ تم مجھے بدل سکتی ہو۔'' میری آنکھیں چمکنے لگتی ہیں۔

''اور جو کمیاں ہیں، وہ؟''

''مجھے بدلنا ہے تم جیسا بننا ہے۔ بناؤ گی نا؟'' سُشما دھیرے دھیرے میرے معاملات میں شامل ہوتی گئی...... پوچھتی ہے، صلاح دیتی ہے۔

سُشما جو کہتی ہے صحیح لگتا ہے کیوں کہ ایک مضبوط بندھنوں والی فیملی چاہتا ہوں۔ میرا پریوار تب بنے گا جب کوئی ایسا آئے جو سمجھا سکے کہ فیملی کیسی ہوتی ہے، پریوار میں کیسے جیا جاتا ہے، کیا کیا کرنا پڑتا ہے؟ کیسے نبھانا پڑتا ہے؟

سُشما ذہین ہے۔ کال سینٹر میں کام کرتے ہوئے بھی بہتر فیصد نمبر لائی ہے۔ اس کے ڈیڈی نے منع کر دیا ہے، اس لیے اب جاب چھوڑ دیا ہے۔ بس سال ڈیڑھ سال ہی کام کیا ہوگا۔ ایجنٹ ہی تھی۔ ابھی ابھی کالج جوائن کی ہوئی بچی جیسی! ہنسی، مذاق، اپنی دھن میں رہنے والی لڑکی!

''ہے بلیک بیوٹی!'' میں اسے یہی پکارتا۔ خوبصورت ناک نقشہ۔ چمک دار آنکھیں اور چمکنے لگتیں۔

سُشما سے ملنے کے بعد رشتہ داروں کے ساتھ دوبارہ رشتے بنانے کے لیے، ان سے رابطہ کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔

''میں اپنی شادی کے لیے ماں باپ پر منحصر ہونا نہیں چاہتا۔ نکھل نے اپنی شادی

میں کم پیسے خرچ کیے۔ سارا خرچ مما نے کیا تھا، 'آپ کو کیا ضرورت؟ اس کو شادی کرنی ہے، اپنے دم پر کرے'، میں نے تب کہا تھا۔''

''اپنی شادی میں سب کو بلاؤں گا، ڈیڈ کے علاوہ ان کی دونوں بیویوں کو بھی۔ سب کی ایک ساتھ تصویر لوں گا۔''

''ہاں ہاں کیوں نہیں!'' سشما خوش ہوئی تھی۔

''فی الحال سب سے باہر نکل کر ایک ٹھہراؤ بھری زندگی شروع تو کروں۔ اکیلا رہوں گا، ڈیوٹی نبھاؤں گا۔''

''سیٹل ہونے پر تو میں گھر رہنا پسند کروں گی۔''، سشما کہتی ہے، میں چونکتا ہوں۔

''ضرورت کے حساب سے.........''، میں نے کندھے اُچکائے۔ انکم ہو تو اچھا ہے ورنہ اچھا تو یہ ہے کہ بیوی گھر پر ہی رہے۔ شروعاتی دور میں گھروندا بنانا ہے، چاہوں گا کہ بیوی ہاتھ بٹائے۔ سپنا تبھی پورا ہوگا، جب اس پر کام کریں۔ جسمانی طور سے تیار ہو رہا ہوں، ذہنی روپ سے بھی ہو ہی جاؤں گا۔ کوئی بات کرتا ہے تو سنتا ہوں، فوراً ردعمل نہیں ظاہر کرتا، پہلے سامنے والے کی بات سن لیتا ہوں۔''

''دیکھ رہی ہوں۔'' وہ میرا ہاتھ تھام کر تیز قدموں سے سڑک پار کرنے لگتی ہے۔

تیرے بھائی نے یہ غلط کیا

مما کو نکھل کو اپنی طرف کھینچنے کی ضرورت نہیں تھی کیوں کہ اس کے پاس متبادل نہیں تھا کہ ڈیڈی اچھے یا مما! کہاں رہوں؟......... یہ کشمکش نہیں تھی......... مما ہی تھیں۔ ایڈجسٹ کرلیا۔ ماما دھیان رکھتے۔ نکھل کو چھوٹے ماما نے سات مہینے کام پر رکھا۔ اُن دنوں وہ بوریولی میں انھیں کے گھر رہتا تھا۔ نویں میں جب وہ گھر چھوڑ کر گیا تھا، تب کی بات ہے۔ اس نے ماما کے گھر سے ڈھائی ہزار روپے چوری کیے۔ کپڑے اور جوتے خریدے۔ ماما نے نانی کے گھر بھجوا دیا۔ مامی نے بتایا تھا۔ مجھے وہ نہیں بتاتا ہے۔ ہر بات مما کو بتاتا ہے۔ مما نے بھی کبھی بتایا نہیں کہ ''تیرے بھائی نے یہ غلط کیا۔''

نکھل سے میری کبھی نہیں بنی۔ محدود بات چیت تھی۔ چھ سات سال بات بھی

نہیں ہوئی۔فون پر بھی نہیں۔اتنے برسوں میں بیس پچیس بار ملے ہوں گے۔بچھڑنے کے بعد سے آج تک ہم کبھی ایک دوسرے کے گلے نہیں لگے۔مما بھی ہمیں کبھی گلے نہیں لگاتیں۔

''کائے رے۔جیولاس کا؟''یعنی' کیا رے! کھانا کھالیا کیا؟

ایسے ہی کچھ کام ہو تو بات کر لیتے ہیں۔

آج دن بھر میں نکھل نے چار بار فون کیا۔دیکھنے کو، کہ میں گھر گیا کہ نہیں، تا کہ بھابھی کے بارے میں بتا سکوں۔

''بھابھی خوش نہیں ہیں۔''

''میں میرج کاؤنسلر کے پاس گیا تھا۔''وہ مجھے بتاتا ہے۔

''ڈرپوک، جذباتی، emotional fool! صرف ماں، بھائی اور بیوی پر رعب دکھاتا ہے!''میں کہنا چاہتا ہوں مگر کہہ پاتا ہوں کہ،

''یہ جو کر رہے ہو، سوچ سمجھ کر کرو، کیوں کہ تمھارا ہر قدم ڈیڈ کے اور مام کے ساتھ جا رہا ہے۔''، میں نکھل کو جی جان سے سمجھاتا ہوں،''دادا، طلاق ہو گی تو دوسری کر لینا؟''

''مطلبی مت بن!''، وہ فون کھٹ سے رکھ دیتا ہے۔

''ملنا چاہتا ہوں۔''، ڈیڈی سے فون پر بات کی۔

مگر بیکار ہے۔صرف خبر پوچھیں گے۔

سچ کوئی مطلب نہیں۔نقصان زیادہ ہوگا.......... پریوار کے کسی فرد کو بتا تو سکتے ہیں۔مگر سنتے ہی شاید وہ پوسٹ آفس جا کر مما کو بول دیں۔

''تونے بیٹے کی زندگی برباد کر دی۔''..........

☆ لڑکی میں ماں

''سوچا نہیں تھا کبھی کہ تم ہم جوائن کرو گے۔''سشما میری قابلیت آگے بڑھانے کو تحریک دیتی ہے۔میں اسے تکتا ہوں، وہ میری آنکھوں میں جھانکتی ہے،

''تم بچپن کی ماں کو ہر لڑکی میں تلاش کرتے ہو؟...... ہے نا!''
وہ گہرا مسکراتی ہے! پھر بات بدل کر کہتی ہے، ''جم جانے سے تمھارے چہرے پر خود اعتمادی آئی ہے، بالکل نیچرل۔''

☆ چونا بھٹی سوسائٹی گارڈن میں میٹنگ

پرسوں ریشما کے پتا اور چھوٹا بھائی آئے تھے۔ یقیناً وہ بیگ پیک کر کے لے جانے آئے تھے۔ موکل کاکا نے ہمیں اپنے گھر بلایا تھا۔ ان کو ثالث بنایا گیا تھا۔ وہاں چونا بھٹی کی اس بڑی سی عمارت کی سوسائٹی کے گارڈن میں تیس تاریخ کو میٹنگ ہوئی۔
''نہیں رہ پاؤں گی۔'' ریشما بولیں۔
''کیوں؟'' نکھل نے سیدھے اسی سے سوال کیا۔
''یہ لوگ مجھے گھر میں اکیلے چھوڑ جاتے ہیں۔'' وہ اپنے گھر والوں کی طرف دیکھ رہی تھی۔
''گھر میں کوئی دھیان نہیں رکھتا، کھانے کے لیے کچھ نہیں ہوتا۔ اسی لیے بچے کو جیسے بڑھنا چاہیے، ویسا نہیں ہو رہا ہے۔''
''ریشما کہتی ہے، جیتو دوستوں کو گھر بلا کر شراب پیتا ہے۔'' ریشما کے بھائی نے بہن کی طرف سے سارے الزام لگا دیے، ''پتہ ہے مجھے...ریشما مجھے فون کر کے شکایت کرتی رہتی تھی۔''
''ہر بات میں جھوٹ۔'' میں نے کہا۔ خیال آیا مائیکے والے انھیں کا ساتھ دیتے ہیں۔ ہمارا نہیں سنتے تو ایسا ہوگا ہی۔ میں نرم پڑ گیا۔
''دیکھیے .... ایسے پیش آتی ہے۔ بات نہیں کرتی۔ میں پوچھتا ہوں کھانا کھاؤ گی کیا؟ درد ہے کیا؟ جواب میں چپ...... بات کرنے کے بھی راستے بند کر دیتی ہیں۔'' ممانے جواب دیا۔
''تو کیا کہے گی؟''، کہہ کر ریشما کے گھر والے بھی چپ ہو جاتے ہیں۔

"پھر وہ کہتی ہے کہ ہم اس سے بات نہیں کرتے۔" نکھل نے کہا۔

"مجھے تم سے پیار نہیں، تم پر وشواس نہیں۔ بچ مت کرو۔' کوئی ایسے کہتا ہے، پتی سے؟ یہ کہتی ہے میرے بیٹے سے۔" مما نے شکایت کی۔

"بائیک سے نکھل دادا نے جان بوجھ کر گرا دیا تھا۔" بھابھی کا بھائی اپنی ہی کہتا ہے۔

"آپ اسے سمجھائیے...." مما سیدھے اس کے پتا سے کہتی ہیں۔

"سمجھائیے وغیرہ کچھ نہیں، لے جائیں گے۔" ریشما کے پتا بولے۔

چھوٹے ماما پہلی بار ہمارے ساتھ آئے تھے، ورنہ وہ تو جہاں جانا چاہیے وہاں بھی نہیں جاتے۔ جب حد سے زیادہ ہو گیا تو مما سے بولے، "دیدی! تم چپ رہو۔ ہم بات کرتے ہیں۔"

پہلے بڑے ماما ہی بات کرتے تھے۔ مگر اب وہ نہیں بولے۔ میں بولا تو چپ رہنے کو کہا۔ چھوٹے ماما دیر تک سمجھاتے رہے۔ پھر خاموش ہو گئے۔

"ہم لوگوں نے فیصلہ کیا ہے، ریشما کو لے جائیں گے۔" ریشما کے بھائی نے کہا۔

چھوٹے ماما نے ذرا سا سوچا۔ پھر سیدھے ریشما سے بولے،

"بہو۔ رہنا ہے تو تھوڑا وقت لو...... نہیں پسند ہے، تو بولو، سوچیں گے۔"

"ابھی کچھ نہیں، کہہ سکتی .... تھوڑا وقت چاہیے .... یہاں فیصلہ نہیں کر سکتی۔" ریشما نے جواب دیا۔

چھ مہینے بھی نہیں ہوئے، شادی کو۔ پچھلی بار بھابھی سب لے گئی تھیں۔ آئیں تو کم سامان لے کر آئیں۔ اندازہ ہے، ضرور واپس جانے کے ارادے سے نہیں لوٹی ہوں گی۔

مجھے وہ یاد آیا... سچ، ان کو تو اپنے سوا کسی کا خیال ہی نہیں۔ میں تو کسی گنتی کا ہی نہیں!.... مما وار کری ہیں۔ وشنو پنتھی ہیں۔ انڈا بھی نہیں کھاتیں، مگر بنا دیتی ہیں۔ اس دن مما نے باجرے کی موٹی موٹی دو بھاکری بنائی۔ ایک نکھل لے گیا۔ بھابھی نے انڈا اتلا اور دوسری بھاکری کے ساتھ کھا کر سو گئیں۔ میں بھوکا رہ گیا۔ میں نے ہفتے بھر ان سے بات نہیں کی۔ ایسے تیور۔

"انڈے کے چھلکے پڑے ہیں، صاف نہیں کر سکتی تھیں؟......کون صاف کرے گا؟" شام کو مما جب گھر لوٹیں۔

"میرا باپ آ کے صاف کرے گا۔"

میں گارڈن کی اُس میٹنگ میں کچھ نہیں بولا، مگر مما نے کہا تھا، "اپنا کھانا خود بنا کر کھا جاتی ہے۔"

"وہ بات مت نکالو۔ احسان نہیں کیا، کھاتی بھی ہوں تو یہ نہیں بول سکتیں کہ کھلا رہی ہو۔" ریشما بڑبڑ کیے جا رہی تھی، میں نے مما کا ہاتھ پکڑا اور کہا "جانے دو، تم میرے ساتھ چلو۔ سب بے سر پیر کی باتیں ہیں۔"، مجھے بہت برا لگا تھا۔ مما مسئلے کیوں اٹھاتی ہیں، جب کہ آج اس کے حل کی ضرورت ہے۔ حل کے بارے میں سوچنا چاہیے۔

"مما آپ اُٹھ جائیے یہاں سے۔"، میں نے بار بار کہا، آخر ہاتھ پکڑا اور کھینچ کر لے گیا۔

"تمھاری بیوی ہے تم سنبھالو، مما کو بیچ میں نہ گھسیٹو۔" دادا کی حالت کیسی تھی، جسے بیان کرنے کے لیے الفاظ نہیں ہیں۔

☆ واپسی:۔

"دیکھو، پلان کر کے سب کیا ہے۔ ڈائری یاد کرو۔ اوپر سے بول رہی ہے کہ ہمیں وشواس نہیں۔" ہم دونوں گیٹ کے باہر موٹر سائیکل کے پاس تھے۔ نکھل بڑبڑا رہا تھا، اس کے دل کو چوٹ پہنچی تھی، "شاید نوکری بھی جائے گی۔ جھنجھٹ سے فرصت نہیں ملتی۔"

"لمبے لمبے بریک جو لے رہے ہو۔"

"کیوں کہ فون پر مما سے یا کسی رشتے دار سے مشورے کرتا رہتا ہوں نا!"

"...مگر بات جب تمھارے بس سے باہر ہو جاتی ہے تو مما سے بولتے ہو کہ، 'آپ سنبھالیے'...ہے نا!"

میٹنگ کے بعد ہم دونوں بھائی اپنی اپنی بائیک پر چونا بھٹی سے نکلے۔ اسٹیشن سے ساحل کو لیا۔ وہ ہمارے ساتھ کے لیے وہاں ٹھہرا ہوا تھا۔ میں نے اسے اپنے ساتھ بائیک پر بٹھالیا۔

''مجھے یہاں دیر لگے گی۔ اپنی بائیک چھوڑ جا۔''، ساحل بولا۔ اسے واشی میں کوئی ضروری کام تھا۔ میں بھائی کے ساتھ اس کی بائیک پر بیٹھ کر نکل گیا۔

نکھل مال میں برانڈ انچارج ہے۔ واشی میں ان آربٹ مال کی دوکان میں نوکری کرتا ہے۔ بیچ بیچ میں اسے کبھی کبھی ملنڈ، گھاٹ کوپر کے درمیان کانجور مارگ کے مال میں بھی بھیج دیا جاتا ہے۔ ان دنوں وہ کبھی بھابھی کو اسپتال لے جانے کے لئے چھٹی لے رہا ہے، کبھی فون کر کے بتا رہا ہے کہ لیٹ آؤں گا اور ایک دو گھنٹے لیٹ ہو رہا ہے۔ گیارہ بجے دوکان کھلتی ہے، دوکان اسی کو کھولنا ہوتا ہے۔ وہ شاپ انچارج ہے۔

''لیٹ آتے ہو۔''

''فون کالس بہت کیے۔ بل بہت زیادہ آیا۔ بریک پر زیادہ جاتے ہو؟''

''کیا کریں تمھارا؟''، باس بار بار بولتے ہیں۔

گھر پہنچے، یاد آیا کہ گھر کی چابی میری بائیک کی کی چین میں رہ گئی، اور بائیک ساحل کے پاس واشی میں!

''اُف! کیا کریں؟''

ہمارے اور پڑوسی کا کامن ٹیرس بھی بند تھا، اور اس کی چابی ان کے پاس نہیں تھی، ہمارے گھر میں تھی۔ پڑوسی آنٹی سے کہہ کر ان کی بالکنی میں رکھی الماری پر چڑھ کر میں چھت پر پہنچا اور اپنے گھر کی طرف آ گیا۔ چھت سے جھانکا، لگ بھگ دس فٹ کی اونچائی ہوگی۔ کودا۔ بچپن میں خوب کود پھاند کرتا تھا۔ ہمارے گھر میں فرش پر کوبا کیا ہوا ہے۔ سیمنٹ کا فرش تھا۔ دونوں پیروں کی ایڑی کے پُٹھے سکڑ گئے تھے، پیر ہلا نہیں پا رہا تھا۔ کھڑا نہیں ہوا جا تا تھا۔ رینگ کر گیا اور دروازہ اندر سے کھولا۔ پیروں پر ریلی اسپرے لگایا۔ رات میں مجھے تیز بخار چڑھا۔ کمبل میں سونا پڑا۔ ڈاکٹر کے پاس نہیں گیا۔

''ارے! وہاں گارڈن میں موبائیل چھوڑ دیا''، صبح اچانک نکھل کو یاد آیا۔

دروازہ کھلنے کے پندرہ منٹ کے بعد ریشما کے گھر والے آئے اور اس کے پانچ منٹ بعد ساحل آیا۔ ریشما کا سامان تو پہلے سے ہی بندھا ہوا تھا۔ کھلا ہی کہاں تھا۔ انھوں نے گھر سے میڈیکل رپورٹ کی فائل لی۔ شادی کا البم لیا اور ڈاکٹر سے آخری بار مل کر جانے کے لیے نکلے۔ ہم اوپر سے دیکھ رہے تھے۔ نکھل کا چہرہ دیکھا۔ لگ رہا تھا کہ ابھی رو پڑے گا۔

''دیکھو، وہی نہیں چاہتی کہ رکے۔ کچھ بھی کرو، نہیں ہوگا۔''

''آگے جا کر کیا کرے گی؟''

''بچہ رکھے گی یا نہیں؟''، کتنے سوال اس کے ہونٹوں پر تھے۔

''انھیں کرنے دو، جو کرتے ہیں۔''، میں نے چڑ کر کہا، ''تم صحیح ہو تو کوئی کچھ نہیں کر پائے گا۔''

''میڈیکل رپورٹ لے گئی ہے۔''

''تین مہینے پر abort کرنا چاہتی تھی اس لیے ڈاکٹر نے Discharge against medical advise لکھا تھا۔'' اچانک مما کو یاد آیا کہ میڈیکل رپورٹ کا ثبوت تو وہی لیے جا رہے ہیں۔ انھوں نے جلدی سے کہا، ''نکھل تو جا، زیراکس انھیں دے کر اوریجنل پیپر لے آ، چل جلدی جا۔''

وہ لوٹ رہا تھا کہ دروازے میں ایک جملہ اس کے کانوں سے ٹکرایا، ''زیور لے لیے کیا؟'' پڑوسن آنٹی نکھل کو دیکھ کر اس طرح پوچھ رہی تھیں جیسے انھیں بڑی فکر ہو۔

''انھوں نے سامان دیا تھا، زیور نہیں دیے تھے۔''

نکھل نے چھوٹا سا جواب دیا اور دوبارہ پلٹ کر گھر میں گھس گیا۔

''تمھیں یاد ہے دادا پورا وقت IPC ایک دیکھتی رہتی تھی۔

''.M.P.S.C امتحان کے لیے..........''، دادا نے چونک کر مجھے دیکھا۔

''اس دن کتاب میں پیپر تہہ کیا ہوا رکھا تھا، چیپٹر تھا۔ 'گرفتاری کیسے کی جائے!'

''میں سمجھتا ہوں کہ دونوں نے ایک دوسرے کو وقت نہیں دیا۔ پہلے ایک دوسرے کو سمجھ لیتے۔ پھر بچوں کی پلاننگ ہوتی۔ نہیں کہتا کہ غلطی کسی ایک کی ہے، کہیں نہ کہیں دونوں کی ہے۔ جو غلطیاں ڈیڈ نے کیں، وہ تم کیوں کر رہے ہو؟''، میں بھائی سے صاف کہہ دیتا ہوں۔

''میں نے کیا کیا؟'' وہ معصومیت سے جواب دیتا ہے۔

''جو باتیں خود حل کرنی چاہئیں، اسے بھائی اور ماں سے کہتے ہو۔ وہ بھی اپنے گھر والوں، دوستوں سے کہتی ہونگی، رائے لیتی ہوں گی۔''

مما جس دور سے گذریں، سب سے صلاح لیتی ہیں، جیسے چودھری، موکل، پریس رپورٹر گونڈا، پچاسی سال کے ہنڈے، جو پڑوس کی سوسائٹی میں رہتے تھے۔ یہ لوگ، جنھیں ہمارے ڈیڈ نہیں مانتے، مما سب سے صلاح لیتی ہیں۔ ان سب سے مما کا نظریہ بنتا ہے۔ مسئلوں پر صلاح لیتی ہیں۔ نکھل کے معاملے میں بھی وہ گھر آ کر صلاح دیتے ہیں۔ نکھل کی غلطی ہے۔ وہ خود اپنا فیصلہ نہیں کرتا۔ دوسروں کے فیصلے الگ الگ ہوتے ہیں۔

''ابھی سے پولیس کمپلینٹ کر کے رکھو۔ آگے چل کر انھوں نے ہمارے خلاف شکایت کر دی تو، کچھ نہیں کر پائیں گے۔ 498 ایسا سیکشن ہے جس میں عورت ذہنی یا جسمانی تکلیفوں کی شکایت کرے، تو پولیس سیدھے اس کے گھر آتی ہے۔ شوہر اور گھر والوں کو اٹھا لے جاتی ہے۔ جب تک وہ ثابت نہیں کرتے کہ ہم معصوم ہیں، بے گناہ ہیں۔ حوالات میں اندر رکھتے ہیں۔ جہیز کی کوئی بات ہی نہیں ہوئی تھی۔ یہ سیکشن پوری طرح عورتوں کے حق میں ہے۔ شکایت جھوٹی ہی کیوں نہ ہو، بنا وارنٹ کے لے جاتے ہیں۔'' شاید انھوں نے ہی ڈیڈ کے خلاف مما کو 498 کے لیے اکسایا ہوگا۔

اب نکھل پریس رپورٹر گونڈا کاکا کے ڈھنگ سے سوچ رہا ہے۔ ہنڈے کاکا اور موکل کاکا کہتے ہیں، ''اسے تھوڑا وقت دے۔ خود تیرے دل میں کشمکش بہت ہے۔''

جب یہ باتیں چل رہی تھیں، نکھل کے برتاؤ پر مجھے غصہ آ رہا تھا۔

یاد آیا۔

ایک بار بھابھی اکیلی تھیں، نکھل نے فون کیا تھا۔

''موکل کا کا اور کا کی کا فون آیا تھا۔ شاپنگ کے لیے جا رہی ہیں، تمھیں لے جانا چاہتی ہیں، چلی جاؤ......... جاؤ گی؟''

''ہاں۔''

مگر شام کو جب دونوں اسے لینے آئے، نہیں گئیں۔

مجھے شدت سے ڈیڈی کی یاد ستانے لگی تھی۔ اسی وقت ڈیڈی کا فون آ گیا،

''میری گاڑی کے ٹائر نکلے ہو گئے ہیں۔ بدلوا دے گا؟''

''کیا ہوا؟'' میں نے دل ہی دل میں ان کی لمبی عمر کے لیے دعا کی۔

''ٹائر سپاٹ ہو گئے ہیں۔''

''...آتا ہوں۔'' میں خوش ہوا۔ ان کو میری یاد آئی تھی۔ فوراً نکل پڑا۔ ایرولی کے پل کے پاس دھیرے سے بریک لگایا۔ سامنے مہک کھڑی تھی۔ skid ہوا، سنبھل گیا۔

''مجھے نکالنے کی کوشش کر رہے ہیں۔''، ہم گارڈن سے نکلے تو نکھل ماما سے کہہ رہا ہے، ''پتہ نہیں کیا ہونے والا ہے۔''

''انھوں نے کچھ کہا کیا؟''

''نہیں۔''

''پھر؟''

''میں خود چھوڑنا چاہ رہا ہوں۔ سہن نہیں ہو رہا ہے۔''، نکھل بائک پر بیٹھے ہوئے مجھ سے کہہ رہا ہے۔

''دادا، تم الزام لگا رہے ہو۔''

''زندگی میں میرے ساتھ جو ہو رہا ہے، فوکس نہیں کر پا رہا ہوں۔''، وہ بائیک کو دائیں طرف موڑتا ہے۔

''جاب کو جاب رکھو۔ ذاتی زندگی سے الگ رکھو۔'' میں مشورہ دیتا ہوں، ''تم نے نوکری کی جگہ کا فون بے دھڑک استعمال کیا۔ دماغ خود چلاؤ۔ اپنی غلطیاں قبول کرو۔''

''ہاں، ہو گئیں غلطیاں۔ حالات ہی ایسے ہیں۔''

''سوچ سے حالات کو بدل بھی سکتے ہیں۔''، نکھل سمجھتا نہیں۔

☆ دادا نر بھر

نکھل دادا تھوڑا است ہو گیا ہے۔ کوئی کام اچھی طرح سے کر نہیں پاتا۔ دادا کو دنیاداری نہیں آتی۔ پہلے مجھے دادا اور مما کے تعلقات کا تفصیل سے علم نہیں تھا۔ اب اندازہ لگا سکتا ہوں۔ دادا کسی بات پر خاص دھیان نہیں دیتا۔

''رجسٹریشن کرانا ہے۔''، کہے گا۔ جانتا ہے، ضرورت بھی ہے۔

''ہو جائے گا۔''، دھیان نہیں دیتا یا علم نہیں کہ کس کام کو اہمیت دیں۔

''مما نے تمھیں کوراَپ کر کے رکھا تھا۔'' میں اس کی بے نیازی پر افسوس کرتا ہوں۔

پہلے کچھ دن دادا کے پاس مما نہیں ہوتی تھیں۔ مگر اس کے پاس ایک ہی متبادل تھا۔ وہ ۱۹۹۶ میں ہی مما کے پیچھے گھر چھوڑ گیا تھا۔ ڈیڈی اسے اتنا مارتے تھے کہ خوف سے بھاگ گیا۔ مما نے اسے کبھی نہیں دُکھایا۔ وہ اپنی ڈیوٹی سنبھال کر عدالتی معاملے سنبھالتیں۔ نکھل پر دھیان نہیں دیا۔ آجی خیال رکھتی تھی۔ کھانا بنانا، کپڑے دھونا، سب کچھ۔ اسی لیے آج بھی اُسے نانی سے زیادہ لگاؤ ہے۔ نکھل دادا مما سے زیادہ بات چیت نہیں کرتا۔ مگر پیسے کپڑے ضرورت پر انھیں سے مانگتا اور اسے ملتا ہے۔ اس نے روپاریل کالج میں داخلہ لیا۔ پڑھائی کا پورا خرچ مما نے کیا۔ یہ اور بات ہے کہ وہ زیادہ پڑھ نہیں پایا۔ اب آجی دادر میں اکیلی ہیں۔

بے غرض جذبات کا یہ سیدھا سادا لڑکا، بہت سمارٹ دکھائی دیتا ہے۔

"تو راج ٹھاکرے جیسا لگتا ہے۔ چشمہ بھی ہو بہو ویسا ہی ہے۔"، میں اس سے کہتا ہوں۔ وہ ڈیڈی کی طرح بلکہ ان سے زیادہ گورا ہے۔ مجھ سے ایک انچ اونچا یعنی پانچ فٹ چھ انچ، ذرا سا گول مٹول۔ تم دونوں میں فرق۔" مما کہتی ہیں، "... فلم 'گورا اور کالا' کے راجیندر کمار جیسا ہے۔"

"مجھے تو ڈیڈی سب سے زیادہ ہینڈسم لگتے ہیں۔"

☆ منی محل

اُس دن آفس کے بعد ہم نیرول کے منی محل بار گئے ۔ ہمارے ساتھ ڈیلی کاکنگ ڈپارٹمنٹ کے تین لوگوں نے بھی جوائن کیا۔ سب نے پیگ منگوایا۔ "میں نہیں پیتا۔" میں نے منع کر دیا۔

"نہیں پیتے؟"، باقی تینوں پیتے رہے۔

سارنگ میری بغل میں بیٹھا تھا۔ بولا، "آج تو پینی پڑے گی۔"

"میرا تو ارادہ نہیں۔"، مگر انھوں نے پیگ بنا کر سامنے رکھ دیا۔ کچھ دیر بعد میں نے گلاس اٹھالیا اور اپنے پیر کے پاس شراب لڑھکا دی۔

"پیا نہیں۔" سارنگ نے دیکھ لیا تھا۔

"نہیں، موڈ نہیں۔"، میں نے جواب دیا۔

"پیتے نہیں؟"

"پیتا ہوں .... چنندہ لوگوں کے ساتھ پیتا ہوں۔...... تمھیں دیکھ کر تو نہیں لگتا کہ تم اسموک کرتے اور شراب پیتے ہوگے!" میں مسکرایا۔

"بہت سیدھا لگتا ہوں نا! مگر تمھیں دیکھ کر کب لگتا ہے!" اس نے میرے ہاتھ پر جوش سے تالی دی۔ ہم دونوں قہقہہ لگا کر ہنسنے لگے۔

"ہاں، ہوتا ہے بھائی! کبھی کبھی حالات انسان کو ایسا بنا دیتے ہیں۔"

مجھے لگنے لگا تھا کہ سارنگ اچھا دوست بننے کے لائق ہے۔

☆ داؤ پیچ

اُن دنوں میں سی ووڈس میں تھا۔ مما کم آتی تھیں۔ اکیلا تھا۔ سارنگ نے مجھے اپنے گھر دو بار کھانے پر بلایا۔ سی ووڈس اسٹیشن کے قریب ایک خوبصورت سی عمارت میں پوری اوپری منزل اُسی کی تھی۔ اپنی زمین بلڈر کو دے کر اس نے یہ گھر حاصل کیا تھا۔ اسکا گھر دیکھ کر لگا، سارنگ کے پاس زمینوں کا پیسہ بہت ہے۔ کھانے میں مچھلی تھی، نئی ڈش یہاں کھائی۔ سارنگ آگری یا کولی تھا۔ ان لوگوں میں اچھی بات یہ ہوتی ہے کہ یہ گروپ بنا کر رہتے ہیں۔ ایک کو تکلیف ہوئی، سب ساتھ ہوتے ہیں۔ ہم بھی کسی کی ٹانگ تو نہیں کھینچتے مگر ہماری کمزوری یہ ہے کہ منشیات میں پڑ جاتے ہیں، پھنس جاتے ہیں اور آسانی سے توہمات کے شکار ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے بڑی ترقی مشکل ہو جاتی ہے۔ ویسے تو یہاں ہماری چار ہزار ذاتوں کی چالیس ہزار پر جاتیاں موجود ہوں گی۔

بعد میں سارنگ ہمارے پنویل کے گھر بھی آیا تھا۔ آڈٹ کے درمیان کام کا بوجھ کافی بڑھ گیا تھا۔ میں روزمرہ کے کام باقاعدہ سنبھالتا۔ وہ رپورٹ یعنی آڈٹ کا کام کرتا۔

''مجھے دکھاؤ کیا اور کیسے کرتے ہو؟''، میں کام دیکھتا ضرور مگر مجھے لگتا، وہ تھوڑا بہت بتا دیتا ہے۔ مجھے اطمینان نہیں ہوتا۔

''ہم کو Internet site چاہیے۔ جہاں کانٹریکٹ ڈیٹ، اپ ڈیٹ کر سکیں، کیوں کہ دستاویز. P.D.F فائل میں آتے ہیں۔ Hard Disk کا اسپیس پورا فل ہو جاتا ہے۔ اس لئے ہم نے پوری جانکاری دے کر اسے کر آئی ٹی ٹیم سے اِنٹرنیٹ پر آفس کے اندر ٹرانسفر کروادیا۔

''''کوئی ڈیٹا اینٹری کرنے والا چاہیے۔ آڈٹ کا کام ایسا ہوتا ہے کہ بڑی تیزی کے ساتھ ڈیٹا انٹری کرنا پڑتا ہے۔ اِس کام کے لیے کوئی پہچان والا ہو تو دیکھو''، ایک دن سارنگ نے مجھ سے کہا۔

''آڈٹ اور روزانہ کے کام میں مدد کرنے کے لیے میری پہچان کا ایک بندہ تو

ہے۔ کانٹریکٹ میں کام کرے گا یا نہیں،... پوچھوں گا۔''

☆ سُشما یدھا میں

میں نے سُشما سے پوچھا،
''....ایسا... ایسا.... جاب ہے، نائٹ شفٹ ہے۔''
''پھر سے نائٹ شفٹ؟''
''ارے تم تو 'لیبڈ وٗ' کی بلیک بیوٹی ہو!''
وہ ہنسی۔
''کانٹریکٹ بناؤں، کام کرو گی؟''
''ٹھیک ہے۔''

سُشما نے کمپنی جوائن کی۔ میں نے سارنگ سے اس کا تعارف کرایا۔ سارنگ، میں اور سشما، گروپ آؤٹنگ کے لیے جاتے، فلم دیکھتے، مٹر گشتی کرتے، سُٹّا مارتے، کھار گر ہلس یا نشی لینڈ پارک ہر جگہ ساتھ رہتے۔ ہم ایک گروپ کی طرح رہتے۔

☆ بھیا

''پتہ ہے آج ہمارے علاقے کے مارکیٹ میں گاؤں والی عورتیں ایک بھیا کو مار رہی تھیں۔'' سشما بتا رہی تھی۔
''کیوں؟''
''کیوں کہ ان کے ایریا میں مچھلی بیچ رہا تھا۔''
''کوئی انسان اپنے ایریا سے آکر غلط طریقے سے بزنس کرے تو غلط ہے نا!''
''بھیا نے کبھی سمندر دیکھا تھا کیا؟'' مجھے چودھری یاد آ گیا۔
''کہیں نہ کہیں تو یہ صحیح ہے، کوئی بھی کام اچھے سے کرو گے تو کہیں بھی کرو، برا نہیں

ہے ناں!''سشما کہہ رہی تھی۔''اورتم خود سارے کام اچھی طرح کرتے ہو کیا؟''، اُس کی آنکھیں شرارت سے چمک رہی تھیں۔

''گرنتھوں کے حساب سے بھی یہ پاپ ہے۔''

اس نے میری بات سنی ہی نہیں، بولی،''تمھیں بدیس میں جاب ملے گی، تو نہیں جاؤ گے کیا؟''

میں مسکرانے لگتا ہوں۔

اُس کا کام میں نے کر دیا

نائٹ شفٹ سے اوب چکا تھا۔ اس سے بچنے کے لیے جم جوائن کیا۔ چھ مہینے کے ساڑھے چار ہزار روپے بھرے۔ ابھی تین ہی مہینے ہوئے تھے۔ خوب کھانا، خوب کسرت کرنا...سات کلو وزن بڑھ گیا۔ کمر اٹھائیس سے تیس ہو گئی۔ ہاں ابھی بہت سے پلان ہیں۔

شام آٹھ سے صبح پانچ تک کی ڈیوٹی تھی۔ خیال آیا، یہ لیگل کمپنی کا کام بھی ایک طرح کا کال سینٹر تھا۔ پیرا لیگل کی ڈیوٹی کا وقت تو ویسے ہی تھا۔ ہاں کال سینٹر سے کام الگ ضرور تھا۔

پہلے سے سوچ رہا تھا، چھوڑ دوں۔ سارنگ لا پڑھا ہوا تھا۔ سارا ادھیکار اس کے پاس نہیں تھا۔

''جیش تم نے کام کرنا چھوڑ دیا ہے۔''، ساریکا کہہ گئی تھی۔

''یہ ایسے کیوں کہتی ہے؟''، ساریکا کے وہاں سے ہٹنے کے بعد میں نے سارنگ سے اس کی شکایت کی۔

''ڈونٹ وری! تمہارا کام میں نے کر دیا ہے۔'' وہ کبھی کبھی اپنائیت کہتا۔

''میں انٹرنیٹ پر بیٹھتا، تو وہ کام جو صرف میرے لیے آتے، انھیں سارنگ پہلے ہی کر چکا ہوتا۔ بلکہ میں نے دیکھا کہ وہ تو اپنے کام سے بھی پہلے میرا کام کر دیتا تھا۔

''تو میرا دوست ہے۔ تیرے لئے نہیں کروں گا!'' میرے پوچھنے پر سارنگ پیار سے کہتا۔

''میں نے سنا ہے، سارنگ کہتا ہے، 'جیتو کام نہیں کرتا'۔ کل ساریکا سے بھی کہہ رہا تھا کہ 'جیتو اپنی ڈیسک پر نہیں تھا۔ اس لیے میں نے کیا۔'''، ایک دن سشما نے مجھے بتایا۔

''ہو ہی نہیں سکتا۔ سارنگ میرا یار ہے!''

''میری اُس سے دوستی سے جلتی تو نہیں ہو!''

''ارے نہیں! میں نے جو سُنا، بتا دیا!'' وہ مجھے کیفے ٹیریا میں دوڑا کر اپنی ہینڈ بیگ سے مارنے لگی۔

میری پینڈنگ لسٹ میں کام آ کر رک جاتا۔ ایک ایک کام نپٹاتے نپٹاتے مجھے ایک دن لائیلا کا میل آ جاتا، ''کیا کر رہے ہو؟ یہ کام تو پہلے ہی آ چکا ہے۔'' کام کرتے کرتے مجھے پتہ چلتا کام تو ہو چکا ہے، بھیجا بھی جا چکا ہے اور سارنگ نے مجھ سے کہا بھی نہیں، اس طرح وہ سارا کریڈٹ اکیلے ہی لیتا ہے۔ انھیں دنوں میں نے محسوس کیا کہ سارنگ میرے کام خود کر لیتا ہے اور بھیج دیتا ہے۔

☆ آڈِٹ

''کیا تمھیں آڈٹ کا تجربہ ہے؟'' ایک دن سارنگ نے مجھ سے پوچھا۔

''نہیں ہے۔ مگر آ جائے گا۔......... آڈٹ آ رہا ہے نا! اب سیکھ جاؤں گا۔ .... تمھیں ہے تجربہ؟''

''ہاں ہے۔ میں پانچ سال اکاؤنٹس میں تھا۔ مجھے اچھی طرح معلوم ہے، آڈٹ میں کیا لگتا ہے کیا نہیں۔''

ڈیٹا تو ہمارے پاس تھا۔ جب سے میں یہاں آیا تھا، تب سے ڈیٹا محفوظ کرتا تھا۔ میں نے data پورا کا پورا access کر دیا۔ وہ جو کچھ کرتا مجھے نہیں بتاتا کہ، ''ایسا کرتے

ہیں............ایسا کرتے ہیں۔''، شاید نہیں چاہتا تھا کہ میں سیکھوں۔اس کی نیت آگے آگے کھلتی گئی۔

''میں سالانہ اخراجات جاننا چاہتا ہوں۔''

''یہ اتنا اہم نہیں ، اس پر دھیان مت دو۔ سالانہ اخراجات کی ہمارے پاس جانکاری نہیں تھی۔کانٹریکٹ کے ٹرم پر کلائنٹ کو کتنے اخراجات کی اجازت ہے۔سال بھر میں کتنے لوگوں نے وہاں کام کیا ہے۔ہر ایک کا ریٹ کیا تھا؟'' سالانہ خرچ کیسے اور کہاں سے نکالتے ہیں، مجھے نہیں پتہ تھا۔اکاؤنٹس کے ذریعے سالانہ اخراجات معلوم کرنا، اس نے مجھے نہیں سکھایا۔یہ جانکاری دو تین آڈٹ ہونے کے بعد مجھے ملی۔

اپنا کام چھوڑ کر میں دھیان دینے لگا کہ وہ کس سے بات کرتا ہے۔تب تک میں آفس کے دوسرے شعبہ والوں سے گھلتا ملتا نہیں تھا۔ایک دِن اس کے جانے کے بعد میں ان کے پاس گیا۔اور باتوں باتوں میں پوچھ لیا،

''کیوں بھائی سارنگ سے کیا بات چل رہی تھی۔''

''کچھ نہیں آڈٹ کی بات چل رہی تھی۔وہ Google کے کلائنٹ کا پورے سال کا ڈیٹا مانگ رہا تھا۔''

''اچھا، تو یہ ڈیٹا تم لوگ دیتے ہو۔'' تب پتہ چلا کہ ڈیٹا یہ لوگ دیتے ہیں۔لائیلا کو بھی شاید اس کا پتہ نہیں تھا۔

''یہ جانکاری اِس سے نہیں ملی، تو اُس سے لو۔'' یہ فارمولا سیکھا۔ایسی بہت سی باتیں تھیں جنھیں وہ مجھ سے چھپاتا۔برا لگا۔

''تم بہت مدد کر رہے ہو۔''، آڈٹ رپورٹ کے دوران وہ مجھ سے کہتا مگر بعد میں اس نے کہا کہ کام میں نے ہی کیا ہے، مجھے برا لگا۔میں نے اسے ٹریننگ دی تھی، صرف آڈٹ کی جانکاری مجھے نہیں تھی۔لائیلا کو پتہ چلا کہ سارنگ وکالت کر چکا ہے اور میں وکالت پڑھ رہا ہوں تو اس کے برتاؤ میں بھی فرق آ گیا۔

''تمھارا الاء پورا نہیں ہوا۔تم چپ بیٹھو۔ سارنگ کا ہوا ہے،تو اس کو بولنے دو۔''
تم وکیل نہیں ہو

امریکا سے یاہو کا کانٹریکٹ ہمارے پاس آیا تھا اس کا ماسٹر سروس ایگریمینٹ مجھے ایس اے پی میں بنانا تھا۔ یہ کانٹریکٹ مجھے پانچ بار بنانا پڑا۔SRAوالے چھوٹی چھوٹی غلطیاں نکالتے، کہتے، ''ہمیں یہ ٹرم اچھے نہیں لگے،بدل دو۔''

کبھی کہتے، ''ہم کو تیس دنوں میں نہیں ہر ہفتے پیسے چاہئیں۔''

ایک اور کمپنی کا کانٹریکٹ ہمارے پاس آیا تھا، مجھے اسے پڑھ کر اس پر قانونی تبصرہ کرنا تھا۔ دیکھنا تھا کہ یہ ہماری کمپنی کے حق میں ہے کہ نہیں۔ لائیلا نے مجھے ای میل کیا۔

''میرے خیال سے.........اسٹینڈرڈ کے حساب سے اس میں.........پیمنٹ ٹرم میں billing Frequency میں دو یا تین تبدیلیاں ہونی چاہئیں۔''، میں نے لائیلا سے کہا۔

''لیکن یہ Pan Plate کے standard کے حساب سے بھی صحیح ہے۔''

''اوکے۔''

یہ کانٹریکٹ لائیلا نے تجربے کے طور پر سارنگ کو بھیجا تھا۔

''پیمنٹ ٹرم میں تبدیلیوں کی ضرورت ہے۔'' اس نے معیار میں بہت سی تبدیلیوں کی ضرورت ڈھونڈ نکالی۔

''ٹھیک ہے کرلو۔'' لائیلا نے کہا۔

جب کہ پہلے یہی بات میں نے لائیلا سے بھی کہی تھی۔ جب میں نے کانفرنس کال میں لائیلا سے پوچھا تھا۔ ''یہ تبدیلیاں کیوں ٹھیک نہیں ہیں۔'' تب اس نے صاف تنبیہ کر دی تھی،

''تم کو سارنگ سے پوچھ لینا چاہیے تھا۔ وہ تم سے زیادہ جانتا ہے۔''

میں سوچنے لگا، کیا میں غلطی کیے بغیر کام نہیں کر سکتا۔''

دو مہینے پہلے کی بات ہے۔ اسی طرح کے مسئلے پر لائیلا نے مجھے کچھ اس طرح جواب

دیا تھا،

''نہیں یہ ہماری اٹارنی کا بنایا ہوا معیاری معاہدہ ہے، اسے بدل نہیں سکتے۔''،

اسنے جواب دیا تھا۔ آج یہ بات جب میں نے لائیلا کو یاد دلائی تو وہ بولی،

''ایک بات تم سمجھ لو، تم وکیل نہیں ہو لیکن ہم نے سارنگ کو وکیل کے طور پر رکھا ہے۔'' میرے دل کو چوٹ لگی وہ سارنگ اور مجھ میں فرق کر رہی ہے۔ ایسے واقعات اور اس طرح کی باتیں دن بہ دن بڑھتی گئیں۔

☆ گڈ مارننگ لائیلا

میں جو کام کرتا سارنگ اس میں غلطی نکالتا۔ یہ باتیں اپنی انتہا کو پہنچ گئیں، جب نومبر ۲۰۰۸ میں امتحانوں کے لیے میں نے چھٹی لی۔ اسی وجہ سے اس سے پہلے میں نے مئی میں بھی چھٹی لی تھی۔ اب مجھے احساس ہونے لگا کہ میں جب بھی چھٹی پر جاتا ہوں، سارنگ پتہ نہیں لائیلا سے کیا باتیں کرتا ہے کہ یہاں ماحول ہی بدل جاتا ہے۔ اس بار لوٹا تو ہمیشہ کی طرح کام پر پہنچ کر لائیلا کو گڈ مارننگ ای میل کیا۔ پہلے فوراً جواب آ جاتا تھا۔ مگر اب کافی دیر سے جواب آتا۔ دھیرے دھیرے دیر... اور دیر سے اس کا جوابی میل آنے لگا۔ وہ مجھ سے کم باتیں کرتی۔ سارنگ سے زیادہ میرے پاس کام کا بوجھ بڑھتا جاتا اور میں کام میں پچھڑ جاتا۔ چھٹی کرنے کی وجہ سے میں کام کو اپڈیٹ نہیں کر رہا تھا۔ میرے لائیلا سے آپسی رشتوں میں کھنچاؤ آ گیا۔ میں پوری کوشش کر کے باقی بچے ہوئے کام پورا کر کے اسی بیچ پر یعنی آج کے کام میں ہاتھ بٹاتا مگر اس بات سے دل اچٹ گیا تھا کہ لائیلا سے خیالات کا لین دین کافی کم ہو گیا تھا۔ اکیلا پڑ رہا تھا اور شاید میرے کام کی وجہ سے ہی مجھے وہ کمتر محسوس کراتی۔

☆ گڑیا

نکھل کی بیٹی ہوئی۔ مجھے پر بھی نہ جانے افسوس دیر سے ہوا۔

''میری شکل کی ہے۔ ہو بہو!''

''پھر تمہارا وہ شک...!''

''وہ غلط تھا۔ میں غلط تھا جیتو...''

''اور وہ ڈائری...''

''کوپتا ہوگی... شاید...!''

''وہ ساری پریشانیاں جو...''

''مائکے جانے کے بعد تیری بھابھی ریشما نے مجھ سے ایک بار بھی بات نہیں کی تھی... یہاں بھی وہ کیا تھی تم جانتے ہو... مگر مجھے لگتا تھا... نہیں ایسا نہیں ہوسکتا کہ وہ میری نہ ہو!''

''پہلی بار بچّی کو دیکھا.. غصہ کم ہوتا گیا.... وہ میرا وہم تھا جیتو بھائی...''

''وہم سے رشتے خراب ہوتے ہیں بھائی۔''

''پھر شک کیوں ہوا تھا؟''

''pregnancy جلدی کنفرم ہو گئی تھی.... چھوڑ یار!.. ایک phase ہوتا ہے .... الزاموں کا وقت ہوتا ہے... گڑیا کو دیکھتے ہی پلک جھپکتے سوچ بدل گئی.... زندگی بدل گئی....''

''نام کیا رکھا؟''

''پلک۔''

''اب؟''

''.... میں نے بچّی سے معافی مانگ لی... چپکے سے.... ہی ہی ہی!'' نکھل بچّی کے نین نقش کی تعریفوں کے پُل باندھتا رہا۔'' اس کی لمبی لمبی پلکیں.. جماہی لیتے ہوئے ہونٹ گلابی گلابی....''

اور میں پچھلے دس مہینوں سے بھائی کی شادی کے ہیبت ناک اثرات پر غور کرتا رہا۔ کچھ نہیں سنا!

☆ سارنگ باس !

سارنگ نے اور میں نے اپنے اپنے ذمہ کے کام الگ الگ کر لیے تھے۔ ہم اپنے اپنے کام کرتے تھے۔ میں اس کے کام میں نہیں جاتا مگر اب میرے ہر کام میں اس کا دخل ہونے لگا۔ اب تو یہ حال ہو گیا تھا کہ لائیلا نہ پوچھے تب بھی وہ خود ہی کہتا۔

''میں ریویو کرتا ہوں، شاید کچھ غلطیاں ہوں۔''، اور ہمیشہ غلطیاں نکالتا۔ مجھے جتنا کہا گیا ہے، میں اتنا ہی کرتا۔ جو کچھ کتابوں یا سانچوں یعنی Template کے نمونوں میں ہوتا، وہی بھرتا اور جن کو بدل نہیں سکتے، سارنگ انہیں بھی بدل دیتا۔

''میں کیوں کوئی تبدیلی نہیں کر سکتا؟''

" You are not being hired as Lawyer"

مان لی بات۔ میں لائر نہیں! مگر تجربہ تو تھا۔ مجھے اتنی تو جانکاری تھی کہ سارنگ سے زیادہ مستحق تھا، مگر میری تعلیمی قابلیت کی وجہ سے مجھے کوئی اس طرح کہتا ہے تو یہ demoralization ہی تو تھا!

ایک وقت ایسا آیا کہ کہنا پڑا کہ'' آخر میں بات سارنگ کے ذریعے سے ہی منظور ہونے والی ہے تو سارنگ کو ہی کرنے دو۔''

من چھٹک گیا۔ ہمارا کام ای میل کے ذریعے ہوتا تھا۔ شروع سے سارنگ کے سسٹم میں میرا ای میل آئی ڈی تھا اور میرے سسٹم میں اس کا۔ ہم دونوں ایک دوسرے کا کام دیکھتے تھے۔ کچھ ہی دنوں بعد اس نے میرے سسٹم سے اپنا کانفیگریشن نکال دیا۔ اب مجھے آنے والا کام اسے دکھائی دیتا تھا مگر اسے آنے والا کام مجھے دکھائی نہیں دیتا تھا۔ انجام یہ ہوا کہ میرا جو کام آتا، اسے وہ جلدی سے کر لیتا اور لائیلا کو جتانے لگا۔

''صرف بیٹھا ٹیبل پر کتاب انجوائے کر رہا ہے۔''

آج میں نے سارنگ کو بریک میں بلایا تو وہ نہیں آیا۔

''بزی ہوں یار۔''، خود کو مصروف جتاتا۔ اب ایسا ہی ہونے لگا۔

نو گھنٹے کی ہماری شفٹ ہوتی۔ دراصل کام بہت کم تھا۔ مگر یہ بندہ رات نو سے صبح پانچ بجے تک یعنی پندرہ سولہ گھنٹے کام کرتا، کبھی شام چھ بجے سے صبح چھ بجے تک یعنی بارہ گھنٹے اور اب تو یہ ہونے لگا تھا کہ اٹھارہ گھنٹے آفس میں رہنے لگا۔ دراصل کام کچھ نہ ہوتا۔ بیٹھتا، کام کے نام پر ٹیم مے نیج مینٹ۔ ٹیم کے لیے قاعدے کیا ہوں، 'بریک کب لیے جائیں، لوگ کتنے ہیں، کون کیا کرے گا۔ سب وہی اکیلا پلان بنا کر رکھتا بلکہ لائیلا سے اسے منظور بھی کروالیتا جب کہ اس میں ٹیم والوں کی رضامندی یا رائے تک نہیں لی جاتی۔

اگر یہی مجھے کرنا ہوتا تو میں آرام سے کر سکتا تھا مگر میں خود کو سینیئر نہیں جتاتا تھا۔

☆ صحتمند مقابلہ

اور ایک دن لائیلا نے سارنگ سے کہا۔

You Handle the team ...اوکے تم ٹیم سنبھالو گے!'' تو اس نے جھٹ پٹ تین لڑکیاں انٹرویو کر کے انھیں نوکری پر رکھ لیا اور ٹیم بڑھوا دی۔ اب تک وہ اور میں، ہم دونوں ہی تھے اور وہ مجھ پر رعب جما نہیں پاتا تھا۔ اب پانچ لوگ تھے جب کہ اتنا ورک لوڈ بھی نہیں تھا۔ ایسا اس نے اس لیے کیا تھا تا کہ باس بن جائے، جتانے کو کہ باس ہے، ان پر رعب جماتا۔

''تمھیں ان کی تربیت کرنا ہے۔'' اس نے مجھ سے کہا۔

سارنگ کو جب میں نے کام سکھایا تھا۔ اس وقت پروسس پر چار پانچ صفحوں کے موٹے موٹے ماڈلس بنا رکھے تھے۔ انھیں کے ذریعے میں ان تینوں لڑکیوں کی ٹریننگ بھی کرنے لگا۔ ٹریننگ کے بیچ سارنگ بولا۔

''ان لوگوں کو سب کچھ مت بتانا۔ انھیں ہمارے ماتحت کام کرنا ہے۔ اپنے نگرانی میں کام کروانا ہے۔ تفصیل سے نہیں، تھوڑا بہت بتا دو اور خود کام کر کے سیکھنے دو۔''، مجھے خود پر غصہ آیا۔

'میں نے کیوں سارنگ کو سب کچھ بتا دیا۔ بتاتا نہیں تو یہ سب چیز اسے بھی نہیں

آتی اور وہ بھی میری ہی نگرانی، میری ہی ماتحتی میں کام کررہا ہوتا۔ تب اس کی مکاری کا پتہ چلا کہ یہ بندہ کیسا ہے۔ میں نے کبھی نہیں چاہا کہ اسے آگے جانے نہ دوں بلکہ لگا وہ اپنا تجربہ بھی مجھ سے شئیر کرے گا۔ there will be a fair competition لیکن ایک بات پکی پتہ چل گئی کہ اس کی حیثیت نہیں صحتمند مقابلہ کرنے کی۔ جو لوگ ایسے ہلکے اور آسان راستے استعمال کرتے ہیں وہ مقابلے کے لائق ہی نہیں رہتے۔

میں نے اپنے کام کی رفتار دھیمی کر دی۔ کافی وقت بریک میں گذارتا، ٹائم پاس کرنے لگا۔ کام سے دل ہٹ گیا تھا۔ کام اتنا ہی کرتا، جو میرے نام پر آتا۔ اور جس کی کاپی سارنگ کو نہ جاتی۔ میں مہینوں تک یہاں کام کرتا رہا تھا۔ جانتا تھا اس کا فائدہ سارنگ اٹھائے گا کیوں کہ جن کی کھلا مقابلہ کرنے کی ہمت نہیں ہوتی، وہ ایسے ہی کرتے ہیں۔ مجھے لگنے لگا، اس مے نیج مینٹ کی ذہنیت ہی ویسی تھی۔ لگا غلط ذریعہ استعمال کرنے والوں کا مے نیج مینٹ ہے، جب کہ مجھے شکایت صرف سارنگ سے تھی۔ فرم کے ایک آدمی کے رویے نے پوری فرم کے لیے میرے دل میں کڑواہٹ بھر دی تھی۔

اس جاب سے میں مایوس ہونے لگا تھا...اور دوسرا جاب ڈھونڈنے لگا تھا۔

☆ ریت کے محل

Google میں اپنا بائیوڈاٹا بھیج دیا تھا۔ Naukari.co.monster.com اور search engine میں جاب کے لیے کوشش کرنے لگا۔ کافی جگہ نوکریاں ڈھونڈنے لگا تھا۔ Consultancy والے فون کرتے ہیں۔ کمپنی جانے کی ضرورت بھی نہیں۔ کمپنی کے لیے ایچ آر مجھے فون پر انٹرویو کرتے ہیں۔ فون پر ہی چناؤ ہو جاتا ہے۔

''اپنے بارے میں بتاؤ۔''

''آپ کا تجربہ؟''

''ہم آپ کو ایک موضوع.....دیتے ہیں۔ اس پر تین سے پانچ منٹ بولو۔'' فون پر ہی چناؤ ہو جاتا ہے۔ اس انٹرویو میں میرا انگریزی گرامر، آواز کا اتار چڑھاؤ اور خود

اعتمادی دیکھتے ہیں۔ یہ voice and accent round ہے۔

''اچھا ہے۔آپ کو پھر بلاتے ہیں۔''

کل میں نے خود فون کر کے media LLC کمپنی میں بات کی ہے۔ یہ Home Theatre Installation کا کام ہے۔ بنگلے میں بڑا اسکرین لگاتے ہیں جو ٹی وی سے کم سے کم نو گنا بڑا ہوتا ہے۔کبھی کبھی کوئی اسکرین دیواروں جتنا بھی بڑا ہوتا ہے۔ سیٹلائٹ سے اسے جوڑنا اور اسپیکر وائر کے بغیر یعنی Infrared کے ذریعے ایڈجسٹ کرنا۔ یہی سب کام ہیں۔

HodiaL.L.C.Ltd. لیبوریٹری کوآپریشن کے انٹرویو کے لیے سانپاڑہ جانا ہے۔ان کا خاص بزنس ہوم تھیٹر انسٹالیشن ہے۔خوردہ اور رئیل اسٹیٹ کا کام بھی کرتے ہیں! .L.L.B کر رہا ہوں اس حساب سے کام ملے گا کیا۔فی الحال بیک Office میں job ہے۔چھ مہینوں بعد اپریزل آئے گا۔لاء میں گریجویشن کر لیتا ہوں تو رئیل اسٹیٹ میں لیں گے، جہاں اٹارنی یا کانٹریکٹ بنایا جاتا ہے۔بس لاء گریجویشن کے ریت کے محل بناتا رہتا۔

☆ ٹاٹا بلیک بیوٹی

سُشما نے ہیومن رِسورس میں اپنا ڈپلوما پورا کر کے اس میں ایم بی اے بھی کرلیا۔''میرا تیسرے سال کا رزلٹ آیا ہے۔''

''پاس!''

''نہیں، میں فیل ہو گیا''۔

''کتنے سبجیکٹس؟''

''تیسرے سال کے چھٹے سیمیسٹر کا ماحولیات، ساتویں سیمیسٹر کے ایڈمنسٹریٹیو لاء، فیملی لاء، کمپنی لاء ۲ یہ تین سبجیکٹ اور آٹھویں یعنی نئے سیمیسٹر کے چار سبجیکٹ لینڈ لاء، جیورسپروڈینس، کریمینولوجی، کانٹریکٹ ۲....اتنے پیپر باقی رہ گئے ہیں۔''

سشما چپ تھی..

''میری آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا ہے، سُشما!''، میں اداس تھا۔

بے موسم ہلکی ہلکی بوندا باندی ہونے لگی تھی۔ اور کوئی وقت ہوتا تو وہ جھومنے لگتی... مگر اس وقت موسم کا اس پر کوئی اثر ہوتا دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

''مجھے پتہ ہے، تم کہنا چاہتی ہو، میں تمھارے ساتھ ہوں۔ مجھے تسلی دینے لگو گی کہ جیتو! 'تھوڑے ٹائم کی بات ہے۔ ہو جائے گا۔ کام کرو اور پیسے اکٹھا کرو۔ مایوس مت ہو، کام میں نہ لگو۔ پڑھائی پر دھیان دو'..... ہے نا!'' اس کی خاموشی سے مجھے ڈر لگنے لگا تھا، ''بولو نا! کچھ تو بولو!''

''تم پڑھائی میں سنجیدہ نہیں۔ ایسے کیسے؟، میں تم سے شادی نہیں کر سکتی!''، وہ بہت زیادہ اپ سیٹ تھی۔ میں اس کا چہرا دیکھنے لگا۔

''دیکھو، میرا ہسبینڈ اچھا پڑھا لکھا ہونا چاہیے۔ اچھا کمانے والا۔ مانگوں وہ چیز دے۔ تم مجھے نہیں دے سکتے تو شادی نہیں کر سکتی۔'' میری پلکیں جھک گئیں۔

امید تھی وہ میرا ہاتھ تھام کر ہمت بندھائے گی۔ کئی بار کوشش کی اس نے فون نہیں اٹھایا۔ آفس آنا بھی بند کر دیا تھا۔ پتہ کیا، اُس نے جاب چھوڑ دی تھی۔

دو ہفتے ہوئے۔ پرانے دوستوں کا گیٹ ٹوگیدر تھا۔ وہ بھی آئی تھی... منگل سوتر پہنے ہوئے۔

☆ بھابھی لوٹیں

ایک دن ریشما بھابی کے چھوٹے بھائی کا فون آیا، ''دیدی پاس ہو گئیں۔ گھر لوٹنا چاہتی ہیں۔''

بھابی کو ان کے ڈیڈی ہمارے گھر چھوڑ گئے۔ پلک دو سال کی ہو رہی تھی۔ میں نے تو اسے پہلی بار دیکھا تھا۔ میں نے اسے چاندی کی پایل لا دی، جسے پہن کر وہ چھم چھم کرتی گھر بھر میں پھرتی۔

''کمشنر آفس میں ریکروٹمینٹ ہو رہا ہے۔''

''ارے واہ!''، نکھل نے کہا۔

''کرافورڈ مارکیٹ اکیلے کیسے جاؤ گی؟ میں لے جاؤں گا''، نکھل نے خوشی سے آفر کیا۔

''نہیں میں چلی جاؤں گی۔ آپ پلک کو سنبھال لینا۔ انٹریو منترالیہ میں ہے۔''

''تمھیں کیسے پتہ چلا؟''

''اشتہار دیکھ کر عرضی بھیجی تھی۔ اب نام شارٹ لسٹ ہوا ہے۔''

نکھل دادا بیوی اور بیٹی کو لیکر ڈیڈی سے ملنے گئے۔

''ڈیڈی کی خوشی کا ٹھکانا نہیں تھا''، نکھل دادا نے مجھے بتایا۔

''کیوں؟ بہت ہنس رہے تھے؟''

''نہیں، اُن کے ہونٹ تھرتھرا رہے تھے۔ پلکیں جھپک رہی تھیں۔ لگا شرابور ہو رہے تھے۔''

''ارے واہ! اور اُن ماں بیٹے نے کیا کہا؟'' میں بڑا خوش ہو رہا تھا۔

''ڈیڈی نے ان سے مٹھائی منگوائی، چائے بنوائی۔ تیری بھابی کو ایک ساڑی اور بلاؤز دیا۔ ماتھے پر ہلدی اور کُم کُم لگایا۔ اور بولیں، ''اچھا ہوا تو آ گیا... ڈیڈی کے بعد پراپرٹی میں حق مانگنے آئے گا نا تو!'' وہ ذرا پریشان ہوکر بولا تھا۔

''وہ تم سے صرف پانچ سال بڑی ہیں''، میں نے ذرا سا ہنس کر کہا۔

☆ اپنی راہیں

صبح کا کھانا مما بناتیں، رات کا بھابھی۔ کسی کو کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ زندگی نے جیسے خود بخود اپنی راہیں نکال لی تھیں۔

نکھل کا تو یہ حال تھا کہ اسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔ جیسے خواب دیکھ رہا ہو۔

اتوار کو ہم پانچوں گھومنے جاتے۔ بھابی کے چھوٹے بھائی کی شادی پونہ میں تھی۔ ہمیں بھی خاص طور پر دعوت دی گئی تھی۔ شادی میں ہمیں خاصی عزت دی گئی۔

☆ زندگی ہے یا سازش!

پہلی جنوری کو اپریزل کی بات کرنی تھی۔ ابھی میری تنخواہ ساڑھے دس ہزار ہے۔ پانچ چھ ہزار بڑھنا تھا۔ آج ڈیڈی کی تنخواہ اٹھائیس ہزار ہے اور ممی کی کوئی پندرہ ہزار۔ ان سے ابھی بھی کم ہوں۔

اُس دن میں اپنے appraisal کے بارے میں پوچھنے گیا تھا۔

''اچھا ہوا تم آ گئے۔''، ایچ آر سے ملا تو اس نے کہا، ''بات کرنی تھی۔''

''اپریزل نہیں ہوگا۔ تمھارے پرفارمینس کی شکایتیں آ رہی ہیں۔''، ایچ آر نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''آپ جانتی کیا ہیں؟''

''میں نہیں کہتی۔ ڈپارٹمنٹ کا مینجمنٹ بول رہا ہے۔''

''کون؟''

" Its a hierarchy..."

''میرے اپریزل کے لیے کیا کہا؟''

I want you to resign. "

''کیا؟''

''ہاں۔ میں چاہتی ہوں کہ تم استعفیٰ دے دو۔''

''مجھے جاننے دیجیے کہ اس میں کون شامل ہے۔''

''لائیلا بھی شامل ہے؟''

وہ ذرا دیر چپ رہی۔ میں اس کا چہرا دیکھ رہا تھا۔

''وہ یوایس میں کانٹریکٹ منیجر کا کام کر رہی ہے۔'' اس نے آہستہ سے جواب دیا۔

''یو ایس والے چاہتے تھے کہ کوئی ایسا آدمی یہاں کا آفس سنبھالے، جو لاء پڑھا ہوا ہو۔''

''لائیلا کے پاس بھی ایل ایل بی کی ڈگری نہیں ہے۔''، میں نے بھی آہستہ سے کہا،'' اپنے شعبہ میں سب سے پہلے میں آیا تھا۔ میں نے سب کو ٹریننگ دی۔ اس طرح مجھ پر کوئی شکایت تھوپ نہیں سکتا۔ سارنگ کو اپنی بات منواتا آتا ہے۔ میں بھی اپنی بات منواتا...''

''....اگر تم زیادہ پڑھے ہوتے، اُسے غلط ثابت کرتے۔ ہے نا!''

''میں کسی کو الزام نہیں دینا چاہتا۔ غلطی میری بھی ہے، بلکہ جان بوجھ کر کی ہے۔ پیٹھ میں خنجر گھونپنا مجھے پسند نہیں ہے۔ اس ڈھنگ سے کام کرنے والوں کے ساتھ کام نہیں کر سکتا۔ اِس لیے ڈگری لینا ضروری ہے۔ ڈگری کی طاقت دیکھی جو سارنگ کے پاس ہے۔ اس کے پاس سب سے بڑی چیز یہی ہے مگر جب میں اکیلا کام کرتا تھا تو لائیلا کتنی تعریف کرتی تھی۔ میری بھی کچھ غلطیاں ہیں کہ سارنگ کو سب کچھ بتا دیا۔ نہیں سکھاتا تو وہ میرے ماتحت کام کر رہا ہوتا جیسے وہ ان لڑکیوں سے کام کرواتا ہے۔''

''سارنگ کو پاور لائیلا نے دیا تھا کہ لڑکیوں کا انٹرویو لو۔'' ایچ آر نے کہا۔

''...جب کہ لائیلا کو تفصیل سے پتہ بھی نہیں کہ نائٹ شفٹ میں کیا کام ہوتے ہیں؟ یا کتنے لوگوں کی ضرورت ہے؟ بس ڈگری کی چمک دکھائی دی۔

آڈٹ میں سارنگ اور میں تھے۔ اب وہ کہتا ہے،''میں نے اکیلے ہی سب کچھ کیا۔'' یہ اُس نے میرے سامنے نہیں کہا۔''میں نے ایچ آر کے سامنے دل کی بھڑاس نکال دی۔

''تمھارا تیس دن کا نوٹس پیریڈ ہٹا دیا ہے۔ اوکے!'' اس نے مسکرا کر کہا۔

وہ ۲۶ مارچ کا دن تھا۔ اس مہینے کے چار دن کے پیسے کاٹ کر اپریل کے پورے ایک مہینے کی ایڈوانس پیمنٹ مجھے مل گئی یعنی انھوں نے اوپر سے مجھے ایک مہینے کی تنخواہ زائد ادا کی۔ اچانک جو نکالا تھا۔ مئی میں امتحان ہونے والے تھے۔ اس لیے پڑھنے کے لیے وقت بھی مل گیا۔ جم کر پڑھائی کر رہا ہوں۔

مجھے نکلوانے میں سارنگ نے جلد بازی کی کیوں کہ اسے ماسٹرس یعنی ایل ایل

ایم کا امتحان دینا تھا۔ پڑھائی کے لیے وہ چھٹی پر چلا جاتا۔ مجھے موقع ملتا اور میں اپنے آپ کو ثابت کرتا۔ پھر کیسے کہہ پاتا کہ

''جیتیش کام نہیں کرتا۔''

''ہاں، سچ ہی تو ہے۔''

'میں یہاں کام نہیں کروں گا۔ سارنگ کے ساتھ نہیں کر سکتا'، دل ہی دل میں شاید میں نے ٹھان لیا تھا۔

''کب جانا ہے؟''، میں نے ہنستے ہنستے پوچھا۔

''تم کو اسپورٹی انداز میں اسے لینا چاہیے۔''، شاید اسے لگا ہے کہ گڑگڑاؤں گا۔

''آج کے دن کام کروں یا آج ہی کے دن چھوڑ کر جاؤں؟''

''اگر ابھی جا رہے ہو تو حاضری درج کر دیتی ہوں۔''، ایچ آر نے کہا۔

ذہن میں خیال کوندا، صحیح وقت پر نشانہ لگ گیا۔ مجھے ۲۶ مارچ تک کی سیلری بھی ملی اور اپریل کی تنخواہ بھی الگ سے دی گئی۔

یہاں میں نے کام کروانا اور چالاکیوں کو سمجھنا سیکھا۔ سازش ہے تو شانت رہ کر ہینڈل کیا۔ زیادہ نقصان ہونے کے بجائے زیادہ فائدہ ہی ہوا ہوگا۔ امتحان ہو چکے ہیں۔ ابھی جاب اس لیے چاہیے کہ پیسے نہیں ہیں۔ پچھلے دنوں مام کو گھر کے کام کروانے کے لیے سات ہزار دیے۔ بہت پہلے کارڈ سوائپ کیا تھا۔ اُس وقت گیارہ ہزار کا موبائل لیا تھا۔ گاڑی سروسنگ پندرہ سو میں کروائی۔ کپڑے، جوتے، پیٹرول خرچ، مہک کے ساتھ کے جو دن تھے۔ پانچ فیصد سود بھرنا ضروری تھا۔ سو بھر لیتا تھا۔ وہ نہ بھرتا تو ڈیفالٹر بن جاتا اور سود کی رقم اونچی پڑتی۔

☆ زبردستی

اس دن میں، نکھل دادا اور مما تینوں آفس گئے ہوئے تھے۔ وہ صبح بڑی عام سی تھی۔ روز کی طرح ہم نے پلک کو بھینچ بھینچ کر پیار کیا۔ اس کے گال سُرخ ہو گئے۔

شام ساڑھے سات بجے گھر لوٹا۔ دیکھا، دروازے پر تالہ تھا۔ میرے پاس دروازے کے لیچ کی چابی تھی مگر بھابھی نے دروازہ کھینچ کر ہی بند نہیں کیا تھا۔ الگ سے تالہ بھی لگا کر گئی تھیں۔ پڑوسن نے بتایا کہ

''صبح جب تمہاری بھابھی بچی کو لے کر نکلنے لگیں تو مجھے بتاتی گئیں، 'نکھل دادا نے گیا ہے۔ مجھے بلایا ہے۔' میں نے پوچھا، 'چابی دے کر جانا چاہتی ہو؟' بولیں، 'نہیں۔'...''

میں نے اگلی گلی سے ایک چابی والے کو بلایا اور تالہ کھلوایا۔ رات کے دس بجے تک نکھل دادا بھابھی کے موبائل پر فون کرتا رہا۔ تبھی پربھنی سے بھابھی کے بڑے بھائی نے مما کو فون کیا، ''پونا چھوٹے کے گھر میں ہے۔'' نکھل نے اطمینان کی سانس لی۔

''یہ کون سا طریقہ ہے؟'' مما بھڑک رہی تھیں۔

''میں نے بڑی امید سے بھیجا تھا کہ بچے کو لے کر سنجیدہ ہے۔ لوٹ کر نہیں جائے گی تو مار ڈالیے۔'' بڑا بھائی بہت شرمندہ ہوا۔

''ہم کیوں ماریں؟'' مما کھسیانی ہو کر بولی تھیں۔

کچھ دیر بعد نکھل دادا کو چھوٹے سالے کا فون آیا، ''اب آ گئی تو آ گئی۔ کیا کر سکتے ہیں؟ اس کو رہنا نہیں ہے تو ہم لوگ کیا کریں! زبردستی کیوں کرتے ہو؟''

مما ہمیں لے کر رپورٹ درج کرانے پولس اسٹیشن گئیں۔

''شکایت کاہے کی؟ فون تو کیا۔ کاہے کی کمپلینٹ؟'' حوالدار نے پوچھا، ''شکایت درج کیسے ہوگی؟''

☆ میٹھے بندھن

''میں نے شادی توڑ دی!'' دادا آفس سے گھر آیا اور بولا۔

''کیا ہوا؟''، اس دن وہ چپ چپ تھا۔

چہرے پر بارہ کیوں بجے ہیں؟ شادی ٹوٹ گئی! اچھا ہوا جو ہوا!''

وہ چپ ہی رہا۔ چہرے پر جذبات اور گہرے ہی ہوتے گئے۔ لگا، رونے کو آیا ہے۔

''کیا ہوا؟''

''...........''

''کیا ہوا؟''

''...........''

''تو ہی اکیلا محسوس نہیں کرتا۔ میں بھی اکیلا محسوس کرتا ہوں!''، یہ اچانک جواب تھا میرے لیے۔ پتہ نہیں تھا کہ میرا بھائی ایسے بولے گا۔ وہ بھی میرے لیے!!

میں بھی میٹھے بندھن چاہتا ہوں۔ کوئی تو ہو، روک ٹوک کرے، جس کے بارے میں سوچوں۔ باہر نہ رکوں۔

☆ دادا کا گھپلا

اُن دنوں نکھل کو کوئین ویئر کمپنی کے بیک آفس میں نوکری ملی تھی۔ جو، سامان رکھنے کے ڈبے، بیگ وغیرہ بناتے تھے۔ دادا کے کافی دوست ریٹیل سیکٹر؟؟؟ میں کام کرتے ہیں۔ انھیں کی پہچان سے دادا کو جاب ملا تھا۔ ابھی اس نوکری کو لگے مہینہ بھر ہی ہوا تھا تین چار دنوں سے میں دیکھ رہا تھا کہ وہ کام پر نہیں جا رہا تھا۔ میں نے ہال میں اس دن اسے ایک لڑکی کے ساتھ بیٹھا دیکھا۔ کچن میں جا کر میں نے مما سے پوچھا،'' یہ یہاں کیوں آتی ہے؟''

''دادا کے لیے آتی ہے۔ چیمبور میں میرے آفس بھی آئی تھی۔''

''کیوں؟''

''ایسے ہی آتی ہوگی۔''

''ایسے ہی؟''

''اسے کسی جاب پر لگانا ہے۔ دادا مدد کر رہا ہے؟''

"اور دادا گھر کیوں بیٹھا ہوا ہے؟"

"کچھ گھپلا ہو گیا ہے اس سے۔"

"کیا؟"

"ایک گاہک نے بیس ہزار روپے کی بیگ خریدی اور نکھل کو کیش پے مینٹ کیا۔ نکھل نے کیش اپنے پاس رکھ لیا اور اپنے کریڈٹ کارڈ سے بیس ہزار روپے سوائپ کردیے۔ کمپنی کے سسٹم میں ایکسٹرا ٹیکس سا آٹھ فیصد کٹنے تھے۔ ٹیلی میں پکڑا گیا۔ بتا تو ایسی غلطی اس نے کیوں کی ہوگی؟"

"اسے نقد پیسوں کی ضرورت ہوگی اور کیا!"، میں نے کہا۔

"کمپنی نے شوکاز نوٹس دیا۔"

"اور یہ مہاشے جواب نہیں دے پائے ہوں گے۔ اور نکال دیے گئے ہونگے۔"

ایک سال سے اوپر ہو گیا مما نے ممبئی گوا ہائی وے پر پنویل سے چالیس کلومیٹر کے فاصلے پر پین نامی چھوٹے سے شہر میں ایک ایکڑ کی زمین خریدی تھی۔ نکھل اُسی پر پولٹری فارم بنانے کی تیاری کر رہا ہے۔ سات بارہ کا پروسیس آچکا ہے۔ مما کی بچپن کی سہیلی کرونا ماسی کے شوہر کا پین میں پولٹری کا اچھا بزنس ہے۔ نکھل انھیں کے ساتھ کام کرے گا۔ دھندے کی معلومات اکٹھا کر رہا ہے۔ مما اسے پیسے دے رہی ہیں۔ میں نے جب کبھی ان سے پیسے کی بات کی تو سناتی ہیں۔ نکھل کے لیے فرض سمجھتی ہیں۔ میں مانگوں تو عیاش لگتا ہوں۔

مما روئے بغیر کھانا نہیں کھاتیں!

"چلو آج کھانا کھانے باہر چلتے ہیں۔"، ان دنوں مما کا کبھی کبھی موڈ بن جاتا ہے۔ ہوٹل میں بیٹھتے ہی مما کہتی ہیں، "یاد ہے، ہم سب ایک بار یہاں، نیل کمل ہوٹل میں کھانا کھانے آئے تھے۔"

''ڈیڈی کے ساتھ کی بات کر رہی ہیں! آپ پرانے زمانے میں کیوں جا رہی ہیں۔ کیا ضرورت ہے؟''، میں مما کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہتا ہوں۔

''تم یہ کیسے کہہ سکتے ہو؟ مجھے جو تکلیف ہے اسے کون سمجھے گا؟''، مما کی آنکھوں میں پانی بھر آتا ہے۔

''پرابلم کے حل کے بارے میں بات کرو۔ پرابلم کے بارے میں نہیں۔''، نکھل بڑی کڑواہٹ سے بولتا ہے۔ اُس کے لہجے میں بڑا تیکھاپن ہے۔ مما رونے لگتی ہیں۔ میں اور نکھل ادھر ادھر دیکھنے لگتے ہیں۔ مما کے منہ سے آواز نہیں نکلتی ہتھیلیوں میں چہرے کو رکھے سر ہلاتی رہتی ہیں۔ بیچ بیچ میں سامنے ٹیبل پر رکھے باکس سے ٹشو پیپر نکال کر پونچھتی جاتی ہیں۔ پندرہ منٹ بعد سر اٹھاتی ہیں اور آنسو پونچھتی ہیں۔

''کل تم لوگوں کے لیے پورن پولی بنا رہی ہوں۔''، جیسے کچھ ہوا ہی نہیں تھا۔

گھر پہنچ کر نکھل نے پہلا کام یہ کیا کہ مما کی کلائی پکڑ لی اور بولا، ''آپ کی تو عادت ہی ہو گئی ہے۔ بنا روئے کھاتی ہی نہیں۔ پرانی چیزیں یاد کرتی ہیں۔ گھر میں تو گھر میں، باہر ہوٹل میں بھی...وہاں کا مینیجر مجھے جانتا ہے۔'' کلائی چھوڑ کر وہ مما کا سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیتا ہے۔ اور دیوار پر دھکا دیتے ہوئے چھوڑ دیتا ہے۔ ''دھم'' کی آواز آتی ہے۔ مجھے نکھل پر بہت غصہ آیا۔ میں نے اسے روکنا چاہا۔ مگر اس سے پہلے ہی وہ مما کو چھوڑ کر وہاں سے ہٹ چکا تھا۔ میں نے اپنی دونوں ہتھیلیوں سے اپنے کان دبائے اور سامنے کی دیوار پر پنچ مارے۔ مما وہاں سے ہٹ کر زمین پر چھوٹے بچے کی طرح منہ پھلائے بیٹھی تھیں۔ پھر وہیں آنکھ بند کر کے لیٹ گئیں۔ دس منٹ بعد وہ اٹھ کر بیٹھیں۔

''نکھل، یہ صوفہ اب پرانے ڈیزائن کا لگتا ہے نا! سنڈے کو شاپنگ کے لیے چلیں گے۔ نیا لے آتے ہیں۔'' وہ ایسے باتیں کر رہی تھیں جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ مما ادھر اُدھر کی باتیں کرنے لگیں۔ نکھل صوفے پر سر جھکائے بیٹھا تھا۔

''اچھا...جیتو! ذرا مشین میں کپڑے لگا دے۔''

''مما! آپ مجھ سے ہی کیوں کہتی ہیں؟''

وہ نکھل کچن میں جاتا تک نہیں۔ نہ ہی اپنے کپڑے دھوتا ہے۔ نہ پریس کرتا ہے۔ ہر روز مشین میں کپڑے ڈلواتا ہے۔ جینس بھی روز دھلواتا ہے۔ مما دھوتی ہیں۔ بڑے ٹھاٹھ ہیں.... میں نہیں کرتا... وہ اپنے کپڑے....''

''...ٹھیک ہے میں کرلوں گی۔'' وہ مجھے اس کے خلاف بولنے نہیں دیتیں۔

☆ فرصت

کم لوگوں کو نوکری سے گیپ کا موقع ملتا ہے۔ کوئی چاہے تو بھی نہیں روک سکتا۔ مجھے ملا ہے تو ذہن بنالوں کہ اب جاب کرلوں یا بزنس۔ وکالت کی پریکٹس تو پڑھائی کے بعد ہی ہوگی۔ شیئر بازار میں دلچسپی ہے۔ اس کے لیے پیسوں کی ضرورت ہے۔ کیوں نہ complot وغیرہ لاٹری کا بزنس کروں۔ اس میں سرمایہ کاری کم ہے۔ منافع کا مارجن زیادہ ہے۔ یہ دھندا کمیشن کی بنیاد پر ہے۔ ساٹھ ہزار کی دو مشینوں کا سیٹ اپنے جوئی گاؤں کی دوکان میں لگانا ہے۔ اُس آٹھ بائی بارہ کی دوکان میں کرایے کی مشینیں لگیں گی۔ مشین کیا ہے، کمپیوٹر میں لاٹری کھیلنا ہے۔ ہر آدھے گھنٹے میں لاٹری کا نیا کھیل چلتا رہے گا۔ جتنے پیسے کا کھیل کھیلنے والا ہارے گا، اس کا ایک فی صد ایجنٹ کو دینا ہوگا۔ تین ٹکا مجھے ملے گا۔ باقی کامپلاٹ لاٹری والے کو جس کا سیٹ اپ میں نے لگایا ہے۔ کھیلنے والا کھیل ہار جاتا ہے۔ کھیل والے کے ہارنے پر جو نقصان ہوگا، اس کا پرسینٹیج بھی ایسا ہی رہے گا۔ یہی کمپیوٹر پر گیم کا سسٹم ہے۔ کوئی کہے گا اتنا غیر انسانی غیر اخلاقی بزنس ہے۔ ہزاروں کھیلنے والوں کا نقصان اور ایک کا فائدہ۔ شیئر بار میں بھی تو یہی ہوتا ہے۔ ایسی کمائی کب تک کماؤں گا! شیئر مارکیٹ میں لگانے جتنا جمع تو کرلوں! حالانکہ وہ بھی جوا ہے۔

میں حالات کا جائزہ لیتا ہوں۔ آج حالات یہی ہیں۔ لوگوں نے ہر چیز کو دھندہ بنا رکھا ہے۔ ڈاکٹر، پولیس، وکیل یا جو بھی بننا چاہتے ہیں، اس کے پیچھے پیسے کمانے کا مقصد ہوتا ہے، سماجی خدمت نہیں۔ جب کہ ڈاکٹر کا کام سماج کو صحت مند رکھنا ہے۔ وکیل کا کام انصاف میں مدد دلانا ہے اور پولس کا کام حفاظت کرنا۔ آج انقلاب کی ضرورت ہے۔ کوئی

غریب ضرورت مند اگر چاقو نکالے تو اسے من چاہی چیز شاید مل بھی جائے...مگر ہمیں ایسی کرانتی نہیں چاہیے جس میں کسی ایک انسان کا فائدہ ہوتا ہو بلکہ ایسا انقلاب چاہیے جس میں سب کا بھلا ہو۔

ہمیں اپنی بنیادی ضرورتوں سے زیادہ پیسے خرچ کرنے پڑتے ہیں۔کھانے پر ہی نہیں نقل وحمل پر بھی خرچ کرنا پڑتا ہے۔سرکار ایسی ہو کہ کم سے کم غریب کو کھانا ملے۔

ویسے جھونپڑ پٹی میں رہنے والے اُن لوگوں سے مجھے چڑ سی آتی ہے...وہ جو اپنے حالات سے باہر آنا ہی نہیں چاہتے۔

شاید میں 'بدھا' چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔

''سدھار و اپنا پرفارمنس۔''، یہ نہیں کہا، متبادل دیتے تو رک جاتا۔ کچھ دن اور رکتا تاکہ سارنگ سدھرتا۔کبھی نہ کبھی تو مجھے اسے چھوڑنا ہی تھا، کیوں کہ یہ سچ ہے کہ یہ لاء فرم ہے لیکن اس میں بھارت کے قانون سیکھنے کا کوئی موقع نہیں ہے۔سارے قانون یو ایس کے تھے۔وہ بھی ہمارے ملک کے قانون نہیں ہیں، بزنس لاء ہے اور بیوپاری قانون میں مجھے بالکل دلچسپی نہیں ہے۔

طے ہی کر لیا کہ پڑھائی پوری کرنے تک کسی جاب میں سنجیدگی سے ملوث نہیں ہوں گا۔

لیگل جاب کے لیے کوشش کر رہا ہوں۔ عالمی کساد بازاری اور مندی کا زمانہ ہے۔لیگل جاب نہیں ملی تو کال سینٹر کے سوا کوئی متبادل نہیں ہوگا۔

☆ گھر چھوڑا اگر...

بے روزگار نکھل دادا سارا وقت گھر بیٹھا دوستوں سے واٹس ایپ پر چیٹنگ کرتا رہتا یا کمپیوٹر آن کیے فیس بک پر بیٹھا رہتا۔میں گھر نہیں رُکتا ورنہ جھگڑا ہوتا ہے۔

''اندازہ نہیں ہوتا، تو کتنا کماتا ہے۔کہاں خرچ کرتا ہے۔پیٹرول، پزا، باہر کا

کھانا... نکھل بھی مہینوں سے گھر پر بیٹھا ہے۔''، مما میرے بارے میں نکھل دادا کے سامنے بھی شکایتیں شروع کر دیتی ہیں۔

''پیسے دے مما کو۔''، نکھل صوفے پر پڑا ہوا 'واٹس اپ' کے میسج دیکھ رہا تھا، آنکھیں اس سے ہٹا کر مجھے گھورتا ہے۔

''پیسے نہیں ہیں دادا۔ پچھلے مہینے صوفہ سیٹ لانے میں مما کی مدد کی تھی نا!''، میں نے نرمی سے کہا۔

''تو ہر مہینے ہاتھ میں پیسے کیوں نہیں دیتا۔''، مما بھڑکی ہوئی تھیں۔ ان پر پورا بوجھ تھا۔ مجھ کو ڈانٹنے لگیں۔

''کیا رے!''، نکھل اٹھ بیٹھا۔

''تم کیوں بیچ میں بولتے ہو؟ تم سے نہیں بولتا۔ تمھیں کیا پرابلم ہے؟''، میں نے بھی سختی سے جواب دیا۔ بس ہاتھا پائی شروع ہو گئی۔

''دادا مجبور مت کر۔ ماروں گا تجھے۔''، اس نے میرا گلا پکڑا۔ میں نے اسے اٹھا کر پٹک دیا۔ چیخ پکار سن کر پڑوسی آ گئے اور بیچ بچاؤ کرایا۔

''تھوڑی دیر اور تماشہ کرتا تو مار دیتا، ہاتھ پاؤں توڑ دیتا۔'' پڑوسی کچھ دیر سمجھا کر چلے گئے۔ میں اٹھ کر اپنے کمرے میں گیا۔ ائیر بیگ میں کچھ سامان رکھ لیا۔ مما اٹھ کر دروازے کے پاس آئیں۔

''مت جا۔''

وہاں سے نکل کر میں بھانڈوپ چلا گیا۔ ساحل اپنی بیوی کے ساتھ ان دنوں بھانڈوپ میں رہنے لگا تھا۔ دونوں صبح صبح بیٹے کو پالنا گھر میں رکھ کر نوکری پر چلے جاتے تھے۔ سنیچر اتوار وہ گھر پر ہوتے۔ وہ اپنے بچے کی شرارتوں اور تربیت میں مصروف رہتے۔ کبھی کبھی اس کی ماں اور بھائی بھی ان سے ملنے چلے آتے۔ میں اپنے کو ان کی پرائیویسی میں اڑچن محسوس کرتا۔ دن کسی تھیئٹر میں، پارک میں یا دوستوں سے ملنے میں گزارتا یا دوسرے دوست کے پاس چیمبور یا بیلاپور جا کر رہتا۔

پندرہ دن ہو گئے۔ گھر سے کوئی فون نہیں آیا تھا۔ آخر کب تک رہتا؟ کیسے چلاتا؟ ایک شام سات بجے گھر لوٹ آیا۔ مما اور دادا دونوں گھر پر تھے۔ کسی نے کوئی بات نہیں کی۔ میں نے اپنی الماری میں سامان لگا دیا۔ کھانا باہر کھا آیا تھا۔ دروازہ بند کر کے سو گیا۔

مما کی سالگرہ کے دن میں نے اُن کے کمرے میں قسطوں پر اے سی لگا دیا۔ کبھی کبھی لگتا ہم تین مطلبی انسان ہیں۔ کام ہے تو اچھی بات کرتے ہیں۔

''ارے جیتو، تُو کہاں ہے؟ میری گاڑی بند پڑی ہے رے۔''، دادا کی آواز کانوں میں گونجتی ہے۔

''جیتو، میں چابی لے جانا بھول گئی۔ تو کہاں ہے۔ جلدی آ۔''، مما کی آواز کہیں دور سے آ رہی ہے۔

''مما میں بھانڈوپ میں ہوں۔ نکھل دادا کو کیوں نہیں بلا لیتیں؟''

''ارے وہ بھی چابی لے جانا بھول گیا۔'' میں دوڑا دوڑا آتا ہوں۔ یہ منظر کتنی بار آنکھوں کے آگے سے گزر گیا۔

شاید ایسے منظر ان دونوں کی آنکھوں میں بھی ہوں۔ مجھے تو ایسا کہیں نہیں لگتا۔

☆ وائیوا

چوتھے سیمسٹر کا وائیوا تھا۔ ایڈوکیٹ دتا پاٹل کالج آف لاء، علی باغ، رائیگڈھ کے لکچرر کو ایکسٹرنل ممتحن کے طور پر آنا تھا۔ اِس روپ میں مہک کو اپنے سامنے دیکھ کر مجھے بڑا عجیب لگا تھا۔ وہ مجھے دیکھ کر مسکرائی اور بولی، ''کیا ہوا۔ ابھی تک گریجویشن کر رہا ہے۔'' اس نے مجھے اپنا کارڈ دیا تھا۔ اس کا نمبر بدل چکا تھا۔

میں چپ چاپ بیٹھا تھا۔ ایک شرمندگی کا سا احساس تھا یا کیا تھا! نہ جانے کون کون سے دور ذہن کے پردے سے گزر گئے!

''کیا کروں؟ کیسے کروں؟''

موبائل پر لاء کے دوستوں کے گروپ میں مہک .....دکھائی دی۔وہ گروپ ایڈمن تھی۔آج اس نے مجھے اپنے گروپ میں شامل کرلیا تھا۔میں نے اسے فوراً فون لگایا۔

''تو بہت ذہین ہے۔پڑھے گا تو ہم سے اچھے نمبر لائے گا۔کہاں کال سینٹر میں اٹکا ہے؟''اُس نے میرا نمبر پہچان کر سیدھے کہا۔

''گھر کے پرابلم ہیں۔''

''شاید میور تیرے کام آجائے!''اس نے میور کا نمبر دیا۔میور بی کام کے بعد ایل ایل بی کا کورس کرنے ہمارے کالج آیا تھا۔میں نے بارہویں کے بعد سیدھے Bachelor of Legislative Sciences یعنی بی ایل ایسمیں ایڈمیشن لیا تھا۔تیسرے سال میں ایل ایل بی کا کورس شروع ہوتا ہے۔اسی سال میور اور میرے ساتھ تھا۔

''تیرے امتحان اپریل کے پہلے ہفتے میں ہیں ۔یہ فروری کا آخری ہفتہ ہے۔سبجیکٹ تیرے آٹھ ہیں ۔اب تک کیا کر رہا تھا؟''

''............''،میرے پاس کیا جواب تھا۔

''جیسے بولتا ہوں ویسے کر۔جو ہوم ورک دوں،اسے پورا کر کے لا۔ ہر سبجیکٹ کے ڈیڑھ ہزار روپے لوں گا۔منظور ہوتو بول۔''،میور پکے بزنس مین کی طرح بولا۔

''ڈیڑھ ہزار کے حساب سے میں تم سے چار سبجیکٹ ہی پڑھ پاؤں گا۔کل چھ ہزار ہوں گے۔''

''کوشش کرونگا کہ گو رہوں۔خود بھی کرنا پڑے گا۔''

میں رات کو بھی آؤں گا''،میں جوش میں آگیا۔

☆ مٹی ہوئی عورت...

میں گھر بیٹھا ہوا تھا۔ایک دن انٹرنیٹ پر لاء کی کلاس 'سٹڈی ویل' ڈھونڈا۔پتہ چلا،وہ لوگ نوٹس دیتے ہیں۔میرے پاس بھی کچھ نوٹس پڑی ہوئی تھیں۔اپنے دوستوں

سے لے لے کر کسی بکسے میں ڈال دی تھیں۔ میں نے اپنے نوٹس کی تلاش اپنے کمرے کے بنک میں رکھے ہوئے کاغذات نکالے۔ بکسے میں بغیر تاریخ کا ایک خط ملا۔

"میں نے ایک ایسے انسان سے ذلت برداشت کی جو میرے بچوں کا باپ تھا۔ آپ نے میرا کتنا ساتھ دیا۔ اور آج آپ ہی الزام لگاتے ہیں۔ کیا کہا تھا آپ نے شام کو؟ میں نے تن من، دھن دے کر آپ سے ایسا سلوک پایا۔ صرف اس لیے کہ میں آپ سے شادی نہیں کر سکتی۔ الگ رہ کر بھی میں ہمیشہ آپ کی ہی رہوں گی۔"

یہ خط مراٹھی زبان میں تھا۔ جانتا ہوں چودھری مراٹھی بہت اچھی جانتا ہے۔ مما نے اس کے لیے لکھ تو تھا مگر دیا نہیں ہوگا۔ مجھے پہلی بار احساس ہوا کہ مما، مما نہیں ایک مٹی ہوئی عورت ہے۔ ترس آیا۔ ایک عورت جو دو زندگیاں جی رہی ہے۔ اس کے دو سنسار ہیں۔ بچوں کی طرف ذمہ داری پوری کرنے کی کوشش کرتی ہیں تو بچوں کو لگتا ہے دل سے نہیں، سر پر تھوپی ہوئی ذمہ داری کی طرح نپٹا رہی ہیں۔ دوسری طرف وہ شخص ہے۔ کوئی اسے دیوی نہیں سمجھتا۔ شاید مما چودھری سے اس لیے شادی نہیں کرتیں کہ جائیداد میں بچوں کا حق نہ مارا جائے۔ یا پھر اس لیے کہ بچوں پر اسے زیادہ بھروسہ ہے۔ پتہ نہیں، مرد کیسے ایڈجسٹ کر لیتے ہیں!

"اور بچے! دنیا میں سب سے زیادہ اُنھیں کو پریشان کرتے ہیں!!" میں اپنا جائزہ لیتے ہوئے پشیمان تھا۔

یہ کیا ہو گیا!

میور نے مجھے پڑھنے کی ایسی عادت ڈال دی کہ باقی کے آسان مضامین کے امتحان میں نے اپنے طور پر پڑھ کر دیے۔

امتحان کا رزلٹ آیا تھا۔ میں پوری طرح شاک میں تھا۔ آٹھ میں سے سات مضامین میں پاس ہو گیا تھا۔ یہ پہلی بار ہوا تھا۔ صرف Jurisprudence رہ گیا۔

"نکلے کیسے؟" میور جیسے شاک میں تھا۔

''تو میرے یہاں آ جا۔اب تک جو نقصان ہوا ہے، بھول جا۔ میں بولوں، ویسے پڑھ۔''

میرے پاس بچائے ہوئے پیسے ختم ہو گئے تھے۔ میں لاء کے پانچویں سال میں داخلہ لے چکا تھا۔ نیا سال، نواں سمیسٹر۔

''یہ سمیسٹر کافی محنت طلب ہے۔زور لگا کر کر لے۔اس کے رزلٹ پر تیرا کلاس بنے گا۔اِن چار مضامین کے لیے میری ایک شرط تجھے ماننی ہوگی....''

''کیا؟''میں چونکا۔

''تُو جاب نہیں کرے گا۔''، میور نے کہا۔

''تو پھر تمھیں فیس کہاں سے دوں گا؟''

''چل ٹھیک ہے۔ایک دو مہینے کے لیے کر لے۔بولوں گا تو چھوڑ دینا۔''

'زیڈ اینڈ اے انفرا سروسیز' جوائن کیا۔بائیس ہزار تنخواہ تھی۔دو مہینوں کے چالیس ہزار جمع ہوئے۔اگلے سال کے انشیورنس کے لیے سولہ ہزار سات سو جمع کیے۔ایک مہینے کا نوٹس دے کر جاب چھوڑ دیا۔گھر کی طرف قدم بڑھ رہے تھے...ایڈجسٹ کرنے میں مجھے اتنی تکلیف کیوں ہوتی ہے مجھے پرابلم ہے۔ہر جگہ کوئی بھی کام شروع کرنا مشکل ہوتا ہے۔ابتداء ہموار ہو تو آگے بڑھتا جاؤں۔مما کے ساتھ ایڈجسٹ کرنے میں مجھے اتنی تکلیف کیوں ہوتی ہے؟

جا کر مما سے کہا،''اب تک جو ہوا بھول جاؤ۔یہ میرا فائنل ائیر ہے۔پیسوں کا سہارا نہیں مانگوں گا۔صرف ذہنی سہارے والے ساتھ کی ضرورت ہے۔''

☆ ڈیڈی میں پاس ہو گیا

''ڈیڈی میں پاس ہو گیا، وکیل بن گیا۔''

''کتنے سال میں ہوا۔کون کُتا آئے گا تیرے پاس؟ پانچ سال کی پڑھائی کو دس

سال لگادئے۔''، ڈیڈی اخبار پڑھ رہے تھے۔ میرے چہرے کو چشمے کے اوپر سے غور سے دیکھا تھا اور بولے تھے۔ میں نے بھی ان کے طنز کے تیر کو بازو اٹھا رکھا اور بولا، ''وہ بعد کی بات ...لیکن کالج میں پچھتا آیا۔ ان دس سالوں میں ایک پل بھی نہیں لگا کہ چھوڑ دوں، شاید آپ کو یاد ہو! آپ سے کہا تھا، 'آپ کا بیٹا ہوں، پورا کیے بغیر چھوڑوں گا نہیں۔''

☆ مام ڈر گئیں

صبح کا وقت ہے۔ میں دھیرے سے دروازہ کھولتا۔ کپڑے بدل کر کچن کے پاس جاتا ہوں اور شیر کی آواز نکالتا ہوں۔ مما ڈر جاتی ہیں۔........... پھر ہنسنے لگتی ہیں۔ میں بھی کتنے دنوں بعد ہنسا ہوں۔ مما کے ساتھ بہت کم ہنسی مذاق ہوتا ہے۔ زیادہ تر وہ اپنی بات تھوپتی ہی ہیں،

''یہ کرو!....وہ نہ کرو!.... اب تربیت کرنے چلی ہیں نا!...کر سکتی ہیں...ماں جو ہیں۔''

''مما! سوچتا ہوں..آپ سے مجھے کچھ خاص پرابلم تھا ہی نہیں!...پھر میں یہ کیوں سوچتا تھا کہ یہ اپنی لائف جئیں! میں اپنی جیوں.......... جب تک میرے پاؤں جم نہیں جاتے........... کچھ بن نہیں جاتا!...جب ضرورت تھی تب کیوں میرے معاملے میں نہیں آئیں!...میں غلط تھا!''

''میں کہتی تھی نا، تُو ابنارمل ہے!' میں نے مما کی طرف پلٹ کر دیکھا۔ اُن کی آنکھیں فخر سے چمک رہی تھیں،.....اور میں سمجھتا رہا کہ وہ اس لیے کہتی ہیں کہ اُن کی سوچ سے ملتا نہیں۔ اپنی سوچ اُن پر لادتا نہیں، اس لیے ابنارمل کہتی ہوں گی!............ میں سمجھتا رہا وہ اپنی سوچ مجھ پر لادتی ہیں۔ اس کے لیے میں کیا کروں؟ ---''جانتی تھی وکیل کی ماں بنوں گی۔''میں نے بڑھ کر مما کے گھنگھریالے بالوں کو چوم لیا۔''...اور بہو بھی وکیل لاؤں گی۔''وہ اپنی بات پوری کر کے رہیں۔

☆ مدہوش

رزلٹ کی خوشی میں مدہوش تھا۔ اسے بانٹنے کے لیے میں مینکا کے پاس نیرول چلا گیا۔ پتہ نہیں کیوں، جی چاہتا تھا ساری دنیا کو بتاؤں۔ ساری دنیا آج مجھے میری اپنی لگ رہی تھی۔ مینکا بلڈنگ کے نیچے بیٹی کے ساتھ کھڑی کنول اور گیندے کے پوجا کے پھولوں کا سودا کر رہی تھی اور مراٹھی طرز کی کاشٹ ساڑی پہنے بندی لگائے، پھولوں کی ٹوکری سامنے رکھے پھول بیچنے والی دام کو لے کر اس سے بحث کر رہی تھی۔ مجھے بائک سے اترتے دیکھ کر پھولوں کی ٹوکری پر جھکی ہوئی مینکا کھڑی ہوگئی۔ میں نے اسے اپنا رزلٹ بتایا۔ وہ بہت خوش ہوئی تھی۔

''تُو کبھی میرے پاس نہیں آیا۔''

''میری حیثیت نہیں تھی۔ رشتوں کی سمجھ بھی نہیں تھی... آج سمجھتا ہوں۔''، میں نے اس کی بیٹی کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا، ''کچھ چاہیے؟ بول پوجا!''

مینکا مجھے اپنے گھر لے گئی۔ ٹیبل پر پڑی ہوئی پوجا کی تھالی بیٹی کے ہاتھوں میں دیتے ہوئے بولی، ''پُوجا! آج رکشا بندھن ہے۔ یہ جتیش ہے۔''

''یہ ہمیشہ پوجا کی تھالی سجا کر بھائیوں کا انتظار کرتی ہے۔''، اُس نے میرے ماتھے پر کم کم کا ٹیکا لگایا۔ پھر میرے منہ میں برفی کا ایک ٹکڑا رکھ کر میری آرتی اتاری۔ پوجا کی تھالی سے سنہرے پھولوں والی راکھی نکال کر میری کلائی پر باندھ دی اور جھک کر میرے پاؤں چھو لیے۔

''اب یہ میری ذمہ داری ہے۔''، میں نے اس کی تھالی میں پانچ سو روپے کا نوٹ رکھا۔

''کون سی کلاس میں ہو؟''

''دسویں میں ہوں دادا۔''

پندرہ سال کی، ماں کی طرح گوری چٹی، اونچی لمبی لڑکی۔ ہو بہو ڈیڈی کی شکل کی۔

''ڈیڈی فون کرتے ہیں؟''، میں نے مینکا سے پوچھا۔

''ہاں اکثر نشے میں بیٹی کو باتیں سناتے ہیں۔ پیسے جو دیتے ہیں!''

☆ رِنگ والے جیوتشی بابا

مینکا کے گھر بیٹھا ہوا تھا۔ ایک چھوٹا سا مِسڈ کال جیب میں تھرتھرا گیا۔ یہ رِنگ والے جیوتشی بابا کا کال تھا۔ میں نے میسیج باکس دیکھا۔ لکھا تھا،

''مغری پاس تمہاری انگوٹھی سے سامگری آ جائے گی۔ اُجّول بھوشیہ کے لیے ہَون کروالو۔ آج شبھ دن ہے۔ اوشیہ ہی پریکشا میں سپھل ہو جاؤ گے۔''

''میں پاس ہو گیا۔''میں نے بابا کو میسیج کیا اور مسکرا کر موبائل جیب میں رکھ لیا۔

☆ اِش لی بَ دِش نوخ جیتو!

(Ich liebe dich noch)

''کہاں ہو، کیا کر رہے ہو؟''، آج مہک کا فون آیا تھا۔ شاید چھوڑ نہیں پا رہی ہے۔

''میں آؤں کیا ملنے؟''

کافی دن اکیلا رہا ہوں، سوچا مہک کے ساتھ جو تھا صحیح تھا............ یا غلط۔ فیصلہ کیا غلط تھا؟ نہیں۔ اُس نے میری رہنمائی بہت کی ہے! آج مجھے شدّت سے مہک اور سائرہ کی یاد ایک ساتھ آئی۔ سائرہ! ارے! وہ تو دِسر ہی گئی، پتہ نہیں کب رابطہ چھوٹا! ... پتہ ہی نہیں چلا! اُس کی بات یاد آئی، ''کسی انسان کو اتنی اہمیت نہ دو کہ خود کو بھول جاؤ''، تم نے سچ کہا تھا سائرہ، ''اپنے بارے میں سوچو، تبھی خوش رہ پاؤ گے۔''

''سن رہے ہو! میں آؤں ملنے؟... وکیل صاحب! اِش لی بَ دِش جیتو!... سنتے ہو،'' جرمنی میں' آئی لو یو' بول رہی ہوں۔ سیکھی ہوئی بھاشا بھول گئے؟؟'' مہک چیخ رہی تھی۔

میں چپ رہا۔

''جواب دونا! آؤخ،.... کہو، میں بھی۔''

''گھر پرنہیں ہوں--- تم کہاں ہو؟'' میں نے پوچھا۔

''جس دوکان سے تم سامان خرید رہے ہو، اس کے بالکل سامنے بالا جی ریسٹورنٹ میں۔''

میں نے پلٹ کر دیکھ۔ وہ واقعی وہاں موجود تھی۔ آنکھوں میں چمک، ماتھے کی بندیا میں چمک، سُرخ لپ اسٹک میں چمک، لہراتی سنہری ساڑی میں افشاں بھر دی گئی ہو!

میں سڑک پار کر کے اس کے پاس پہنچا۔ وہ شیشے کے دروازے کے اُس پار چلی گئی تھی۔ میں اندر گیا۔ اس نے میری بائیں بانہہ اپنی دائیں بانہہ میں پھنسائی اور ٹیبل کی طرف لے چلی اور مجھے ہلکا سا ڈھکیل دیا۔ اس سے پہلے کہ میری سمجھ میں کچھ آتا، بیٹھتے ہی اس نے میرے کندھے پر سر رکھ دیا اور بولی،

''اِش لی اب دِش جیتو! اِش لی اب دِش نوخ جیتو!--- آئی سٹِل لو یو جیتیش!''

''مگر تم اب شادی شدہ ہو!''

''پتہ چل گیا تمہیں!'' وہ میرے کندھے پر سر رکھے رکھے ہنس دی۔

''گلے میں منگل سوتر فیشن تو نہیں!''

''میری غلطی ہوئی.. اب ہو چکی بھول جاؤ۔''

میں اس کے سر اور دونوں ہاتھوں کی گرفت سے اپنی بانہہ کو آزاد کرانے کی ہلکی سی کوشش کرنے لگا۔ اُس نے میری آنکھوں میں دیکھا اور بولی، ''سچّی.. اب محسوس ہوتا ہے میں تمہیں چھوڑ نہیں سکتی۔''

''بیکار باتیں کرتی ہو۔'' مجھے اپنی آواز اندھے کنویں سے آتی ہوئی لگ رہی تھی۔

''تم مجھے اپنی زندگی سے نکال نہیں سکتے۔ تم.....''

''مجھے نہیں پتہ!'' میں غصّے سے بھر گیا۔

اُس نے اچانک اپنا ہاتھ چھوڑ یا ور اپنے دونوں ہاتھ کانوں پر رکھ لئے، ''میں کچھ

نہیں جانتی۔ بس تم میرے ہو۔''

اسی وقت ویٹر آرڈر لینے آیا۔

''کچھ نہیں چاہیے۔ اب کسی چیز کی ضرورت نہیں رہی۔'' اور وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ ریسٹورنٹ سے باہر آ کر بولی، چلو میرے گھر!''

''...اب وہ تمہارے ...'' اس نے میرے ہونٹوں کو اپنی انگلیوں سے ڈھک دیا۔ آگے کچھ کہنے نہ دیا۔

''کوئی نہیں صرف تم...'' پھر دھیرے سے بولی، ''ٹور پر گئے ہیں۔''

''کیا کہتی ہو! تمہاری ایک الگ زندگی ہے!''

''کیا ہوا کہ ہماری اور ایک زندگی ہے۔ میں بھی رہوں گی تمہاری زندگی میں ہمیشہ۔ جان گئی ہوں، تم سے زیادہ بہتر مجھے کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ میں تمہارے ساتھ ہی جینا چاہتی ہوں۔ بھرپور۔'' وہ سڑک کنارے کھڑی وینٹو کار کا دروازہ کھولنے لگی۔ میں تعجب سے اسے دیکھنے لگا۔ اس نے مجھے اسٹیئرنگ پر ڈھکیل دیا اور خود دوسری طرف سے آ کر بیٹھ گئی، ''چلو ڈرائیو کرو۔''

میں حالات کا جائزہ لینے لگا۔

''میری نئی پرسنل کار!'' اُس نے اِٹھلا کر جتایا۔

''مجھے نہیں آتی ڈرائیونگ۔''

''جانتی ہوں، تم نے کبھی کبھی دوستوں کی کار ڈرائیو کی تھی، یاد دلاؤں؟''

''کہاں چلنا ہے؟''، میں ہار مان گیا۔

''نے را۔ ہمارے بنگلے پر''

میں چپ تھا۔

''نیو بنویل سے کافی پیچھے ماتھیران ہل اسٹیشن روڈ تک، 'نے را' تک چلتے رہو جہاں فلم اداکار سلمان خان کا خوبصورت بنگلہ ہے!''

میں پندرہ بیس منٹ تک چپ چاپ کار چلاتا رہا۔ وہ بھی شرافت سے بیٹھی رہی۔ کار فرّاٹے بھرتی ماتھیران روڈ پر نو کلومیٹر اندر تک دوڑتی چلی گئی۔ سڑک کے دونوں طرف ہریالی تھی۔ وازے گاؤں کے موڑ پر تین کلومیٹر اندر جانا تھا۔ وازے گاؤں کی ابھی ترقی نہیں ہوئی تھی۔ یہ ایک چھوٹی سی بستی ہے۔ پہاڑ سے اونچائی پر آدی واسیوں کے لکڑی کی پھلیوں کے بنے جھونپڑے دکھائی دے رہے تھے۔ میدانی علاقے میں کھیتوں میں آگری اور آدی واسی ساتھ ساتھ کام کرتے ہوئے دکھائی دیے۔ وازے بستی کے ایک کلو میٹر اندر کی طرف سے ہی تین چار فارم ہاؤس سلسلے وار دکھائی دیے۔ یہاں ُنے را' کے ایک سنگل روڈ پر آخری بنگلے کے پاس مہک کے حکم سے میں نے کار رُکا دی۔ پاس ہی 'ارپتا فارم' کا بورڈ لگے ہوئے گیٹ کے اندر سیکیورٹی کی وردی پہنے دو آدمی کُرسی پر بیٹھے تھے۔ اندر شاید کوئی پارٹی ہو رہی تھی۔ گیٹ کے اندر سڑک پر 'گو کارٹنگ' کار ریس میں مگن تھے۔

''ارپتا فارم' میرے فیوریٹ اداکار کا بنگلہ ہے اور یہ میرا نیا گھر!''، مہک لپکی اور میرا ہاتھ پکڑ کر اُس چھوٹے سے بنگلے کے لان کو پار کر کے خوبصورت سے ڈرائینگ روم کے صوفے پر مجھے کاندھوں سے پکڑ کر بٹھانے لگی۔ میں نے اس کا نازک لمس محسوس کر رہا تھا۔ میں نے اس سے نظر بچائی اور ڈرائینگ روم کی جانب دھیان بٹایا۔ تپائی پر پڑا ہوا رِموٹ اٹھا کر دروازے کی بائیں دیوار پر لگے چوون انچ کا ٹی وی آن کر دیا۔ اس نے میرے ہاتھ سے رِموٹ لے لیا اور ٹی وی کو بند کر دیا۔ میں اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ دائیں طرف کیکٹس کا پودا ہرا تھا۔ دروازے سے لگے ہوئے صوفے پر میں بیٹھا ہوا تھا، اسی کے پیچھے بڑی سی کھڑکی کے اوپر سفید اور گرے پھولدار پردے ٹنگے ہوئے تھے۔ چھت پر لکڑی کی فالس سیلینگ میں جُوے ہوئے ایل ای ڈی بلب ستاروں سے چمک رہے تھے۔ ایل شیپ صوفے کے سامنے نیچے تین رنگی قالین پر جمی ہوئی سفید تپائی پر پیلی اور گلابی دو بڑی بڑی خالی شیشیاں رکھی ہوئی تھیں اور دیدہ زیب لگ رہی تھیں۔

کھڑکی کے سامنے کی دیوار پر خوبصورت چہروں اور پھولوں کی پینٹنگس ٹنگی ہوئی تھیں۔ سامنے پارٹیشن کے پیچھے کچن کی چمنی دکھائی دے رہی تھی۔

''کتنا زمانہ گزر گیا تم سے الگ ہوئے۔ اب نہیں جانے دوں گی۔'' اگلے ہی لمحے وہ میرے گھٹنوں پر سر دیئے تڑپ رہی تھی۔

''سابودانہ لانے نکلا تھا۔ مما انتظار کر رہی ہوں گی۔ اُپو اس کی کھچڑی بناتی ہے۔''، میں اس کی طرف مڑا اور بولا۔

''چلے جانا، تھوڑا وقت میرے ساتھ گزار لو۔ آؤ تمہیں اپنا بیڈ روم دکھاؤں۔''

مجھے محسوس ہونے لگا جیسے میں کسی بھنور میں غوطے کھا رہا ہوں...ڈوب رہا ہوں...ڈوب رہا ہوں۔ میں جلدی سے صوفے سے اُٹھ کھڑا ہوا۔

''ماں'' اچانک میرے منہ سے نکلا۔ میں اس کے بوجھ کے ساتھ صوفے پر گرا تھا۔ اس نے مجھے پھر ڈھکیلا تھا۔ میں کراہنے لگا تھا۔

''ماں!''

''کیا ہوا؟'' میری درد بھری آواز سے وہ سہم کر کھڑی ہوگئی، ''کمر میں زبردست جھٹکا لگا؟'' وہ مسکرائی۔ بولی،

''بام لاتی ہوں۔'' وہ صوفے کے کارنر کی دراز میں بام ڈھونڈنے لگی۔ میں اُٹھ بیٹھا۔ جب وہ بام ڈھونڈ کر لائی تو میں فلیٹ کا دروازہ کھول چکا تھا۔ وہ دوڑتی ہوئی آئی اور آگے بڑھ کر دروازے میں تن کر کھڑی ہوگئی۔

''نہیں جانے دوں گی۔ تم میری زندگی میں بہت گہرے اُتر گئے ہو۔ اپنی کامیابی پر ناز کر رہے ہو وکیل صاحب! سچ بتاؤ!...کیا تمہاری محبت میں.. میں اکیلی ہی.. ہاں... بڑے بنتے ہو دیوتا!..آج بولو نا!''

میرے ہاتھوں میں کیسی طاقت آئی تھی! میں نے اسے اس کے بازوؤں سمیت اپنے مظبوط بازوؤں میں سمیٹ لیا۔

''شادی کر رہا ہوں۔''

''نہیں!!'' اُس کی آنکھیں نیم وا تھیں۔

''اور...اور...''

''اور؟؟'' وہ بہکنے لگی۔

''اور.... ڈیڈ اور مام کی زندگی کو دُہرانا نہیں چاہتا، مہک!'' میں نے اُسے پرے دھکیل دیا۔ ''ڈیڈ اور مام کی زندگی کو دُہرانا نہیں چاہتا'' میں بڑبڑاتا چلا گیا، نے را کی کھلی سڑک پر بھی.. ''میں وہ زندگی پھر سے جینا نہیں چاہتا!!!''...........

☆ مبارک ہو وکیل صاحب!

میرے ہاتھ سے ساگودانہ لے کر مما کچھ پل مجھے پیار بھری مسکراہٹ سے نہارتی رہیں۔ پھر اپنا دایاں ہاتھ بڑھایا۔ میں نے اپنا سر جھکا لیا۔ کچھ سیکنڈ میرے بالوں میں پھیریں اور اپنی اُن انگلیوں کو چوم لیا۔ پھر جلدی سے کچن میں چلی گئیں۔

میرے موبائل پر نوٹی فکیشن آیا ہوا تھا۔ ای میل دیکھا،

''مبارک ہو وکیل صاحب!

۔سائرہ آر بی''

میں چونک گیا۔

کاش میں نے اُسے یوں ہی نہیں لیا ہوتا! اس نے بھی کبھی مجھ سے رابطہ نہیں کیا۔ شاید وہ مجھے صرف کلائنٹ سمجھتی تھی۔ پتہ نہیں! لیکن یہ بھی تو ہے کہ ڈاکٹر گھوش کی کلینک کے بعد اس نے مجھے کبھی consultancy کے لیے نہیں بلایا تھا۔ میں نے بھی کب اُسے سنجیدگی سے سائیکالوجسٹ کی طرح لیا! پتہ نہیں ماہرِ نفسیات کو ہم اہمیت نہیں دیتے! میری الجھنیں باتوں ہی باتوں میں ایسے دور کیں کہ مجھے پتہ ہی نہیں چلا۔ میرے بات کو دُہرانے پر ناراض نہیں ہوئی۔ کبھی خود ہی دُہرا کر سوال پوچھتی، تا کہ اس پر زیادہ غور کروں!

''کہاں گم ہو گئی تھیں، میری امی؟'' میں نے ای میل کیا۔ اُدھر سے جواب نہیں آیا۔

مجھے اُس کا آخری واٹس ایپ میسیج یاد آ گیا۔

اِس وقت مجھے اُس کی کتنی ضرورت ہے! شدید! شدید ضرورت! میں اس سے بات کرنا چاہتا تھا۔ ابھی اِسی وقت!

☆ اوسائرہ!!!

''سائرہ؟''میں نے سائرہ کے گھر فون لگایا۔
''سائرہ اپنے شوہر کے پاس سعودی عرب میں ہے۔''فون اس کی امّی نے اٹھایا تھا۔
''اوراُن کی بیٹی؟''
''ہاں..ں...اپنی بیٹی کے ساتھ۔''
''ریحان بیڈ بکر!''مجھے شک ہوا، کہیں سائرہ نے دوسری شادی تو...
''ہاں، ریحان کوسعودی عرب کے شہر جُبیل میں جاب مل گئی ہے۔''
''اوہ!''میں نے ٹھنڈی سانس بھری۔
''وہ وہاں کے بچوں کے ایک اسپتال میں نوکری کرتی ہے۔''
''اُس میں قابلیت ہے۔وہ سماج کے لئے بہت کچھ کرسکتی ہے۔''، میں نے حامی بھری۔

''دونوں نے مذہب کی ڈور پکڑلی ہے۔ریحان نمازی ہوگیا ہے۔سائرہ کی بیٹی حجاب میں ہے۔''سائرہ کی امّی کی آواز میں کتنا سکون ہے۔
''سوچتاہوں، راستہ کوئی بھی ہو، منزل سکون ہے...شکریہ سائرہ۔''میں نے فون بندکر کے دھیرے سے اپنادایاں ہاتھ سینے پر رکھ کرعقیدت سے کہا۔

''آج میں واقعی کامیاب ہوگیا سائرہ!''میں نے فوراً واٹس ایپ پراور فیس بک پر میسج کر کے چیٹ کرنے کی کوشش کی مگر سائرہ نے کوئی جواب نہیں دیا!

☆☆☆

ڈاکٹر صادقہ نواب سحرؔ (مختصر تعارف)

تعلیم:۔ پی ایچ ڈی، ایم اے (اردو)، ایم اے (ہندی)، ایم اے (انگریزی)، ڈی ایچ ای، سیٹ

پتہ:۔ فلیٹ نمبر۲، پہلا منزلہ، محسن منزل، شاستری نگر، کھپولی، ضلعہ رائیگڑھ، مہاراشٹر ۴۱۰۲۰۳

فون:۔ ۰۲۱۹۲_۶۷۰۵۴، ۰۲۱۹۲_۶۲۷۲۰، 09370821955

ادبی شناخت:۔ ناول وافسانہ نگار، شاعرہ، ڈرامہ نگار، تنقید، بچوں کا ادب

ذریعہء معاش:۔ درس وتدریس۔ ایسوسیٹ پروفیسر وصدر شعبہء ہندی، کے ایم سی کالج، کھپولی، (ممبی یونیورسٹی) ضلع رائیگڑھ، مہاراشٹر ۴۱۰۲۰۳

قلمی عمر:۔ معلوم نہیں

شوہر:۔ اسلم نواب

والدین:۔ خواجہ میاں صاحب اور شرف النساء بیگم

☆ مطبوعات

(اردو کتابیں)

۱۔ انگاروں کے پھول (شعری مجموعہ) ۱۹۹۶ (مہاراشٹر اردو ساہتیہ اکادمی کے مالی تعاون سے)

۲۔ پھول سے پیارے جگنو (بچوں کی نظموں کا مجموعہ) ۲۰۰۳

۳۔ کہانی کوئی سناؤ متاشا (ناول) ۲۰۰۸، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دلی
۴۔ کہانی کوئی سناؤ متاشا (ناول) ۲۰۱۰ رشہرزاد پبلکیشنس، کراچی سے
۵۔ مکھوٹوں کے درمیان (اردو کا طبعزاد ڈرامائی مجموعہ) ۲۰۱۲ تخلیق کار پبلشر، دلی
۶۔ خلش بے نام سی (افسانوں کا مجموعہ) ۲۰۱۳ ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دلی

(ہندی کتابیں)

۷۔ پاؤں کی زنجیر نہ دیکھ سنہ ۲۰۰۰ (مجروح سلطانپوری کی کلیات کا ترجمہ وادارت ہندی میں، سارانش پرکاشن، دلی سے)
۸۔ لوک پر یہ کوئی مجروح سلطانپوری ۲۰۰۲ (مجروح سلطانپوری کی غزلوں کا ترجمہ و ادارت ہندی میں، سارانش پرکاشن، دلی سے)
۹۔ ہندی غزل: فکروفن، خصوصی جائزہ: دُشینت کمار (تحقیق) ۲۰۰۷
۱۰۔ پتھروں کا شہر ۲۰۰۳
۱۱۔ کہانی کوئی سناؤ متاشا (ناول) ۲۰۰۹ ہندی میں
۱۲۔ منّت۔ (افسانوی مجموعہ۔ 'بھارتیہ بھاشا پریشد، کولکاتا' نے 'یُوا لیکھک پُستک پرکاشن سمّان' کے تحت شایع شدہ) ۲۰۱۲
۱۳۔ ساہتیہ میں آلوچنا کی چنتا (تنقیدی مضامین) ۲۰۱۲ (وانگمیے پرکاشن، علی گڑھ)

(تیلگو)

۱۴۔ کہانی کوئی سناؤ متاشا (ناول) ۲۰۱۴۔

(انگریزی)

۱۵۔ 'غزل اینڈ اوڈ' (تحقیق) ۲۰۱۰
بہت سے رسالوں اور مجموعوں میں شامل۔

☆انعامات واعزازات

۱۔ مہاراشٹراردوساہتیہ اکادمی کا سنہ۲۰۰۴ء کے لئے ''ساحرلدھیانوی ایوارڈ'' مبلغ ۱۰،۰۰۰روپے

۲۔ مہاراشٹراردوساہتیہ اکادمی کامکھوٹوں کے درمیان (اردوکاطبعزادڈرامائی مجموعہ) مبلغ ۱۰،۰۰۰روپے

۳۔ بہاراردوساہتیہ اکادمی کا ''رشیدت النساء ایوارڈ'' مبلغ ۱۰،۰۰۰روپے۔ناول 'کہانی کوئی سناؤمتاشا' پر

۴۔ بہاراردوساہتیہ اکادمی کا ''شکیلہ اختر ایوارڈ'' مبلغ ۷۵۰۰روپے۔افسانوی مجموعہ'خلش بےنام سی' پر

۵۔ اترپردیش اردوساہتیہ اکادمی کا کل ہندایوارڈ مبلغ ۱۵۰۰۰روپے۔ ناول 'کہانی کوئی سناؤمتاشا' پر

۶۔ اترپردیش اردوساہتیہ اکادمی کاکل ہندایوارڈ مبلغ ۵۰۰۰روپے۔افسانوی مجموعہ'خلش بےنام سی' پر

۷۔ مہاراشٹرہندی ساہتیہ اکادمی کا'منشی پریم چندرایوارڈ' مبلغ ۳۵۰۰۰روپے۔ 'منت' افسانوی مجموعہ پر۔

۸۔ مہاراشٹرہندی ساہتیہ اکادمی کا جینیندرکمارایوارڈ مبلغ ۲۵۰۰۰روپے۔ناول 'کہانی کوئی سناؤمتاشا' پر

۹۔ بھارتیہ بھاشاپریشد،کولکاتاکا'یوالیکھک پرکاشن سمان' ۲۰۱۲(اردوناول'کہانی کوئی سناؤمتاشا')

۱۰۔ مہاراشٹراردوساہتیہ اکادمی نے'میرج بیورو'نامی یکبابی ڈرامےکو'بیسٹ سکرپٹ رائٹنگ'مقابلےمیں ۱۰۰۰روپےکےنقدانعام سےنوازا۔

۱۱۔ 'پروین شاکرایوارڈ'۔۲۰۱۱۔اردوساہتیہ پریشد،پونا

۱۲۔ اسباقِ میگزین ایوارڈ، پونے ۲۰۱۰

۱۳۔ مجروح اکادمی ایوارڈ ۲۰۰۲

۱۴۔ آدرش شکشک پُرسکار ۲۰۰۲

۱۵۔ شری بالوجا ساہتیہ کلا اکادمی ایوارڈ، دلی

۱۶۔ مہاراشٹر لوک کلیانکاری سیوا سنستھا نے 'مہاراشٹر گورو پرسکار' سے نوازا

۱۷۔ مراٹھا سیوا سنگھ نے 'جیجاؤ ساوتری سمان' سے نوازا۔

۱۸۔ یواجگت اخبار کا اعزاز

۱۹۔ 'ہندی بھوشن'، (راشٹریہ ہندی ساہتیہ پریشد، میرٹھ، اتر پردیش) ۲۰۱۱

۲۰۔ 'ساوتری بائی پھلے ویرانگنا نیشنل فیلوشپ ایوارڈ'۔ ۲۰۱۱ (بھارتیہ دلت ساہتیہ اکادمی، دلی)

۲۱۔ ہما کشر انیشنل ایوارڈ ۲۰۱۰

۲۲۔ ساہتیہ اکادمی کے ۴ پروگراموں (ممبئی، اودے پور اور پورٹ بلئیر) میں اپنی کہانیاں، غزل و نظمیں پیش کیں۔

۲۳۔ بھارتی گیان پیٹھ سے شایع ''آج کی اردو کہانی'' (ہندی میں) میں شامل
بے شمار مشاعروں، ٹی وی ریڈیو اور ٹی وی کے پروگراموں میں حصہ لیا۔
بیرونِ ممالک ادبی پروگراموں میں حصہ لیا
۱۔ ماریشس ۲۔ دوبئی

☆☆☆☆

"JIS DIN SE.......!"

(Novel)

by

Sadiqua Nawab Saher

EDUCATIONAL
PUBLISHING HOUSE
www.ephbooks.com